Sameena\Desktc
(23).jpg not
found.

تانیثی نظریات کا مطالعہ اسلامی تناظر میں

مقالہ برائے

پی ایچ ڈی (مطالعاتِ نسواں)

2016

نگران
ڈاکٹر آمنہ تحسین

مقالہ نگار
سید رضوان حیدر رضوی
1002010101

شعبہ تعلیم نسواں۔اسکول برائے سماجی علوم وفنون
مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی
گچی باؤلی، حیدرآباد

فہرست

پیش لفظ

پیش لفظ

الحمد لاهله و الصلوٰة علی اهلها :

امابعد:

انسانیت کی تاریخ میں عورت کی خونچکاں حیثیت سے کون آگاہ نہیں ہے۔قدرت کی اس بے بہا نعمت کا ہر دور میں کفران کیا گیا اور عورت کو انسانی مرتبہ حاصل کرنے کے لئے بڑی جدو جہد کرنی پڑی ہے کہ جہاں وہ مردوں کی طرح ہاتھ، پیر، دل و دماغ اور ذہن وزبان رکھنے کے باوجود بھی انسان نہیں شمار ہوتی تھی۔ جانوروں کی طرح انسانوں کی خدمت کرنا اور مردوں کی ہوس کی آگ بجھانا اس کا مقدر تھا، یہی نہیں معمولی سی خطا پر بدترین طریقہ سے تنبیہ کیا جانا اس کے لئے معمول تھا۔

پچھلے زمانوں میں کون سا ظلم ہے جو عورت نے نہیں سہا، کون سا ستم ہے جو اس پر نہیں ڈھایا گیا اور کس مصیبت کا دور اس نے نہیں دیکھا؟ حقیقت تو یہ ہے کہ عورت کی داستان سن کر انسانیت کا سر شرم سے جھک جاتا ہے کہ جو برتاؤ متمدن انسانوں کے سماج میں ایک جانور کے ساتھ بھی روا نہیں ہے اس سے بدتر سلوک ماضی میں انسان نے عورت کے ساتھ کیا اور پھر بھی اشرف المخلوقات کا طمغہ لئے پھرتا ہے۔

لیکن چونکہ دنیا متغیر ہے اس لئے حالات یکساں نہیں رہتے اور چڑھتے ہوئے سورج کو زوال ہونا ہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عورت کی دنیا میں بھی انقلاب آیا اور اس کے بھی حالات بدلے اور اس نے اپنے حقوق وحیثیت کی بازیابی کے لئے بڑی جدو جہد کی اور کافی قربانیاں دیں۔

اٹھارہویں صدی کے آخر میں آہستہ آہستہ عورت کی آزادی کی آواز اٹھنا شروع ہوئی اور رفتہ رفتہ یہ آواز عالمی سطح پر ایک تحریک کی شکل اختیار کر گئی۔خواتین کی آزادی اور حقوق کی بازیابی کے لئے اٹھنے والی ان آوازوں اور تحریکوں کو ''فیمنزم'' یا ''تانیثیت'' کا نام دیا گیا اور تانیثیت کا یہ سفر ایک صدی پر محیط ہے۔

اٹھارہویں صدی کے اواخر میں ''حریت پسند تانیثیت'' نے عورت کی آزادی، مرد کے مساوی حقوق اور تعلیم میں مردوں کے برابر آزادی کا مطالبہ کیا اور پھر ''مارکسی تانیثیت'' نے عورت کے معاشی استقلال کا علم بلند کیا، انیسویں صدی کی چھٹی دہائی سے ''انتہا پسند تانیثیت'' کے انتہا پسندانہ مطالبات نے عورت کے لئے اسقاط حمل کی آزادی، ہم جنس پرستی کی

آزادی اور نظام خانوادہ کی قید سے آزادی جیسے مطالبات کئے۔ اور اسی کی دہائی میں ان نظریات میں اصلاح کی غرض سے نظام خانوادہ کی تائید اور مرد سالاری نظام کے خاتمہ کی بات کی گئی اور نوے کی دہائی میں ''اسلامی تانیثیت'' نے اسلامی قوانین میں اصلاح اور اسلام کی زنانہ تفسیر وتبیین کا مطالبہ کیا۔

اس طرح تانیثیت نے ایک صدی کا سفر طے کرتے ہوئے خواتین کی آزادی، تعلیم، مساوات، حق رائے دہی، معاشی استقلال، سیاسی اور سماجی مواقع پر فعالیت اور اظہار رائے کی آزادی جیسے اہم حقوق حاصل کر لئے اور اس پوری سیر میں ہر دور میں ان تحریکوں سے عورت متاثر ہوئی۔ چنانچہ ان تحریکوں کے مثبت اور منفی اثرات نے عورت مختلف حالات سے دوچار کیا۔

جہاں آزادی نسواں کی تحریک نے عورت کو کافی حد تک آزاد کیا، اسے مختلف حقوق دلائے، اس کی حیثیت بہتر ہوئی اور اس نے پوری دنیا میں اپنے وجود اور اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوالیا، وہیں ان تحریکوں سے مفاد پرستوں نے عورت کی نرم خوئی، عطوفت اور رحم دلی سے سوئے استفادہ کرتے ہوئے اس کو اپنے مفادات کے لئے آلہ کار بنایا اور اپنے بازاروں کو رونق بخشا، اپنی خواہشات کی آگ بجھائی اور ہوس کے وحشی جانور کو تسکین پہنچانے کا سامان فراہم کیا اور آج تک عورت ان مثبت ومنفی حالات میں مبتلا ہے۔

لیکن اسلام جو چھٹی صدی عیسوی کا ایک الٰہی نظریہ ہے اس نے ان تحریکوں سے بارہ سو سال پہلے عورت کے لئے جو نظریہ قائم کیا تھا وہ اس پر آج بھی باقی ہے اور باقی رہے گا اس لئے کہ یہ ایک الٰہی نظریہ ہے جہاں قوانین فرد کے لئے بنائے جاتے ہیں صنف کے لئے نہیں۔

جو مطالبات خواتین کی آزادی وحقوق کے لئے مذکورہ تحریکوں کے ذریعہ کئے گئے اسلام نے چودہ سو سال پہلے وہ تمام حقوق عورت کو دے دئے تھے۔ چاہے وہ آزادی کا حق ہو یا معاشی استقلال کا، تعلیم وتعلم کا مرحلہ ہو یا اظہار رائے کی آزادی۔ خلاصہ یہ ہے کہ اسلام نے عورت کو بھی مرد کی طرح سماج کی ایک فرد کا درجہ دیتے ہوئے ایسے قوانین مرتب کئے جن سے عورت ومرد کسی کا حق ضائع نہ ہو اور انسانی سماج میں مساوات اور عدالت کی سالاری برقرار رہے اور ہر فرد اپنے حقوق سے صحیح استفادہ کے ذریعہ اپنی خلقت کے مقصد یعنی راہ کمال کو طے کرے۔

لیکن خدا کا کام ہے عدل کے معیار پر قوانین بنانا، انبیاء کا کام ہے پیغام الٰہی کو لوگوں تک امانت داری سے پہنچانا اور انسانوں کا کام ہے اس پر عمل کر کے راہ کمال کو طے کرتے ہوئے اپنے مقصد کو پا لینا یعنی اس دنیا میں عدل وانصاف، سماج میں امن وسکون اور اس آخرت میں بلند مقام ومراتب کا حصول۔

البتہ قانون انسان کو اس وقت فائدہ پہنچاتا ہے جب انسان اس پر عمل پیرا ہو اور یہی وجہ ہے کہ اسلام میں عورت کے لئے انفرادی اور اجتماعی حیثیت سے ایسے قوانین ہونے کے باوجود کہ جن پر عمل کے نتیجہ میں کوئی عورت ظلم وستم، عدم مساوات یا حقوق کی پامالی کا شکار نہ ہو ان قوانین پر عمل نہ کئے جانے کی وجہ سے آج پوری دنیا میں ایک مسلمان عورت کی بھی

وہی حیثیت وحالت ہے جو دوسری تمام عورتوں کی ہے۔کہ مسلمان کے پاس قانون تو ہےلیکن قانون پر عمل نہیں ہے۔

میری پی ایچ ڈی کے مقالہ کے لئے ''تانیثی نظریات کا مطالعہ اسلامی تناظر میں'' موضوع کا انتخاب کیا گیا تاکہ اٹھارہویں صدی کے تانیثی نظریات کا مطالعہ چھٹی صدی عیسوی کے اسلامی نظریات کے تناظر میں کیا جائے اور یہ بات معلوم ہوسکے کہ ان دونوں نظریات میں نقطہ اتفاق واختلاف کہاں ہےاورکن اسباب کی بنیاد پر یہ نظریات سامنے آئے اور کن وجوہات سے مسلمان عورت کی حالت بھی دوسری عورتوں جیسی ہے۔

اس سلسلہ میں مختلف مکاتب فکر کے محققین اور مصنفین کی کتابوں اور ساتھ ہی قرآن واحادیث کی کتابوں سے مواد فراہم کرکے مقالہ ضبط تحریر میں آیا۔

مولانا آزاد یونیورسٹی میں شعبہ تعلیم نسواں سے منسلک ہونے اور اس شعبہ کے اساتذہ کی محبتوں اور شفقتوں کے زیرنظر تعلیمی سفر کو جاری رکھنے کے سبب خواتین کے متعلق کافی حد تک مطالعات کرنے کا موقع ملا اور ان مطالعات میں تانیثی نظریات اسی وقت سے قابل توجہ رہے جب میں ایم اے کر رہا تھا۔ایم فل میں ''عہد قطب شاہی کی خواتین کی سماجی اور ثقافتی خدمات'' پر مقالہ لکھنے کے بعد پی ایچ ڈی کے لئے تانیثی نظریات کے متعلق موضوع کا انتخاب کیا اس لئے کہ یہ نظریات عہد قطب شاہی کے بھی بعد کے ہیں اور اس موضوع کے انتخاب میں میری استاد راہنما محترمہ ڈاکٹر آمنہ تحسین صاحبہ کی تشویق بھی قابل ذکر ہے۔

یوں تو مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی حیدرآباد کے شعبہ تعلیم نسواں سے میں ۲۰۰۶ء سے منسلک ہوں جب میں نے ایم اے میں داخلہ لیا تھا اس وقت سے اس شعبہ کے اساتذہ نے اپنی شفقتوں اور محبتوں کے ذریعہ مجھے تعلیمی راہ میں مسلسل آگے بڑھنے کا حوصلہ دیا ہے جس کی ناقدری کفران نعمت ہے۔میں اپنے شعبہ کے تمام اساتذہ کا صدق دل سے شکر گزار ہوں جن کی بہترین راہنمائی اور مفید مشوروں کے ذریعہ ہی میں یہاں تک پہنچا ہوں خاص طور سے محترمہ پروفیسر شاہدہ صاحبہ کہ جن کے لطف مسلسل نے مجھے سعی مسلسل کی راہ پر گامزن رکھا ورنہ اس مشغول زندگی میں یہاں تک آجانا کوئی آسان کام نہ تھا۔اسی طرح بے حد مشکور ہوں محترمہ شبانہ کیسر صاحبہ اور محترمہ پروین قمر صاحبہ کا جو اس شعبہ کی فاضل اساتذہ ہیں کہ جن کی تعلیمات اور اخلاقیات زندگی کے لئے مشعل راہ ہیں۔

ہم اپنی پی ایچ ڈی کی پہلی راہنما محترمہ ڈاکٹر ریحانہ سلطانہ صاحبہ مرحومہ کو کبھی فراموش نہیں کرسکتے کہ جنھوں نے مجھے شعبہ تعلیم نسواں میں متعارف کرایا اور عمر کے آخری لمحات تک ہمارا ساتھ دیا۔خدا مرحومہ کی مغفرت اور ان کے درجات کو بلند فرمائے۔

میری نگران استاد محترمہ ڈاکٹر آمنہ تحسین صاحبہ جن کی محبتوں اور قیمتی راہنمائیوں کا ثمرہ میرا یہ مقالہ ہے ان کی خدمت میں اظہار تشکر کا نذرانہ پیش کرنے کے لئے الفاظ کی کمی نے میرے قلم کی طاقت سلب کرلی ہے کہ میرے پاس تہہ دل سے شکریہ کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔میں اپنی استاد راہنما کا بے حد مشکور وممنون ہوں جنھوں نے مقالہ کے سلسلہ میں میری

اس وقت بھی راہنمائی کی جب یہ ان کی ذمہ داری بھی نہ تھی۔اور پھر مسلسل حوصلہ افزائیوں اور درست راہنمائیوں کے ذریعہ میرے مقالہ کی تکمیل میں مدد فرمائی خداوند متعال سے ان کی طول عمر اور توفیقات میں اضافہ کی دعا ہے۔

ساتھ ہی میں شکر گزار ہوں اپنی رفیقہ حیات شاہدہ رضوی کا کہ جنھوں نے میری تحقیق کے دوران اپنی گھریلو مصروفیات، تدریسی مشغولیات اور بچوں کی تربیت کے باوجود نہ صرف یہ کہ حوصلہ دیا بلکہ میری ذمہ داریوں کو بھی اپنے اوپر لے کر مجھے اپنی تحقیق مکمل کرنے کی پوری مدد کی۔ میں خدا سے ان کی صحت وسلامتی اور توفیقات کا مستدعی ہوں۔علاوہ ازیں وہ تمام افرد جنھوں نے میرے مقالہ کی تیاری کے سلسلہ میں مدد کی سب کی خدمت میں تشکر پیش کرتا ہوں۔خداوند عالم راہ علم وعمل میں ہر ایک کو حق وصبر کی توفیق عطا فرامائے۔اور ہمیں راہ حق وصدق پر گامزن رکھے۔(آمین)

سید رضوان حیدر رضوی

حیدرآباد

سپٹمبر ۲۰۱۶ء

ذی الحجہ ۱۴۳۷ھ

بابِ اوّل

تعارف

باب اول

تعارف

۱۔تمہید

۱۔۱۔خواتین کی خلقت

۲۔۱۔خدمت

۳۔۱۔حیثیت

باب اول

تعارف

تمہید

عورت وجود ہستی کا وہ حصہ ہے جس کے بنا عالم انسانیت کی چکی ایک چکر بھی نہیں لگا سکتی، اسی کے دم سے کائنات میں حیات کے رنگ و بو ہیں اور اسی کی مہر و عطوفت اور پیار و محبت جیسے الفاظ کے معانی مصادیق رکھتے ہیں۔ عورت ہی نے خداوند عالم کے ارادہ خلقت انسان کو فعلیت کا جامہ پہنایا اور اسی نے اپنی بے لوث خدمات کے ذریعہ انسان کو سر اٹھا کے چلنے کے قابل بنایا اور زمین کی پستیوں سے آسمان کی بلندیوں تک پہنچایا اور پھر اسی انسان نے اسے کبھی اس کے وجود کو ناپاک کہا، کبھی اسے گناہوں کا سرچشمہ تو کبھی اسے انسان ہی ماننے سے انکار کر دیا۔ پوری تاریخ انسانیت میں عورت نے بڑے نشیب و فراز دیکھے۔ اس کی خلقت کا مسئلہ ہو یا انسانیت کی خدمت کا یا پھر اس کی انسانی سماج میں حیثیت کا، ہر مرحلہ میں اسے کمتر اور پست تر ہی سمجھا گیا۔

عورت کی خلقت:

عالم امکان میں انسانیت کے وجود کے ساتھ ہی عورت کا وجود توام ہے اور کائنات ایک لمحہ کے لئے بھی عورت کے وجود سے خالی نہیں ہے۔ نظام خلقت میں خالق کائنات نے عورت و مرد کو لازم و ملزوم کا درجہ عطا کیا ہے اس طرح کہ ایک دوسرے کے بغیر ادھورے ہیں۔ چرخ کہن اس بات کا گواہ ہے کہ جب انسانیت کی تخلیق کا مرحلہ فعال تھا تو اس وقت اگر ایک متنفس آدم کی شکل میں وجود میں آیا تو دوسرا حوا کی صورت میں اور پھر یہ قافلہ باہم ہمسفر ہوا اور کائنات میں آدمیت کو آباد کیا۔

جنت میں دونوں ساتھ رہے اور جب زمین پر بھیجے گئے تو دونوں ساتھ بھیجے گئے، روئے زمین پر آنے کے بعد دونوں نے درد فراق سہا اور پھر مل کر دونوں نے اس دنیا کو آباد کیا۔ پیدا کرنے والے نے خلقت سے کمال تک تمام منزلوں میں عورت و مرد میں کسی قسم کا کوئی فرق نہیں رکھا، ہر جگہ ہر منزل پر دونوں کو برابر کا درجہ دیا، عالم طبیعت سے استفادہ کرنے کا حق ہو، استعداد کی عطا کا مرحلہ ہو، حس و شعور ہو یا احساسات و جذبات کے فطری تقاضے ہوں یا پھر انسانی ضروریات، خلاق عالم نے کسی امتیاز کو مدنظر نہیں رکھا۔ لیکن یہ کیا ستم ظریفی ہے کہ بشر نے اپنے خالق کے تمام اقدار کو پس پشت ڈال کر عورت

کے ساتھ امتیازی برتاؤ کیا۔ جب کہ آج تک کی تمام ترقیوں میں عورت کسی نہ کسی طرح ضرور شریک رہی ہے۔

عورت کی تخلیق کے سلسلہ میں لوگوں نے مختلف نظریات پیش کئے اور متعدد مذہبی روایات کی بنیاد پر یہ ظاہر کیا گیا کہ عورت کی تخلیق جناب آدم کی پسلی سے ہوئی ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ جو خالق ایک آدم کو خلق کرسکتا ہے وہ ایک حوا کو کیوں نہیں خلق کرسکتا؟ اور قرآن کا نظریہ بھی یہی ہے۔ چنانچہ پہلا خطاب جناب آدم وحوا دونوں سے ہے کہ جب ان کی تخلیق کا مرحلہ طے ہوگیا تو خداوند عالم نے ان سے خطاب کیا اور فرمایا:

''اے آدم تم اور تمھاری زوجہ جنت میں رہو''(۱)

یہ اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ پہلی عورت یعنی حضرت حوا بھی اسی وقت سے ہیں جب سے حضرت آدم ہیں اور قرآن کریم کے تمام خطابات دونوں کے لئے ہیں۔ جس طرح جنت میں ساتھ رہنے کی بات ہے اسی طرح شجر ممنوعہ کے قریب جانے کے متعلق اور اس کے نتیجہ میں سزا ملنے سے متعلق تمام خطاب بھی دونوں کے لئے ہیں۔ چنانچہ حضرت آدم کی تخلیق کے بعد ایک تفصیلی خطاب ہے جو جناب آدم وحوا دونوں سے ہے۔ کہ جب جناب آدم کے پتلے میں روح پھونک دی گئی اور ابلیس کے علاوہ سب نے سجدہ کیا تو خداوند عالم کا ارشاد ہوا:

''ہم نے آدم سے کہا اے آدم یہ (ابلیس) یقیناً تمھارا اور تمھاری زوجہ کا دشمن ہے تو کہیں تم دونوں کو جنت سے نکلوا نہ دے اور تم مصیبت میں پھنس جاؤ۔ بیشک یہاں جنت میں تمھارا فائدہ ہے کہ نہ بھوکے رہوگے نہ برہنہ رہوگے اور یقیناً یہاں نہ پیاسے رہوگے اور نہ دھوپ کھاؤ گے۔ پھر شیطان نے انھیں وسوسہ میں مبتلا کرنا چاہا اور کہا کہ: آدم میں تمھیں ہمیشگی کے درخت کی طرف رہنمائی کردوں اور ایسا ملک بنادوں کہ جو کبھی زائل نہ ہو۔ تو ان دونوں نے درخت سے کھا لیا اور ان کے لئے ان کا آگا پیچھا ظاہر ہوگیا اور وہ اسے درخت کے پتوں سے چھپانے لگے اور آدم نے اپنے پروردگار کی نصیحت پر عمل نہ کیا تو راحت کے راستے سے بے راہ ہوگئے پھر خدا نے انھیں چن لیا اور ان کی توبہ قبول کر لی اور انھیں راستہ پر لگا دیا اور حکم دیا کہ تم دونوں یہاں سے نیچے اتر جاؤ''(۲)

اس طرح نعمت ومصیبت ہر حال میں آدم وحوا دونوں ساتھ ہیں لیکن انسانوں نے جناب آدم کو بہکانے اور ان کو جنت سے نکلوانے کا الزام حضرت حوا کے سر تھوپ دیا۔ حتی کہ ان کی خلقت کے لئے بھی مختلف نظریات پیش کئے مثلاً یہ کہ

جناب حوا کو جناب آدم کی پسلی سے پیدا کیا گیا ہے۔

اس سلسلہ میں قرآن کریم کی بعض آیات ایسی ہیں کہ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ خداوند عالم نے عورت کو مرد کے ہی وجود سے پیدا کیا ہے۔ مثلاً:

''اے لوگو اس خدا سے ڈرو جس نے ایک نفس سے تم کو خلق کیا
اور اسی سے اس کا جوڑا پیدا کیا'' (۳)
''وہی خدا ہے جس نے تم کو ایک نفس سے پیدا کیا ہے اور اسی
سے اس کا جوڑا بنایا تا کہ وہ اس سے سکون حاصل کر سکے'' (۴)
''تم کو ایک ہی نفس سے خلق کیا پھر اسی سے تمھارا جوڑا بنایا
'' (۵)

ان آیات سے یہ معلوم ہوسکتا ہے کہ جناب آدم وحوا کو ایک کے بعد دوسرے کو خلق کیا گیا ہے لیکن یہ بات کہیں سے نہیں کہی جاسکتی کہ عورت کو مرد کی ہڈی یا پسلی سے خلق کیا گیا ہے۔ (۶)

اس کے علاوہ بہت سی روایات اس بات کی تائید کرتی ہیں کہ جناب حوا کو جناب آدم کی پسلی سے خلق نہیں کیا گیا ہے چنانچہ ایک روایت میں ہے کہ:

''عمر بن ابی المقدام اپنے والد سے نقل کرتے ہیں۔ وہ کہتے
ہیں کہ میں نے امام محمد باقر علیہ السلام سے پوچھا کہ خداوند عالم
نے جناب حوا کو کس طرح خلق کیا تو آپ نے فرمایا؛ لوگ اس
سلسلہ میں کیا کہتے ہیں؟ میں نے کہا: لوگ کہتے ہیں کہ آپ کو
جناب آدم کی پسلی سے خلق کیا گیا ہے۔ تو آپ نے فرمایا: جھوٹ
بولتے ہیں، کیا خدا اس بات پر قدرت نہیں رکھتا کہ ان کو پسلی کے
علاوہ سے پیدا کر سکے؟ پھر میں نے کہا۔ پھر کس طرح خلق کیا؟
تو آپ نے فرمایا: میرے والد نے اپنے آباء واجداد سے نقل
کیا ہے کہ رسول خدا نے فرمایا: خداوند عالم نے جناب آدم کی
تخلیق کے بعد اسی مٹی کے بچے ہوئے حصہ سے جناب حوا کو خلق
کیا'' (۷)

اگر چہ کئی ایک کتابوں میں اس قسم کی روایتیں موجود ہیں جن سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ جناب حوا کو جناب آدم کی پسلی سے خلق کیا گیا ہے لیکن ان روایات کو اس طرح حل کیا جا سکتا ہے کہ یہاں پسلی سے مراد نہایت درجہ قربت ہے

۔چنانچہ عرب جب کسی کو قریب تر یا عزیز تر بتانا چاہتے تھے تو کہتے تھے فلاں میری پسلی ہے لہٰذا ان روایات کے معنی اس طرح کئے جاسکتے ہیں کہ جناب آدم کے لئے جناب حوا اس قدر عزیز تھیں کہ گویا وہ ان کی پسلی کی طرح تھیں۔

خلاصہ یہ کہ عورت کا وجود مرد کے وجود کے ساتھ ہی ہے اور وہ اس کے ساتھ ہمیشہ سے رہی ہے یہ اور بات ہے کہ زمانہ نے اس کے ساتھ انصاف نہیں کیا اور اس کو ہمیشہ پست و کمتر سمجھا۔

خدمت:

عورت سدا مرد کے ساتھ رہی۔ جب وہ غاروں میں رہتا تھا تب بھی اور آج جب وہ مضبوط عمارتوں اور محلوں میں رہ رہا ہے تب بھی۔ نہ کل کا انسان عورت سے بے نیاز تھا اور نہ آج کا انسان اس کے وجود سے مستغنی ہے۔

آج بھی جب کہ تہذیب و ترقی اپنی انتہائے عروج کے مدارج طے کرتی ہوئی نظر آتی ہے اور مرد نے اپنی اختراعات سے ایک ہنگامہ بپا کر رکھا ہے دنیا عورت کی ذات سے مستغنی نہیں ہے اور زمانہ قدیم کے بہت سے ان مشاغل کو دیکھا جائے جو صرف عورت کا حصہ تھے۔تو معلوم ہوتا ہے کہ ایک سوت کاتنے والی مشین اس وقت ہزاروں من روئی کے ڈھیر کو تھوڑی سی دیر میں باریک تاگے کی صورت دے دیتی ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ چمڑا پکانے اور رنگنے کی مشین سیکڑوں اور ہزاروں جانوروں کی کھالوں کو ایک ساعت میں کام کی چیز بنا دیتی ہے، ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ جنگل میں جس وقت انجن ہل کو لے جاتا ہے تو ایکڑوں زمین دم کے دم میں قابل زراعت ہو جاتی ہے لیکن آج مرد جس روئی کو مشین سے سوت بناتا ہے ،جس چمڑے کو وہ انجن کے زور سے نرم و رنگین کر دیتا ہے، جس زمین کو وہ آگ و دھویں کی مدد سے کھودتا ہے عورت اس سے بہت پہلے صرف اپنے ضعیف ہاتھوں سے کیا کرتی تھی۔ اور اب بھی وہ تمام مہذب ممالک میں ان مشینوں کے چلانے میں مرد کی معاون ہے۔ اور سوائے اس کے کوئی فرق نظر نہیں آتا کہ اگر پہلے وہ اپنے جھوپڑے کے اندر تنہا ان مشاغل میں مصروف تھی تو اب وہ آتش و دخان کے سامنے ایک جماعت کے ساتھ کسی کارخانہ کی عمارت میں کام کرتی ہوئی نظر آتی ہے ۔یہ معلوم کر کے دنیا متحیر ہوگی کہ اس وقت بھی تقریبا ایک سو چھتیس پیشے ایسے ہیں جو صرف عورت کی مدد سے چل رہے ہیں جن کے لئے یہ غریب اپنے ضعیف اعضاء کو صبح و شام تک متحرک رکھتی ہے۔

غرض کہ عورت آج مرد کے دوش بدوش زندگی کے ہر شعبہ میں محو خدمت ہے اور زمین کی وسعتوں سے آگے بڑھ کر آسمانوں کی وادی میں محو پرواز ہے۔ اور آج ہر ترقی میں عورت کسی نہ کسی طرح سہیم ہے۔

حالانکہ تاریخ میں عورت کی حیثیت بڑے نشیب و فراز کی حامل رہی ہے، ایک زمانہ تھا کہ عورت کا مرتبہ بام عروج کو تھا۔ وہ دیوی کی طرح پوجی جاتی تھی، اس کا احترام تھا، عزت تھی۔ وہ نہ کسی محرومی کی شکار تھی اور نہ ہی اسے اپنے حقوق کے چھن جانے کا غم تھا۔ اور ایک ہی عورت بڑی خوش اسلوبی سے اپنی داخلی اور خارجی ذمہ داریوں کو پورا کر رہی تھی۔

اگر ہم تاریخ کے اوراق کو پلٹتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ آج کی تمام تر ترقیوں کی بنیاد گزار عورت ہی ہے۔ اس لئے کہ تاریخ انسان کو ماہرین فن نے دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ سب سے پہلا وہ زمانہ جب انسان وحشی تھا اس کو ہم عہد

سبعیت (Period of Mili tancy) سے تعبیر کرتے ہیں اور اس کے بعد وہ زمانہ آیا جب انسان نے ایک جگہ اطمینان سے قیام کیا اور رفتہ رفتہ صنعت وحرفت، حکومت وسلطنت کی بنیاد ڈالی اس کو ہم عہد صنعت وتعقل، زمانہ صلح وآشتی (Period of Industrialism) کہہ سکتے ہیں۔

ازمنہ قدیمہ کے عہد تاریخ میں مرد جنگلوں اور پہاڑوں میں وحشی درندوں کے ساتھ زندگی بسر کرنے پر مجبور تھا اور اس کو صحرائی مخلوق کے خلاف اپنی قوتیں استعمال کرنی پڑتی تھیں اس لئے اگر مردوں نے درندوں کے ساتھ زیادہ تعلق رکھنے کی وجہ سے انھیں کے حرکات سیکھے تو حیرت نہ کرنی چاہئے اور چونکہ عورت ایک غار کے اندر خاموش بیٹھی رہتی تھی اس لئے اگر عورت نے اپنے گھر کی تعمیر چڑیوں کے آشیانوں سے اور ذخیرہ خوراک کو جمع کرنے کا درس چیونٹیوں سے حاصل کیا تو جائے تعجب نہیں کیوں کہ فطرت اگر ایک طرف انسان کو تصادم وتضارب سے مجروح کر رہی تھی تو دوسری طرف وہ اسباب سکون و التیام مہیا کرنے میں مصروف تھی جو بقائے حیات کیلئے ازبس ضروری ہیں۔

عورت ہی نے تہذیب وتمدن کی راہ کو اپنے سلیقہ کے ذریعہ طے کیا اور اگر یہ کہا جائے کہ اس میدان کی وہ اکیلی شہ سوار ہے تو غلط نہ ہوگا۔ اس لئے کہ اس کے اندر موجود فطری تقاضے اس کو اس بات کی طرف بلا رہے تھے کہ وہ آگے بڑھے اور اپنے جذبہ عطوفت اور عشق ومحبت کو بروئے کار لائے اور اپنے محیط حیات کو آسان سے آسان تر بنانے کی کوشش کرے۔

جس وقت زمین پر سب سے پہلی عورت عالم ظہور میں آئی ہوگی تو اس کی حالت کیسی دردناک رہی ہوگی اس کا صحیح اندازہ ہم اس وقت نہیں کر سکتے مگر ہاں یہ ضرور معلوم ہے کہ نہ اس کے جسم پر ایسے گھنے بال تھے کہ وہ موسم کی صعوبتیں برداشت کر سکتی اور نہ اس کے دانت اس قدر مضبوط تھے کہ وہ آسانی سے کسی چیز کو غذا بنا سکتی۔ اس کے بازو دیگر حیوانات کے مقابلہ میں کمزور تھے اور اس کی درماندگی شدید، نہ وہ ایک طائر کی طرح پر رکھتی تھی کہ جہاں چاہتی اڑ کر پہنچ جاتی، نہ اس کے پاس بلی کی سی آنکھ تھی کہ رات کی تاریکی میں اپنی بینائی سے کام لے سکتی، نہ اس کے قبضہ میں اوزار تھے کہ وہ ضرورت کی چیزیں بنا سکتی اور نہ اسے کوئی تجربہ حاصل تھا کہ وہ زندگی کی دشواریوں کو آسان کر دیتی، نہ اس کے پاس الفاظ تھے کہ وہ اظہار جذبات کر سکتی، نہ اسے یہ خبر تھی کہ دنیا میں اسباب وارتقا کا مفہوم کیا ہے؟ درخت پھلتے تھے پھولتے تھے لیکن اس کے ضعیف ہاتھ قدرت کی اس حسین پیداوار تک نہ پہنچ سکتے تھے، اونچے پہاڑوں پر دودھ دینے والے جانور اسے نظر تو آتے تھے لیکن اس کے لب اپنی تشنگی رفع نہ کر سکتے تھے، بڑے بڑے بال رکھنے والے حیوانات اس کے سامنے سے گزر جاتے تھے لیکن وہ اپنا جسم محفوظ رکھنے کے لئے ان کا لباس ان سے مستعار نہ لے سکتی تھی۔ کائنات اس کے لئے ایک معمہ تھی، ساری دنیا اس کے لئے ایک راز تھی اور فطرت اس کو اس حال میں مبہوت ومتحیر دیکھ کر مسکرا رہی تھی۔ اس رمز پر کہ با این ہمہ بے مائیگی و بے چارگی ایک دن دنیا کی رونق کو اس سے وابستہ ہونا ہے اور اس کی یہی بے سروسامانی ایک وقت عالم اسباب کو زندہ کر کے دکھا دینے والی ہے۔

شاید اس وقت اسے خود بھی معلوم نہ رہا ہوگا کہ ایک دن وہ اپنے انھیں کمزور ہاتھوں اور ضعیف قوی کے ذریعہ عالم

ہستی میں انقلاب برپا کرنے والی ہے اور بنی آدم کے عیش وآرام کا سامان فراہم کرنے والی ہے اور اسی خاموش فطرت اور پر سکون ماحول میں اپنے وجود کا ہنگامہ کرنے والی ہے۔ اور موجودات عالم کو اپنا خادم بنا کر ان سے اپنی ضرورت کے مطابق خدمت لینے کو تیار ہے۔ چنانچہ تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ موجودات عالم نے اس کی کیا کیا خدمات انجام دیں۔

عورت نے اپنے شعور کو تقویت بخشی اور اعضاء و جوارح کو ہمت و جرات کا لباس پہنایا اور رفتہ رفتہ زراعت ،صنعت اور تہذیب وتمدن کی بنیاد ڈالی اور یہ کام اس نے اس خوش اسلوبی سے انجام دیا کہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ اگر خدا نے مرد کے پہلو سے عورت کو (جو مذاق فطرت کا نازک پہلو کہا جا سکتا ہے)وابستہ نہ کر دیا ہوتا تو شاید مرد اس وقت صحراؤں اور کوہستانوں میں درندوں کے ساتھ رہ رہ کر صرف ایک زبردست درندہ کی صورت میں پایا جاتا اور ساری کائنات سوگوار و مضمحل ہوتی۔

لیکن عورت نے نہ صرف یہ کہ نظام عالم میں فطرت کو ایک دوسرے سے مربوط کر دیا اور عالم ہستی کو جہان رنگ و بو میں تبدیل کر دیا اور رہتی دنیا کے لئے ذرہ ذرہ میں اپنا نقش چھوڑ دیا، اس نے خدمت کیا اور خدمت لیا، اس نے اپنے ضعیف اعضاء کو فطرت کی خدمت میں لگا دیا تو فطرت نے اس کے مقابلہ میں اس کی خدمت کی۔ اور آج کی تمام ترترقیوں میں کسی نہ کسی زاویہ سے عورت کی شرکت ناگزیر ہے اور یہ کارنامہ صرف اور صرف عورت کا ہے۔ اس میں کسی قوم وقبیلہ، علاقہ وملک کو کوئی استثنا نہیں ہے اس لئے کہ عورت، عورت ہونے کے لحاظ سے ساری دنیا میں ایک ہے۔ اگر مغرب کی عورت اپنے رنگین وقیمتی ملبوس میں گھر کی رونق اور مرد کے لئے آرام وسکون کا باعث ہے تو وحشی جزائر میں اس برہنگی اور بے سروسامانی کے عالم میں جھوپڑے کی بہار اور جھوپڑے والوں کے لئے تسلی وتسکین ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ وہاں وہ قالین وکرسی پر جلوہ گر ہے اور یہ یہاں فرش خاک پر آسودہ، وہ وہاں اپنے بچوں کو نفیس اور مکلّف گہواروں میں جھلاتی ہے اور یہ یہاں اپنی آغوش میں، وہاں اسے اپنے گھر کے اندر بہت سی پرتکلف چیزوں کو درست رکھنا پڑتا ہے اور اسے یہاں ایک چٹائی اور چند مٹی کے برتنوں کو۔ پھر تنقید اس پر نہ کرئے کہ قالین اور بورئے میں کیا فرق ہے، شال و پلاس میں کیا نسبت ہے؟ بلکہ صرف یہ دیکھئے کہ یہاں اور وہاں دونوں جگہ ہاتھ کس کا ہے جو اس نظام کو قائم کئے ہوئے ہے۔ اور کس کا دردمند دل ہے جو مرد کی تکلیف و مصیبت پر ہر وقت دھڑ کنے کے لئے آمادہ نظر آتا ہے؟ اگر قالین، بورئے کی ارتقائی صورت نہیں ہے، اگر میز وکرسی، تراشی ہوئی اونچی نیچی چٹانوں کی تقلید نہیں ہے، اگر موجودہ گہوارے ان ٹوکریوں کی ترقی یافتہ صورتیں نہیں ہیں جن میں اب بھی ایشیا وافریقہ کے بہت سے بچے پڑے سو رہے ہیں، اگر موجودہ سوت کاتنے والی مشینیں ان چرخوں کی مہذب شکلیں نہیں ہیں جو اب بھی مشرق میں متحرک نظر آتے ہیں، اگر موجودہ زراعت کا نظام اس سنگین اوزار کا تتبع نہیں ہے جو زمانہ قدیم کی عورت زمین کھودنے کے کام میں لاتی تھی تو بیشک آپ کہہ سکتے ہیں کہ موجودہ ترقی وتہذیب عورت کی منت کش نہیں ہے اور آپ اسے تحقیق ''علم الانسان'' کا موضوع قرار دینے سے احتراز کر سکتے ہیں۔ لیکن اگر ایسا نہیں ہے تو، تو مرد، اس مہذب وشائستہ

مرد کی ناشکر گزاری کی مثال اس سے زیادہ اور کوئی نہیں ہوسکتی کہ وہ عورت کے حقوق کو، اس عورت کے حقوق کو جو ساری دنیا کی ماں، تمام تہذیب وارتقاء کی ماخذ اور جملہ ترقی وشائستگی کی اصل اصول ہے فراموش کردے۔

لیکن مرد اسے کس طرح فراموش کرسکتا ہے اس لئے کہ ابتدائے خلقت سے عورت، مرد کے ہمراہ وہمرکاب ہے اور اس کے ساتھ ہر مرحلہ میں اس کی شریک کار ہے اور یہ سلسلہ آج کے دور تک جاری ہے۔عورت نے کل بھی مرد کی ہمراہی کا حق ادا کیا جبکہ زندگی میں عیش وآرام کے وسائل کی کمی تھی اور آج بھی اسے پوری طرح ادا کررہی ہے جب زندگی کے تمام تر وسائل موجود ہیں۔اگرچہ کہا جاتا ہے کہ مرد وعورت کی جسمانی ساخت میں فرق ہے اور ہر اس کام کے لئے جو مرد کرسکتا ہے عورت موزوں نہیں ہے۔یہ بات ایک حد تک درست ہے اور مرد کے ''قوّام علی النساء'' ہونے کی دلیل ہوسکتی ہے لیکن اس کو عورت کے تمام جائز حقوق کے پامال کردینے کا ذریعہ نہیں بنانا چاہئے۔کیوں کہ جس طرح عورت، مرد کے تمام کام نہیں انجام دے سکتی اسی طرح ایک مرد بھی عورت کے سارے کام پورے نہیں کرسکتا۔حالانکہ عورت نے ہمیشہ مرد کا ہاتھ ان کاموں میں بٹایا ہے جو صرف مرد کے کرنے کے ہیں۔

اس موقع پر مولانا مودودی فرماتے ہیں:

> ''عورت اپنی افتادِ طبع اور اپنی فطری ساخت کے خلاف اگر کوشش کرے تو کسی نہ کسی حد تک مرد کے سب کاموں کا بوجھ سنبھال لے جائے گی، لیکن مرد کسی طرح بھی اپنے آپ کو بچے جننے اور پالنے کے قابل نہیں بنا سکتا''

نیز وہ فرماتے ہیں:

> '' زندگی کے ایک پہلو میں عورتیں کمزور ہیں اور مرد بڑھے ہوئے ہیں۔ دوسرے پہلو میں مرد کمزور ہیں اور عورتیں بڑھی ہوئی ہیں۔تم غریب عورتوں کو اس پہلو میں مرد کے مقابلے پر لاتے ہو جس میں وہ کمزور ہیں۔اس کا لازمی نتیجہ یہی ہوگا کہ عورتیں ہمیشہ مردوں سے کمتر رہیں گی۔تم خواہ کتنی ہی تدبیریں کرلو، ممکن نہیں ہے کہ عورتوں کی صنف سے ارسطو، ابن سینا ،کانٹ، ہیگل، خیام، شیکسپیئر، سکندر، نپولین، صلاح الدین، نظام الملک طوسی اور بسمارک کی ٹکر کا ایک فرد بھی پیدا ہوسکے، البتہ تمام دنیا کے مرد چاہے کتنا ہی سر مارلیں وہ اپنی پوری صنف میں ایک معمولی درجہ کی ماں بھی پیدا نہیں کرسکتے''(۸)

زمانہ حجری میں جس وقت مرد غذا فراہم کرنے کے لئے جنگل میں نکل جاتا تھا تو عورت بھی بسا اوقات اسی کے ہمراہ ہوتی تھی۔ مرد کا کام صرف یہ تھا کہ وہ جانوروں کو نیزے سے ہلاک کر کے ڈال دے لیکن اس مردہ جانور کو گھسیٹ کر غار کے اندر لے جانا، وہاں اس کی کھال صاف کرنا، گوشت کے ٹکڑے کرنا، آگ پر اس کو بھوننا اور مرد کے سامنے لا کر رکھنا، چربی کو الگ کر کے محفوظ کرنا، کھال کو خشک کر کے ملبوس بنانا، یہ سب عورت ہی کا کام تھا جس میں مرد بہت کم حصہ لیتا تھا۔

''امریکہ کی ''اُہاما'' قوم میں مردوں کے بہت سے کاموں کی نظم و ترتیب صرف عورت کے مشاغل سے متعلق تھیں ۔ جب عورت غلہ بو چکتی تھی تو مرد سمجھتا تھا کہ اب موسم گرما کے شکار کا وقت آ گیا ہے اور وہ باہر نکل جاتا تھا۔ اور جب کھیتیاں پک جاتی تھیں تو وہ واپس آتا تھا، گویا کہ عورت، مرد کے لئے تقویم (کیلنڈر) کا حکم رکھتی تھی۔ جب جنگل میں بھیڑوں اور بکریوں کے جسم پر اون زیادہ بڑھ جاتا تھا تو مرد ان کا شکار کرنے نکل جاتا تھا اور جب کھالیں لے کر واپس آتے تھے تو عورتیں ان سے ملبوس تیار کرتی تھیں اور گوشت کا جو حصہ وہ محفوظ رکھنا چاہتی تھیں کمل کے ایک کونے میں رکھ کر چمڑے کے تسمے سے باندھ دیتیں اور غار یا گڑھے میں دفن کر دیتیں اور جب پھر مردوں کی روانگی کا وقت آتا تو وہ ان کے گھوڑوں پر ضروری سامان جو پہلے سے اسی لئے محفوظ رہتا تھا لاد دیتیں اور خود اپنی پیٹھ پر بھی بہت سی چیزیں رکھ کر مردوں کے ساتھ باہر ہو لیتیں۔

اسی طرح مرد و عورت کی شراکت عہد قدیم میں بھی تھی کہ اگر مرد شکار کرتا تھا تو عورت شکار کو سنبھالنے میں مدد کرتی تھی، اگر عورت گھر میں کھانا پکانے، ٹوکریاں بننے، کھالیں سینے میں مصروف رہتی تھی تو مرد بھی کچھ نہ کچھ اس کا ساتھ دیتا تھا لیکن مجموعی طور پر عورت کی ساری زندگی یکسر انہماک و مصروفیت تھی اور وہ ایک لمحہ کے لئے بھی بیکار و معطل نہ بیٹھ سکتی تھی۔

یہ عورت ہے جس نے مرد کو تہذیب و تمدن کا لباس پہنایا، شفقت و محبت کا درس دیا اور سماج میں اس کے وقار کو بلند کیا۔ عورت نے اس سے پیار کر کے محبت کرنے کا سلیقہ سکھایا اور اس کی ترقی و تہذیب کی راہ کو ہموار کیا۔

یقیناً کارزار ہستی میں عورت ایک ہے مگر اس کے رنگ و روپ مختلف ہیں اس کے کردار اگر گوناگون ہیں تو اس کی حیثیت ہر موقع و محل پر مختلف ہے۔ عورت ایک ہی ہوتی ہے لیکن وہ تنہا رہ کر بھی وحدت میں کثرت کا نمونہ پیش کرتی ہے۔

غرض کہ عورت نے ترقی کے تمام مراحل کو طے کیا اور تمدن کی بنیاد ڈالی، مرد کو غاروں سے نکال کر جھونپڑوں اور گھروں میں رہنے کا سلیقہ سکھایا اور آج کی تمام تر ترقی اسی کی مرہون منت ہے۔ غذا کی فراہمی کا مسئلہ ہو یا تن ڈھانپنے کے لئے لباس کی تیاری، جانوروں کی کھال کو کارآمد بنانے کا طریقہ ہو یا سلائی بنائی، برتن تیار کر کے اس میں خورد و نوش کا سلیقہ فراہم کرنا ہو یا تولید مثل کے ذریعہ کاروان انسانی کو فروغ بخشنا اور پھر بچوں کی تعلیم و تربیت کا مرحلہ یا پھر سماج کی تشکیل اور سماج کو تربیت یافتہ فرزند عطا کرنے کی ذمہ داری، ذاتی اخلاق کے ذریعہ دنیا کو اپنی طرف مجذوب کرنے کی باری آئے یا پھر مذہب کے بنیادی اعتقادات اور ان کے فروعات پر عمل کرنے کا مسئلہ ہر میدان اور ہر مرحلہ میں عورت پیش پیش ہے اور نہ صرف یہ کہ پیش پیش ہے بلکہ اس نے اس ترقی و تمدن کی بنیاد ڈالنے کی ذمہ داری اپنے ضعیف کاندھوں پر ڈالی اور اس کو اس

قدرآگے لے گئی کہ آج اشرف المخلوقات انسان جہان ہستی میں سر اٹھا کے چلنے کے قابل ہو گیا۔

غذا کی فراہمی:

غذا ایک جاندار کی اولین احتیاج ہے اور غذا کی فراہمی ایک امر مہم۔ موجودہ زمانہ میں کھانا تیار کرنا، غذاؤں کے مختلف نام رکھنا اور پھر اس کے تنوع کے لحاظ سے اہتمام و انصرام میں بھی تنوع پیدا کرنا یقیناً کوئی آسان کام نہیں ہے لیکن زمانہ قدیم میں باوجود اس کے کہ نہ غذا میں کوئی تنوع تھا اور نہ اسباب فراہمی کا استعمال پیچیدہ، یہ کام اور دشوار رہا ہوگا۔ کیونکہ آج کل غذا مہیا کرنے کے لئے بے شمار آدمیوں کی محنت و جانفشانی سے فائدہ اٹھایا جاتا ہے لیکن زمانہ قدیم میں یہ کام صرف عورت کا تھا کہ وہ غذا مہیا کرے، مردوں اور بچوں کے سامنے لائے۔ اس لئے عورت کو کس قدر کاوش کرنی پڑی ہے کا ہم اندازہ نہیں لگا سکتے۔

چنانچہ جب عورت اول اول دنیا میں آئی تو اس کے پیش نظر کوئی مثال نہ تھی کہ وہ اس کو دیکھ کر فراہمی غذا کے اصول کو سمجھتی اور ان پر کاربند ہوتی اور اگر کوئی مثال تھی بھی تو چرند و پرند کی جو اپنے بچوں کی مختلف طریقوں سے غذا پہنچاتے تھے۔ لیکن عورت ان کا بھی تتبع نہ کر سکتی تھی کیونکہ نہ اس کے پاس تیز پنجے تھے کہ وہ زمین کھود سکتی اور نہ پر و بال کہ وہ پرواز کر کے درختوں کی پیداوار اپنے بچوں کے سامنے لا کر رکھ دیتی اس لئے مجبور تھی کہ حیوانات سے جدا کوئی راستہ اختیار کرے اور خود ایسے آلات و اوزار بنائے جو فراہمی غذا میں اس کے لئے اسانی پیدا کر سکیں۔ اس لئے اس نے سعی و کوشش کا آغاز کیا۔ اور جب اس نے اپنا اولین قدم اس مقصود کی جانب بڑھایا تو اس وقت سب سے پہلے جو چیز اس کو یسیر الوصول نظر آئی وہ درختوں کی پیداوار تھی۔ یعنی جن پتوں اور پھلوں تک اس کا ہاتھ پہنچ سکا تھا ان کو توڑا اور اپنے بچوں اور مردوں کے سامنے پیش کیا۔ لیکن ایک وقت ایسا بھی آیا کہ جب عورت نے فراہمی غذا کے اسباب میں وسعت پیدا کی اور نوک دار پتھروں سے زمین کھود کر گھاس کی جڑیں اور اس کے بیج فراہم کئے اور غذا کے کام میں لائی اور یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ اس نے زمین کی اس قدرتی پیداوار کو کچھ زمانہ تک جانوروں کی تقلید میں یوں ہی کچا کھایا تو اس کے بعد ابال کر اور بھون کے استعمال کیا۔ اگر چہ یہ ابالنا اور بھوننا بھی صرف ان پتھر کے ٹکڑوں کی مدد سے ہوتا تھا جو حرارت آفتاب سے گرم ہو جاتے تھے۔ لیکن کیا ہم اس عورت کی داد الفاظ سے دے سکتے ہیں جس نے اول اول بھوننے یا ابالنے کے اس عجیب و غریب طریقہ کو ایجاد کیا؟ اور کیا آج ہم ان برکات کا احصاء کر سکتے ہیں جن کو عورت کی اس سادہ ذہانت نے بعد کے زمانہ میں مختلف فنون کی صورت سے وابستہ کر کے دنیا اور دنیا والوں کی ترقی کا دروازہ کھول دیا؟

زمانہ قدیم میں انسان نے ایک جگہ مستقل طور سے رہنا نہیں سیکھا تھا اس لئے وہ ایک متحرک زندگی رکھتا تھا اور صحرا بہ صحرا پھرنا اس کا محبوب مشغلہ تھا لیکن یہ متحقق ہے کہ جہاں جہاں انسان گیا وہاں وہاں عورت نے فراہمی غذا کے مسئلہ کو اپنے پیش نظر رکھ کر اس میں کامیابی حاصل کی۔(۹)

باقاعدہ طور پر غذا کو پکا کر استعمال کرنے، اس میں تنوع پیدا کرنے تک کتنے مرحلے طے کئے گئے ہیں اور آج

ہمارے سامنے مختلف النوع اور لذیذ کھانے کا یہ سفر کن مراحل سے طے ہوا ہے اور یہ بات یقینی ہے کہ زمین کھودنا، اس میں تخم ڈالنا، زراعت کی حفاظت کرنا، پختہ ہونے کے بعد غلہ کو کاٹنا، انبار کرنا، صاف کر کے پیسنا اور پکانا یہ ضروری کڑیاں اس سلسلہ ارتقاء کی ہیں جن کو عورت نے طے کیا ہوگا اور پھر ان تمام مشاغل کے لئے جن جن چیزوں کی ضرورت لاحق ہوئی ہوگی ان کو بھی عورت ہی نے مہیا کیا ہوگا۔ کیا کوئی شخص اس بات کا اندازہ کر سکتا ہے کہ ان مدارج کو عبور کرنے کے لئے عورت نے کس قدر زحمت اٹھائی ہوگی اور اس کو اپنی ذہانت وفراست سے کتنا کام کرنا پڑا ہوگا؟ ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ سارے کام تنہا عورت نے کئے اور مرد کا ہاتھ اس میں شامل نہیں تھا لیکن یہ یقینی امر ہے کہ زیادہ حصہ محنت کا عورت ہی کی طرف منسوب ہے جیسا کہ قدیم روایات وحاصل حفریات سے معلوم ہوتا ہے۔

آج پوری دنیا میں تمام ممالک میں غلہ کو انبار کرنے کا رواج ہے۔ بڑے بڑے گودام ہیں اور غلہ کو محفوظ رکھنے کے لئے نئے نئے آلات وطریقوں کا استعمال ہے۔ لیکن جس زمانہ میں یہ ترقی یافتہ وسائل نہ تھے اس وقت غلہ کو کس طرح سے انبار کیا گیا ہوگا؟ یا اس کی حفاظت کی کیا تدابیر کی گئی ہونگی اور اس کو محفوظ رکھنے اور جمع کرنے کا خیال کس کو آیا ہوگا؟ یقیناً یہ مرحلہ بھی عورت کی ذہانت کے ذریعہ حل ہوا اور غلہ کے ذخائر اور خرمن جمع کرنے کے جو طریقے آج رائج ہیں وہ بھی سب عورت کی ایجاد ہیں اور ان میں سب سے قدیم اختراع وہ ہے جس کے نمونے افریقہ کے بعض حصوں میں دیکھنے کو ملتے ہیں۔

غلہ ایک جگہ انبار کر کے اس پر گھاس وغیرہ ڈال کر مٹی سے ڈھنک دیتے ہیں اور اس کی ایک گنبد نما شکل ہو جاتی ہے اس طریقہ سے غلہ میں نم نہیں پہنچ سکتا اور نہ جنگلی چوہے نقصان کر سکتے ہیں۔

زمانہ قدیم سے جنگل کے جانور انسان کے قبضہ میں ہیں اور اس خدمت میں لگے ہیں اور آج بھی دنیا بھر میں حیوانوں سے مختلف قسم کے فائدے اٹھائے جا رہے ہیں۔ دودھ، اون، گوشت سے لے کر سواری، زراعت اور حمل ونقل کے استعمال تک حیوانوں کی خدمات لی جا رہی ہیں وہیں کتے، بلی جیسے جانور بھی انسان سے مانوس ہیں اور ان کی خدمت کے ساتھ ساتھ تفریح کا سامان بھی مہیا کرتے ہیں۔ گائے، بیل بھینس، بھیڑ، بکری، اونٹ، گھوڑے، گدھے، خچر، ہاتھی وغیرہ سب ہی کو انسان نے مسخر کر لیا ہے اور ان سے مستفید ہے حتی کہ آج کل وحشی اور درندے بھی انسان کے تابع وفرمانبردار ہیں۔ سوال یہ ہے کہ ان جانوروں کو مسخر کرنے اور ان سے استفادہ کرنے کا خیال سب سے پہلے کس کو آیا، مرد کو یا عورت کو؟ اگر چہ دوسرے جانوروں کے بارے میں اختلاف ہے جیسا کہ علامہ دمیری لکھتے ہیں:

> ''اہل عرب کہتے ہیں کہ گھوڑا ایک وحشی جانور تھا اس کو سب سے پہلے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام نے سواری کے لئے استعمال کیا''(۱۰)

لیکن یہ امر یقین تک پہنچتا ہے کہ بلی پالنے کا خیال عورت کو پیدا ہوا اور اس سے رفتہ رفتہ ذخائر خوراک کی حفاظت

کا کام بھی لیا جانے لگا۔اس کا ثبوت قدیم تاریخ مصر سے ملتا ہے کہ:

''را''(Ra) کی بیٹی سخت (Sekhet) بلی کو متبرک سمجھتی تھی
اور اس عہد میں جنگلی بلی کے بچے پکڑ کر پالے جاتے تھے جن
سے انسان کے بچے کھیلتے تھے اور بڑے ہو جانے کے بعد ان
سے ذخائر غلہ کی حفاظت کا کام لیا جاتا تھا''(۱۱)

اور آج بھی دنیا کے بیشتر ممالک میں غلہ کی حفاظت کی ذمہ داری عورتوں ہی کی ہے چنانچہ ہندوستان کے شمالی علاقہ میں اکثر مقامات پر عورتیں تالاب سے مٹی نکال کر لاتی ہیں اور ان سے بڑے بڑے برتن غلہ رکھنے کے لئے تیار کرتی ہیں جنھیں کوٹھی کہا جاتا ہے جن میں غلہ اچھی طرح محفوظ رہتا ہے۔

غلہ کو پیسنے اور صاف کرنے کی فکر بھی عورت ہی کو ہوئی اور اس نے اس موقع پر اپنی ذہانت کا ثبوت اس طرح دیا کہ اس نے پتھر کر ذریعہ ایک آلہ ایسا تیار کیا جس میں دانہ کو یا اور کسی چیز کو باریک کیا جا سکے اس کے لئے اس نے جو پہلی چیز بنائی وہ کھرل کی شکل میں آج بھی دوا سازوں کے پاس موجود ہے اور پھر اس کی ترقی یافتہ شکل چکی بنائی جس کا استعمال آج بھی بہت سی عورتیں دانوں کو پیسنے اور دالوں کو صاف کرنے میں کرتی ہیں۔اس طرح دانے کو پیس کر مرد کے سامنے پیش کرنے کا سہرا بھی عورت کے سر جاتا ہے اور آج بھی جہاں پر کھرل یا چکی اور جانتے کا استعمال ہے وہ عورت کے ہی ہاتھوں حرکت میں ہے۔

اگر چہ تحقیقات سے معلوم ہوتا ہے کہ چکی سے پہلے دانہ وغلہ کو باریک کرنے کے لئے جس چیز کو استعمال میں لایا جاتا تھا وہ سِل تھی اور اس کے بعد چکی ایجاد ہوئی ہے۔چنانچہ عہد مسیح اور اس کے قبل بھی سِل اور چکی کا رواج پایا جا تا رہا ہے:

''نہ صرف ہندوستان بلکہ ایشیا ،امریکہ کے تمام حصوں میں
چکی اپنا کام کر رہی ہے اور ہر جگہ عورت ہی کا ہاتھ جنبش دیتا ہوا
نظر آتا ہے''

پانی:

پانی انسان کی زندگی کا اہم ترین جز ہے کہ جس کے بغیر حیات کا تصور باطل ہے اور پانی کی فراہمی پچھلے غیر ترقی یافتہ دور میں جب نل اور بورنگ کا تصور نہیں تھا ایک امر مہم تھا۔یہی وجہ ہے کہ اکثر آبادیاں دریاؤں اور چشموں کے کنارے ملتی ہیں۔لیکن بہت سی جگہیں ایسی بھی ہیں جہاں دریا اور چشمہ دستیاب نہیں ہے یا اگر چشمہ ہے بھی تو گرمیوں میں سوکھ جاتا ہے اور اسباب زندگی کو پانی کی تلاش میں لئے پھرنا ایک بڑا مرحلہ ہے اور چونکہ پانی کی فراہمی کی ذمہ داری عورت کے دوش پر تھی اور چشموں سے پانی لانا عورت ہی کا کام تھا اس لئے سب سے پہلے عورت کو یہ فکر ہوئی کہ کیا کیا جائے کہ دردر کی ٹھوکر نہ کھانی پڑے اور چشموں کے سوکھ جانے کی وجہ سے اس کی تلاش میں نہ پھرنا پڑے اس لئے اس نے اپنے تجربہ کو روبکار لاتے

ہوئے یہ تدبیر نکالی کہ اگر چشمہ کو تھوڑا گہرا کر دیا جائے تو پانی زیادہ فراہم رہے گا اور بہہ کر ضائع نہیں ہوگا اس طرح کویں کی بنیاد سب سے پہلے عورت نے ڈالی۔

الغرض وہ پانی جو انسان کی زندگی کے لئے لازم ہے عورت نے اسے انسان کے لئے فراہم کیا اور آج بھی قبائلی علاقوں اور دیہاتوں میں جہاں پانی کے چشمے آبادی سے دور ہیں عورتیں ہی پانی بھر بھر کے گھر لاتی ہیں۔ چناچہ خود ہندوستان میں راجستھان کے بعض علاقوں میں عورتیں دور دراز سے پانی بھر کے اپنے سروں پر اٹھا کر گھر لاتی ہیں۔

اوزار کی فراہمی:

جب غذا فراہم کرنا عورت کے ذمہ ہے تو پھر اس سے متعلق تمام تر چیزیں بھی عورت کے ذریعہ وجود میں آئیں۔ زمانہ قدیم کے مرد کو شکار کرنے کے لئے بڑے اوزار کی ضرورت تھی اور وہ اس کے لئے مختلف طریقوں سے طرح طرح کے اوزار تیار کرتا تھا تاکہ شکار کرنے میں اس کو مدد ملے تو دوسری طرف عورت جو شکار کو کاٹنے اور بنانے کی خدمت انجام دیتی تھی اس کو یہ فکر ہوئی کہ کس طرح ایسا اوزار تیار کیا جائے کہ جس سے شکار کو کاٹا جائے، اس کی کھال اتاری جائے لہٰذا عورت نے اپنے باورچی خانے کے استعمال کے لئے اس کی مناسبت سے چھوٹے اوزار چھری اور چاقو بنائے۔

> ''امریکہ میں اسکیمو کی عورتیں آج بھی ایک زبردست چھری قیمہ
> کرنے کے لئے استعمال کرتی ہیں جس کی ساخت بہت قدیم
> زمانہ کی ہے اس سے نہ وہ صرف گوشت کے ٹکڑے کرتی ہیں بلکہ
> کھال کے کاٹنے اور تسمے وغیرہ بنانے میں بھی اس سے کام لیتی
> ہیں''(۱۲)

قدیم زمانہ میں چھیلنے اور کاٹنے کا آلہ تیار کرنا کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ تصور یہ کیا جاتا ہے کہ اس زمانہ میں پتھر کے ذریعہ انھیں دھاردار بنا کر کسی چیز کو کاٹنے کا کام انجام دیا گیا اور یہ کام بھی عورت نے انجام دیا۔ اس کے علاوہ خورد ونوش کے وسائل کی فراہمی میں عورت نے اپنی پوری صلاحیت صرف کر دی اور آہستہ آہستہ اپنی بھرپور صلاحیتوں اور تجربوں کے ذریعہ غذا کے اندر تنوع اور لذت پیدا کر دی اور آج دنیا اپنے پیٹ کی آگ بجھانے کے ساتھ ساتھ ہی اسی غذا سے لطف اندوز بھی ہوتی ہے اور یہ تمام کمال عورت کا ہی ہے۔

لباس کی فراہمی:

لباس انسان کی اہم ضروریات میں سے ایک ہے اور اول روز سے انسان اپنے جسم کی ستر پوشی کا شعور رکھتا رہا ہے۔ چنانچہ اسلامی تعلیمات کے مطابق حضرت آدم جب جنت سے اس زمین پر آئے تو وہ اپنے جسم کو جنت کے پتو سے چھپائے ہوئے تھے اس کے علاوہ عالم طبیعت کے سرد وگرم حالات بھی اس بات کے متقاضی تھے کہ انسان اپنے نازک جسم کو سردی و گرمی سے محفوظ رکھے۔

سب سے پہلے اس مسئلہ کے حل کی فکر جس کو ہوئی وہ عورت ہے اور عورت نے ہی اپنی صلاحیتوں کو صرف کر کے مختلف طریقوں سے جسم کو چھپانے اور سردی وگرمی سے بچانے کا انتظام کیا۔ دھاگے بنائے، پھر دھاگوں کو مضبوطی دی اور اس کے بعد ان سے پہننے کے قابل کپڑے تیار کر کے اس ضرورت کو پورا کیا۔ لیکن یہ اتنا آسان نہیں ہے جتنا ہم سمجھ رہے ہیں۔ ذرا غور تو کریں کہ جب عورت کے پاس وسائل نہیں تھے اور نہ ہی اس کے پاس کوئی نمونہ تھا اس وقت اس نے کس طرح تاگے تیار کئے ہونگے۔ پہلی عورت نے درختوں کی چھال کو کوٹ کر ریشے بنائے اور ان سے دھاگوں کا کام لیا، پھر آہستہ آہستہ اس کو بٹنے کا شعور ہوا تو اپنی رانوں پر بٹ کر دھاگے کی شکل دی اور پھر اپنی اس ضرورت کو لکڑی کے ٹکڑوں کے ذریعہ پورا کیا جس کی آخری شکل چرخہ کی صورت میں سامنے آئی اور آج بھی دنیا کے بہت سے علاقوں میں عورتیں چرخہ کے ذریعہ دھاگا بنانے کا کام کرتی ہیں۔

روم یونان اور مصر کی زمینوں سے جو قدیم نقوش دستیاب ہوئے ہیں ان میں یہ منظر اکثر دیکھا جاتا ہے کہ عورت چرخہ یا پھرکی کے ذریعہ سے سوت کات رہی ہے دوآبۂ دجلہ وفرات کے درمیان جو پتھر زمین سے برآمد ہوئے ہیں ان سے بھی دوہزار پانچ سو (۲۵۰۰) برس قبل مسیح چرخے کا رواج ارض فلسطین میں ثابت ہوتا ہے۔

درخت کی چھالوں کو کوٹنے اور ان سے ریشے فراہم کرنے کے بعد عورت نے ترقی کی اور کپاس اور جانوروں کے روؤں سے بھی دھاگے بنانے کا کام لیا۔ اور یہ امر واقعی غور طلب ہے کہ کس نے اسے یہ آگاہی بخشی کہ جنگل میں ادھر ادھر پھرنے والے جانوروں کے جسم پر جو بال ہیں وہ انسان کی ایک اہم ضرورت کو پورا کر سکتے ہیں اور اس کی جستجو اور تلاش کا سہرہ عورت کے سر جاتا ہے کہ اس نے ظاہرا ایک بے قیمت چیز کو انسان کی ضرورت بنا دیا۔

لیکن دھاگے بنا لینے کے بعد بُن کر کپڑے کی شکل دینا بھی کاری دارد۔ اگر چہ یہ یقین کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا کہ سب سے پہلے کپڑے بننے کا فن کس نے ایجاد کیا لیکن:

''اگر قدیم یہودیوں کی روایات پر اعتبار کیا جائے تو ہم کو ماننا پڑے گا کہ اس کو ایک عورت نے جو''ٹیوبلکین'' کی بہن تھی اور جس کا نام ''تیٓ ما'' تھا نے ایجاد کیا''

اور اسی ایجاد نے آج ترقی کر کے بڑی بڑی ملوں کی شکل اختیار کر لی ہے جہاں ذرا سی دیر میں کپڑوں کے تھان کے تھان تیار کر دئے جاتے ہیں اور جنھیں پہن کر آج بڑے بڑے لوگ اتراتے پھرتے ہیں، خود کو حسین وجمیل تصور کرتے ہیں۔ حالانکہ ان ملوں میں مردوں کے ساتھ عورتیں بھی مشغول کار ہوتی ہیں۔

اس کے علاوہ جال بنانا، ٹوکریاں بننا، سوئیٹر بنانا اور کریشیہ سے بہت سی نفیس چیزوں کا تیار کرنا بھی عورت ہی کا کام ہے۔ یہاں تک کہ ازار بند بننے کا کام بھی عورت نے کیا۔ مجھے اپنے بچپن کا زمانہ یاد ہے جب دھاگے کو ایک چارپائی کی ادوائین میں ایک لکڑی کے ذریعہ کس دیا جاتا تھا اور ان دھاگوں کو اوپر نیچے کر کے جال کی شکل دے کر اس میں ایک پتلی لکڑی پھنسا دی جاتی تھی پھر اسی طرح سے دوسری اور تیسری لکڑی جو آہستہ آہستہ ایک ازار بند کی سکل اختیار کر لیتے تھے یہ

کام بھی عورت کا ہی تھا۔

ہمارے بچپن میں عورتیں گرمیوں کے موسم میں جب گیہوں کٹ جاتے ہیں تو گیہوں کے تنے جو باریک تیلیوں کی شکل میں ہوتے ہیں ان کو دھاگے اور اون کی مدد سے ہاتھ سے چلانے والے پنکھے تیار کرتی ہیں اور یہ کام بعض دیہاتوں میں اب بھی ہوتا ہے۔

سردی کے موسم میں سرپت کے اندر سے نکلنے والی مونج کو پھاڑ کر انھیں سکھا کے ان سے مختلف قسم کے سامان جیسے ٹوکری وغیرہ بنانے کا کام ابھی چند سالوں پہلے تک گاؤں کی عورتوں میں عام تھا اور آج بھی مشرقی اتر پردیش کے بہت سے دیہاتوں میں عورتیں یہ کام کرتی ہیں۔

بانس کو چیر کر ٹوکری بنانا، پنکھے بنانا یا چٹائی وغیرہ بنانا تو آج بھی بہت کثرت سے رائج ہے جو اکثر عورتیں ہی کرتی ہیں اور اس کے علاوہ بہت سے دستکاری کے نمونے آج پوری دنیا میں عورت کے نرم و نازک ہاتھوں کے کمالات کا قصیدہ پڑھ رہے ہیں۔حیدرآباد سے آگرہ، دہلی، جے پور کلکتہ کا سفر کر ڈالئے اتر پردیش، اڑیسا، بہار اور بنگال کے دیہی علاقوں میں عورتوں کے ہاتھوں سے بنے ہوئے ہزاروں قسم کے مختلف شاہکار بازاروں میں فراوان ہیں جنھیں دیکھ کر عقلیں دنگ رہ جاتی ہیں اور عورت کی فنکاری اور کمالات کا قصیدہ پڑھنا پڑ جاتا ہے۔

آج اس مشینری دور میں بھی جب ہر چیز مشین سے تیار ہو رہی ہے ایسا نہیں ہے کہ عورت کے نازک اور کارساز ہاتھ شل ہو گئے ہوں اور اس نے اپنی نزاکت کے جلوے بکھیرنے بند کر دئے ہوں آج بھی دنیا کے تمام ممالک میں ایشیا یورپ سے لے کر امریکہ اور افریقہ تک عورت کے ہاتھوں کے آثار سر بازار اپنے وجود کا لوہا منوا رہے ہیں اور ایک ملک سے دوسرے ملک اس کی دستکاریوں کے نمونے منتقل ہو رہے ہیں اور بڑے بڑے بنگلوں اور گھروں کی زینت بن رہے ہیں۔

قدیم زمانہ کی تاریخ گواہ ہے کہ شکار کئے ہوئے جانور کے جسم سے کھال اتارنے کا کام عورت ہی کرتی تھی اور پھر اس کے گوشت کو مصرف میں لانے کے بعد کھالوں کو مختلف ترکیبوں سے قابل مصرف بناتی تھی۔ یہاں تک کھال کے قابل مصرف ہو جانے کے بعد اس سے ملبوس تیار کرنے کا کام بھی عورت ہی کرتی تھی اور ساتھ ہی اس کو رنگ و زینت دینے کا کام بھی اسی کے ذمہ تھا۔

عورت نے جنگلی جانوروں، ہوا میں اڑتے پرندوں اور پانی کے اندر کی مچھلیوں سب ہی کے چمڑوں کو قابل استعمال بنایا اور اپنی عقل اور نازک ہاتھوں کی مدد سے اسے سردی و گرمی کے لباس کے ساتھ ساتھ زیب و زینت کا آلہ بھی بنا کر عالم انسانیت کے سامنے پیش کیا۔اگر چہ آج پوری دینا میں ایسے لاکھوں کارخانے مشغول کار ہیں جہاں کھالوں کو تھوڑی دیر میں کار آمد بنا دیا جاتا ہے لیکن ان تمام امور میں آج بھی عورت ان کارخانوں میں کسی نہ کسی طرح سے اپنے نازک ہاتھوں کی امداد لے کر حاضر ہے اور آج بھی زمانہ اس سے بے نیاز نہیں ہے۔

برتن:

زمانہ قدیم میں جب انسان کے اندر غذا کو ابال کر یا پکا کر کھانے کا شعور آیا تو اس کو اسے برتنوں کی ضرورت کا احساس ہوا جن کی مدد سے کھانے کو ابالا یا پکایا جا سکے۔ اور چونکہ ہم پہلے یہ ثابت کر چکے ہیں کھانے کی ذمہ داری زمانہ قدیم ہی سے عورت کے دوش پر رہی ہے اور اس کے تنوع میں عورت ہی کے کمالات شامل ہیں اس لئے اس بات کا اعتراف کرنا ناگزیر ہے کہ برتنوں کے استعمال کا آغاز بھی عورت ہی کے مرہون منت ہے اور عورت ہی نے ایسے ایسے برتنوں کو بنایا جن کی مدد سے کھانے کو ابالا یا پکایا جا سکے۔ چنانچہ ماقبل تاریخ کے آثار بھی اس بات کے گواہ ہیں کہ عورتیں ہی مختلف طریقوں سے برتنوں کو بناتی تھی اور انھیں اپنے استعمال میں لاتی تھیں۔ اور اس کے لئے سب سے پہلے مٹی کو استعمال میں لایا گیا اور مٹی کے ذریعہ مختلف قسم کے برتن بنا کر انھیں استعمال کیا گیا اور آج اس ترقی یافتہ زمانہ میں بھی مٹی کے برتن مختلف مقامات پر استعمال ہوتے ہیں بلکہ شہروں میں بھی پانی رکھنے کے لئے بہت سے لوگ گرمیوں میں مٹی کے برتنوں کا استعمال کرتے ہیں۔

جن گھرانوں میں زراعت کا رواج ہے وہاں مٹی کی مدد سے بڑے بڑے برتن غلات کو محفوظ کرنے کے لئے تیار کئے جاتے تھے جن میں غلوں کو محفوظ کیا جاتا تھا وہ برتن اتنے بڑے ہوتے تھے کہ جن میں کئی کئی ٹن اناج رکھا جا سکتا تھا، ایسے برتنوں کو بنانے کے لئے موسم گرما میں جب تالاب وغیرہ میں پانی کم ہو جاتا تھا یا سوکھ جاتا تھا اس وقت تالاب کی مٹی نکال کر عورتیں لاتی تھیں اور اس مٹی کو ان بڑے برتنوں کے بنانے میں استعمال کرتی تھی اور اس مٹی کی خاصیت یہ ہوتی تھی کہ ایک تو اس کا رنگ معمولی مٹی کی بنسبت زیادہ سفید ہوتا تھا دوسرے وہ سوکھ جانے کے بعد اتنی مضبوط ہوتی تھی کہ اس کو پکائے بغیر بھی قابل استعمال تھی اور وہ مٹی کا برتن غلہ کی بڑی مقدار اپنے اندر محفوظ کر لیتا تھا۔

آج اسی شکل وصورت اور ڈیزائن کے ٹین کے برتن بنائے جانے لگے ہیں جو پرانے زمانہ کے مٹی کے برتنوں کی شکل ہیں اور ان سے وہی کام لیا جا رہا ہے جو پہلے مٹی کے برتنوں سے لیا جاتا تھا۔

کھانا پکانے کے لئے استعمال ہونے والے چھوٹے چھوٹے برتنوں سے لے کر بڑے بڑے برتنوں تک کا سفر عورت کے ہی ذریعہ طے ہوا ہے اور عورت ہی ہے جس نے دانے کو اگایا، پیس کر باریک کیا اور اس سے روٹی بنا کر مرد کی خدمت میں حاضر کر دیا جس کے مہیا کرنے کے لئے آج مرد جدوجہد کر رہا ہے۔

نمک:

نمک جو آج کھانے کا جز ہے اور اس کے بغیر کھانے کی کوئی حیثیت نہیں ہے اور ''نمک حلالی''، ''نمک حرامی'' اخلاقیات انسان کی شناخت کا درجہ رکھتی ہے۔ غذا میں اس نمک کا استعمال کب شروع ہوا اس بات کی کوئی یقینی مدت معین نہیں ہے اور سب سے پہلے نمک کی دریافت کس نے کی اس کو بھی طے کرنا مشکل ہے ہاں یہ بات ضرور ثابت ہے کہ انسان سے پہلے صحرائی جانور نمک کو تلاش کرنے اور اس کو کھانے وچاٹنے کے شائق تھے اس لئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ زمانہ قدیم میں انسان نے جہاں اور بہت سی چیزیں جانوروں سے سیکھیں ہیں نمک کا استعمال بھی اس نے جانوروں سے ہی سیکھا

ہے۔اور چونکہ ہمیشہ ہی سے غذا کی فراہمی کی ذمہ داری عورت کے کاندھوں پر رہی ہے اس لئے یہ بات طے ہے کہ کھانے میں نمک کا استعمال بھی عورت ہی کے ذریعہ ہوا۔(۱۳)

نمک فراہم کرنے کا طریقہ کیا؟ تھا ظاہر ہے اس سلسلہ میں علاقہ کے اعتبار سے طریقے بھی مختلف ہو سکتے ہیں۔ خود نمک کا وجود بھی مختلف صورتوں میں روئے زمین پر ہے۔کہیں چشموں کے پانی میں ہے تو کہیں جھیلوں میں پانی کے اندر منحل ہے۔

بہرصورت عورت نے نمک کو ڈھونڈ نکالا۔اگر وہ پانی کے اندر حل تھا تو اس کو ابال کر نمک اس سے نکال لیا اور غذا کی لذت کی زینت بنا دیا اور اگر وہ کانوں کے اندر مٹی کا جز و تھا تو بھی عورت نے اسے زمین کے دل سے کھود نکالا اور اس کو قابل استعمال بنا دیا۔

اس طرح ہم انسانی حیات کے اس سفر میں قدم بہ قدم آگے بڑھتے جاتے ہیں اور اس کی ترقی کے کارناموں پر نگاہ کرتے ہیں تو ہر قدم پر عورت ہی پیش پیش ہے جس نے زندگی کے ہر مرحلہ میں اس کے ہر پہلو کو سجانے ،سنوارنے اور متمدن بنانے میں بھرپور حصہ لیا اور اسے بحسن وخوبی اس طرح انجام دیا کہ انسانی زندگی کا کوئی پہلو عورت کے بغیر مکمل نظر نہیں آتا ہے۔

انسانی فطرت کے دو پہلو ہیں ایک مادیات سے متعلق ہے اور دوسرا روحانیات سے۔اوران دونوں پہلوؤں میں مرد وعورت دونوں برابر کے شریک ہیں البتہ جن جذبات سے متاثر ہو کر مرد وعورت نے دنیا میں کام کرنا شروع کیا ہے ان میں بہت ہی نازک فرق ہے۔

عورت فطرتاً نازک دل اور رقیق القلب ہے اس لئے اس کے اندر جو جذبات پیدا ہوتے ہیں ان کا تعلق خود اس کی ذات سے کم اور دوسروں کی ذات سے زیادہ ہوتا ہے۔اس کے برخلاف مرد ہے کہ اس کے جذبات میں خود اس کے داعیات نفس زیادہ ہوتے ہیں اس لئے عورت کا (اس کے باوجود کہ وہ نازک جسم رکھتی ہے اور زیادہ تکلیف برداشت کرسکتی ہے) زمانہ قدیم سے اس قدر محنت کا عادی رہنا صرف اس بنا پر ہے کہ وہ اپنے جذبات سے مجبور ہے اور ایثار اور رواداری اس کی فطرت میں داخل ہے۔

بچہ جتنا ماں سے مانوس ہوتا ہے باپ سے نہیں اس لئے اگر عورت اپنے بچے کو آرام پہونچانے کے لئے زیادہ بے قرار نظر آتی ہے تو یہ ایک قسم کا فطری اجبار ہے جس کا مقابلہ کوئی دنیاوی مصلحت نہیں کرسکتی۔یہاں تک کہ جانوروں میں بھی مادہ،نر کی بنسبت زیادہ محبت کرتی ہے اور اپنے بچوں کے لئے غذا فراہم کرنے کا کام وہی انجام دیتی ہے اور یقیناً یہ نظام قدرت ہے کہ اس نے عورت کے دل کو اس قدر حساس بنا کر دنیا کے کاروبار میں اس کو مرد کے دوش بدوش کام کرنے کا اہل بنا دیا۔

جس وقت عورت دنیا میں آئی اسی وقت سے اس نے مرد کے ساتھ ساتھ سوچنا شروع کر دیا کہ زندگی کس طرح بسر

کی جائے اور اس وقت تک اس کے کوئی اولاد نہیں ہوئی عورت اور مرد، دونوں اس فکر میں مساوات کا درجہ رکھتے تھے لیکن جس وقت عورت نے بچہ کو جنم دیا اور اس کی آغوش بچہ سے آباد ہوگئی تو اس کی فکر میں بہت زیادہ بیتابیاں پیدا ہوگئیں۔

پھر جب تک ایک بچہ اپنی ہی ماں کا بچہ اور ایک ماں اپنے ہی بچہ کی ماں ہے اس وقت تک دنیا کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ فطرت وقدرت کے اس عظیم مظہر اور ترقی عالم کے اس اساس اولین کو نظر انداز کر دے۔

حالانکہ دور حاضر اس اساس کو یکسر فراموش کئے ہوئے ہے۔ اگر چہ یہ کہا جاتا ہے کہ عالمی پیمانہ پر عورت کے سلسلہ میں بیداری آئی ہے مگر پھر بھی عورت کی گذشتہ تاریخ کو ملاحظہ کر کے دیکھا جائے، آج کے مہذب ماحول میں اس تہذب کی بنیادوں کو ذرا غور سے مطالعہ کیا جائے تو معلوم یہی ہوتا ہے کہ آج کی تمام تر تہذیب وتمدن کی جڑوں میں عورت کا ہی خون دل پیوستہ ہے اور عورت ہی نے اس تمدن کو جنگلات اور چٹانوں سے لے کر، غاروں سے دیہاتوں اور شہروں کے سفر تک اپنے ہی خون جگر سے پروان چڑھایا ہے۔

اگر آج انسان جنگل سے نکل کر گاؤں وشہر آباد کر رہا ہے تو اس کی بنیاد رکھنے والی عورت ہے۔ اگر انسان قسم قسم کے قیمتی ملبوسات کے ذریعہ اپنے وقار کو دوبالا کر رہا ہے تو وہ بھی عورت کے مرہون منت ہے۔ اگر انسان آج لذیذ غذاؤں سے لطف اندوز ہو رہا ہے اور اپنی بزم کو انواع واقسام کے کھانوں سے معطر کر رہا ہے تو یہ عورت کی ہی دین ہے اگر آج انسان زبان وبیان کی صلاحیت سے مالا مال ہے اور مافی الضمیر کو اقوام عالم تک پہونچا رہا ہے اور افہام وتفہیم زندگی کے مسائل کو حل کرنے کے ساتھ جذبات واحساسات کا اظہار کرنے کے قابل ہے تو یہ بھی عورت کی عطا ہے۔ حیات انسانی کے ہر شعبہ کو سجانے اور سنوارنے والی عورت ہے اور آج مرد کو فخر سے سر اونچا کر کے چلنے کے قابل بنانے والی بھی عورت ہے۔

اس تمدن کی پرورش میں عورت نے اپنے جان وتن کی بازی لگا دی، مشکلات کا سامنا کیا، اپنی خداداد صلاحیتوں اور قوتوں کو بر سر کار لا کر اپنے نفس پر جبر کر کے، اپنی پوری توانائی صرف کر کے عورت نے انسان کو اس قابل بنایا کہ وہ حیوانوں کے زمرہ سے نکل کر ایک بالاتر مخلوق کا درجہ حاصل کر سکے۔

اس نے تہذب وتمدن کی بنیاد ڈالی، اسے پروان چڑھایا اور زمین سے آسمان تک کے سفر میں نہ یہ کہ انسان کا ساتھ دیا بلکہ اس کی پوری مدد کی۔ آج زمانہ متمدن ہے اور مہذب ہے لیکن اس تہذیب وتمدن کے پورے درس میں یہ کہیں نہیں سکھایا گیا کہ انسان اپنے محسن کو فراموش کر دے بلکہ انسانیت کا پہلا درس تو یہی ہے کہ انسان اپنے محسن کو نہ یہ کہ یاد رکھے بلکہ اس کی قدر دانی کرے، اس کو عزت واحترام عطا کرے۔ لیکن اس تہذیب یافتہ زمانہ میں ہم نے اس کا قصہ تو کچھ عجیب وغریب ہی پایا۔ اور تاریخ میں عورت کے حالات نے تو انسانیت کو شرمندہ کر دیا۔ کیا یہ وہی درس ہے جو عورت نے نئی تہذیب کے مدرسہ میں دیا تھا۔ کیا یہ وہی سلوک ہے جو ایک عاقل کو کرنا چاہئے؟ یا پھر کوئی بات اور ہے؟

اسلامی نقطہ نظر سے خلقت انسان وہ عظیم مرحلہ ہے کہ جس پر خالق نے بھی اپنے کمال کا قصیدہ پڑھا اور انسان کو خلق کر کے فرمایا:

''کس قدر بابرکت ہے وہ خدا جو سب سے بہتر خلق کرنے والا
ہے''(۱۴)

اور جب اس کی خلقت کی نوعیت کو بتایا تو اس نے اعلان کیا کہ:

''ہم نے انسان کو بہترین ساخت میں پیدا کیا''(۱۵)

اور کہیں کسی مرحلہ میں بھی انسانوں میں عدم مساوات کا اشارہ تک نہیں دیا۔ جب کہ لغت عرب میں مرد کے لئے الگ اور عورت کے لئے الگ لفظ استعمال ہوتا ہے۔ مگر قرآن کریم جیسی عظیم کتاب میں جو اسلام کی اساس ہے کسی طرح کی تفریق کی بات نہیں کی گئی اور اس لفظ کو استعمال کیا گیا جو مرد وعورت دونوں کو شامل کر لے یعنی لفظ انسان کو استعمال کیا گیا۔ اور الٰہی نگاہ میں مرد وعورت کسی قسم کے امتیاز کے مستحق نہیں ہیں۔ نظری اعتبار سے نہ عملی اعتبار سے۔

کبھی کہا کہ ''انسان کو ضعیف و کمزور خلق کیا''--نساء۔ آیت/۲۸۔

''ہم نے انسان کو اپنی رحمت کا مزہ چکھایا''--یونس۔ آیت/۱۲۔

''انسان ظالم اور کفران نعمت کرنے والا ہے''-ابراہیم۔ آیت ۳۴۔

''اور ہم نے انسان کو سیاہی مائل نرم کھنکھناتی ہوئی مٹی سے پیدا کیا ہے جو سوکھ کر کھن کھن بولنے لگتی ہے''۔ حجر۔ آیت ۲۶۔

''انسان جلد باز ہے'' اسراء۔ آیت/۱۱۔

''انسان بہت جھگڑا کرنے والا ہے'' کہف۔ آیت/۵۴۔

''انسان کے خمیر میں عجلت شامل ہوگئی ہے'' انبیاء۔ آیت/۳۷۔

الغرض خداوند عالم نے قرآن کریم میں ۶۵/مرتبہ انسان کا لفظ استعمال کیا۔ لیکن کہیں اجمال کے بعد تفصیل کی غرض سے بھی کوئی امتیاز کی بات نہیں کی اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ بارگاہ احدیت میں مرد وعورت دونوں مساوی ہیں اور یہ تفریق کا کھیل لوگوں نے بنا رکھا ہے۔

چنانچہ جب انسان کو خلق کیا تو حضرت آدم وحوا دونوں کو خلق کیا اور ان کو جنت میں مقام دیا اور جنت سے نکالا تو تمام مواقع پر تثنیہ کی ضمیر استعمال کر کے یہ بتا دیا کہ حق کی نگاہ میں مرد وعورت میں کوئی فرق نہیں ہے، چنانچہ ارشاد ہوا!

''ہم نے کہا: اے آدم اب تم اپنی زوجہ کے ساتھ جنت میں
ساکن ہو جاؤ اور جہاں چاہو آرام سے کھاؤ صرف اس درخت
کے قریب نہ جانا کہ اپنے اوپر ظلم کرنے والوں میں سے ہو جاؤ
گے''(۱۶)

اس آیت میں صراحت کے ساتھ اَنْتَ(آپ)وَ زَوجُکَ (آپ کی زوجہ) دونوں کو برابر رکھا گیا ہے پھر''

کلا'' (تم دونوں کھاؤ)حَیثُ شِئتُمَا (تم دونوں جو چاہو) لا تَقرَبَا (تم دونوں اس کے قریب نہ جانا) فَتَکُونَا (تم دونوں ہو جاؤ گے) تمام الفاظ تثنیہ کے استعمال کر کے یہ بتا دیا کہ اس کے نزدیک دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے ثواب وعذاب میں بھی دونوں میں کوئی فرق نہیں رکھا ہم آگے چل کر اس بات کو ثابت کریں گے۔

اس طرح اللہ تعالی نے خلقت بشر میں کوئی تفریق نہ کی اور جناب آدم کے ساتھ حضرت حوا کو خلق کیا ار دونوں کو مساوی مرتبہ سے نوازا یہی نہیں بلکہ عورت کو مرد کے لئے باعث سکون واطمینان بنا کر بھیجا چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔

''اور اس کی نشانیوں میں یہ بھی ہے کہ اس نے تمہارا جوڑا تم ہی
میں سے پیدا کیا ہے تا کہ تمہیں اس سے سکون حاصل ہو'' (۱۷)

اور عورت نے اپنی زندگی میں اس بات کو ثابت کر دکھایا کہ وہ مرد کے لئے باعث سکون ہے اور اپنی تمام تر صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر مرد کے عیش وآرام کے تمام اسباب کو فراہم کرنے میں کوئی کسر نہیں رکھی اور اپنی پوری توانائی صرف کر کے اس نے مرد کو مہذب ومتمدن بنا دیا۔لیکن ان تمام جاںنثاریوں اور جانفشانیوں کے عوض میں اس کی ذات و حیثیت کے ساتھ انصاف نہیں کیا گیا اور آج تک کے اس طولانی سفر میں عورت نے بڑے نشیب وفراز کے ادوار کا سامنا کیا۔ جہاں بہاروں کی رعنائیاں کم اور خزاؤں کے کانٹے زیادہ ہی نظر آتے ہیں۔

قرآن کریم میں حضرت آدم وحوا کی تخلیق اور ان کے جنت میں رہنے کے سلسلہ میں تمام ضمیریں تثنیہ کی استعمال کر کے یہ بات ثابت کر رہا ہے کہ خداوند عالم کے نزدیک مرد وعورت میں کوئی فرق نہیں ہے۔ یہی نہیں جب حضرت آدم نے شجرہ ممنوعہ کے سلسلہ میں نافرمانی کی تب بھی قرآن کریم نے نہ صرف حضرت آدم کو اور نہ صرف حضرت حوا کو مورد تنبیہ قرار نہیں دیا بلکہ اس موقعہ پر بھی معبود نے وہی لب ولہجہ اختیار کیا جو جنت میں قیام کے سلسلہ میں تھا چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

''اے اولاد آدم خبر دار شیطان تمھیں بھی نہ بہکا دے جس طرح
تمہارے ماں باپ کو جنت سے نکال دیا اس عالم میں کہ ان
دونوں کے لباس الگ کر دئے'' (۱۸)

اس موقع پر بھی خداوند عالم نے جو الفاظ استعمال کئے ہیں اور ابـویـکـم یعنی تمھارے ماں اور باپ دونوں کو شیطان نے بہکایا۔اور ''ینزع عنھما لباسھما'' میں دونوں کے جنتی لباس اتار لئے جانے کی بات ہے۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ جنت سے نکل جانے کی ذمہ داری جناب حوا پر نہیں آتی یا صرف انھیں کو مورد الزام نہیں ٹھہرایا جا سکتا جیسا کہ آج بعض مذاہب کا نظریہ اور بہت سے صاحبان نظر کا نظریہ یہی ہے کہ عورت ہی ہے جس نے باوا آدم کو جنت سے نکلوایا۔

جب کہ قرآن کریم کی لفظیں ہیں '' فـازلـهـمـا الشیطـان'' (سورہ بقرہ۔آیت ۳۶/) یعنی شیطان نے ان دونوں کو بہکایا۔ جب دونوں کو بہکایا تو پھر الزام صرف جناب حوا پر کس طرح لگایا جا سکتا ہے اور اسی کے بہانے پوری صنف نسواں کو مورد لعن طعن قرار دینے کا کیا جواز ہے پھر جب دونوں کو بہکایا تو دونوں کو جنت سے نکالا گیا۔'' فاخرجهما '' یعنی

دونوں کو نکالا گیا۔

اور اگر بغور مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ نہ صرف یہ کہ خداوند عالم بلکہ شیطان بھی جوان کو بہکا رہا تھا ان دونوں سے مخاطب تھا کہ قرآن کریم میں ہے "و قاسمهما انی لکما لمن النٰصحین" (سورہ بقرہ۔آیت ۲۱) یعنی شیطان نے ان دونوں کو قسم دی اور کہا میں تم دونوں کے لئے نصیحت کرنے والا ہوں۔خالق کائنات کسی مرحلہ میں مرد و عورت کے درمیان کسی امتیاز کا قائل نہیں ہے لیکن آج کا انسان بھرپور امتیاز کی وکالت کر رہا ہے۔

پھر جب جناب آدم و حوا نے شجرہ ممنوعہ سے پھل، کھالیا اور خداوند عالم نے ان سے سوال کیا تو آپ نے جواب بھی جمع کے لہجے میں دیا "ربنا ظلمنا انفسنا" (سورہ اعراف۔آیت ۲۳) یعنی خداوندا ہم نے ظلم کیا اپنے نفسوں پر اور اگر تو ہمیں معاف نہ کرے گا اور ہم پر رحم نہ کرے گا تو ہم نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوں گے۔

الغرض خلقت حضرت آدم کے ساتھ ہی عورت کا وجود ثابت ہے اور پہلا مسکن اگر مرد کے لئے جنت تھا تو عورت بھی اس کے ساتھ جنت میں موجود تھی اور پھر جناب آدم علیہ السلام کے پورے قصہ میں عورت شریک رہی کہ اگر انھیں جنت سے نکالا گیا تو حضرت حوا بھی ان کے ساتھ جنت سے نکالی گئیں۔

شجرۂ ممنوعہ کے پھل کھانے کی وجہ سے دونوں ہی زمین پر بھیج دیئے گئے اس طرح روئے زمین پر جب سے مرد ہے اسی وقت سے عورت بھی ہے۔حضرت حوا بھی جناب آدم کے ہمراہ زمین پر تشریف لائیں اور اس طرح جناب آدم اور حضرت حوا کی مشارکت سے روئے زمین پر آدمیت کا کاروان اپنی ارتقائی منزلوں کو طے کرنے لگا۔اور انسانیت اس روئے زمین پر آباد ہوئی۔

اسلامی روایات کی رو سے حضرت آدم اور جناب حوا سرزمین مکہ پر خانہ خدا کے نزدیک کوہ صفا اور مردہ پر اتارے گئے اور وہیں سے اپنے سفر کا آغاز کیا۔

حقیقت تو یہ ہے کہ روئے زمین کی پہلی عورت اپنے تمام تر احساسات و جذبات کے ساتھ زمین پر اتری اور اس نے کاروان انسانی کی ذمہ داری اپنے دوش پر اٹھائی تو اس کو حسن و خوبی انجام دیتی رہی۔

جب جناب حوا نے تن تنہا اس سفر کو شروع کیا ہوگا تو یہ مرحلہ کس قدر سخت رہا ہوگا وہ وادی جو جناب ابراہیم خلیل کی زبانی وادی غیر ذی زرع تھی اس پر جناب حوا نے تمام تر بے سروسامانیوں کے ساتھ کس طرح زندگی کو جہت بخشا ہوگا۔فطری ضروریات سے لے کر عارضی احتیاجات تک کو کس طرح پورا کیا ہوگا۔کھانے پینے کا انتظام، رہنے سہنے کا انتظام یہ تمام ضروریات کیونکر پوری ہوئی ہونگی جب کہ جہان ہستی میں اسباب کی کمی کے ساتھ ان تک رسائی بھی آسان نہ تھی۔

یوں تو بظاہر عورت کے قوی ضعیف تھے لیکن اس ضعف میں حرکت و جنبش کی ایک زبردست قوت اس میں ودیعت کی گئی تھی وہ بادی النظر میں بالکل بے یار و مددگار معلوم ہوتی تھی لیکن دماغ کی صورت میں اس کو ایک ایسا رفیق دے دیا گیا تھا جو اس کی تمام کمزوریوں کا کافی

عوض ہوسکتا تھا۔اوراس نے اس صلاحیت کو بروئے کار لاتے ہوئے اس عالم ہستی میں ہنگامہ برپا کر کے دکھادیا۔

اس طرح عورت نے نہ صرف یہ کہ مرد بلکہ پوری انسانیت کی خدمت اس طرح کی کہ آج انسان ترقی وتمدن کی راہوں کو طے کرتا ہوا ان بلندوں تک پہنچ گیا کہ اب اسے عورت نظر نہیں آرہی ہے۔جبکہ یہ ساری بلندیاں اس نے عورت کی آغوش سے ہی طے کی ہیں۔

عورت آگے بڑھی اوراس نے اس فطرت سے اپنے اوراپنے مرداور بچوں کے لئے عیش وآرام وچین وسکون کے اسباب فراہم کر لئے۔جس کی تفصیلات پہلے گذر چکی ہےلیکن ذرااس عورت، جانثار عورت اور فداکار عورت کا طورل تاریخ میں حشر تو دیکھیں۔

حیثیت:

عورت خلقت میں انسان کے ساتھ ہےاور خالق نے اس کو ہر زمان ومکان میں مرد کے ساتھ رکھا ہے۔ساتھ ہی انسانی تہذیب وتمدن میں عورت کے اہم کردار کو بھلایا نہیں جاسکتا کہ اس نے انسانیت کی کس قدر خدمت کی ہےلیکن:

پچھلی اقوام و مذاہب کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ پچھلے زمانوں میں عورت کی حیثیت کیا تھی؟ ایک زمانہ تھا جب عورت پالتو جانور کی طرح تھی اور وہ صرف کام وتولید کا ذریعہ تھی۔کبھی وہ جنسی خواہش کو پورا کرنے کے کام آتی تھی اور ان سب کے عوض وہ اپنے کمترین حقوق سے بھی محروم تھی، نہ اس کو گھر میں کوئی اختیار تھا اور نہ اموال میں تصرف کا حق، نہ اولاد کی تربیت میں اس کا کوئی کردار شمار ہوتا تھا اور نہ ہی تعلیم وتعلم سے اس کو کوئی واسطہ تھا۔اس کے علاوہ بعض مقامات پر تو عورت حتیٰ کہ زندگی کا بھی حق نہیں رکھتی تھی اور وہ کلی طور پر اپنے شوہر سے وابستہ تھی وہ بھی اس طرح کہ شوہر کے مرنے کے بعد اس سے زندگی کا حق بھی چھین لیا جاتا تھا۔

> ”وحشی لوگ عورت کے سلسلہ میں بہت برا عقیدہ رکھتے تھے اور قبیلہ کے افراد ان عقیدوں پر عمل کرنے کو اپنا مذہبی فریضہ جانتے تھے وہ عورت کے سلسلہ میں بہت برے خیالات رکھتے تھے اور عورت کو ایک ایسی شیطانی مخلوق تصور کرتے تھے کہ جس میں انسانی روح نہیں ہے۔وہ چونکہ عورت کو شیطان کا مظہر سمجھتے تھے اس لئے اسے ستاتے تھے اور اس عمل کو خدا کے نزدیک بہترین عمل تصور کرتے تھے اسی لئے وہ اپنی لڑکیوں کو قتل کر دیتے تھے کہ ان کی زندگی میں شیطان کا زیادہ عمل دخل نہ رہے۔“(۱۹)

یونان تہذیب وتمدن اور فکری اور معنوی ترقی کے اعتبار سے ایک روشن تاریخ رکھتا ہے۔ہندوستان، مصر وغیرہ نے یونانیوں سے پہلے تہذیب وتمدن کی طرف قدم بڑھایا لیکن ان کے تمدن کی ایک خاص جہت تھی اور یونان کی طرح مکمل

تہذیب نہ تھی اور یونان نے پوری دنیا کے تمدن میں کافی حد تک مدد کی۔لیکن۔۔۔۔

ان تمام ترقیوں،تہذیبوں اور تمدنوں کا عورت کی حیثیت سے کوئی واسطہ نہ تھا۔یونانی عقائد میں ایک خیالی عورت ''پانڈورا''(Pinndora)کے نام کی ہے جو تمام انسانی مشکلات ومصائب کا سرچشمہ ہے،عورت زندگی کے تمام زاویوں میں پست وذلیل ہے اسی لئے سقراط کی نظر میں عورت سے سلوک ایک قسم کی تکلیف اور ریاضت ہے،لڑکے مدرسہ جائیں تعلیم حاصل کریں اور لڑکیاں گھر میں رہیں اور گھر کے اندر خدمت کریں۔

ویل ڈورانت کی نظر میں یونان کی تہذیب وتمدن کی ترقی وعظمت کا راز یہ ہے کہ اس میں عورت کی دخالت نہیں ہے اور ان کا مسلسل نعرہ ہے کہ:

''ایک پاکدامن عورت کا نام بھی خود اس کی طرح گھر میں
پوشیدہ رہنا چاہئے''(۲۰)

یونانی عورت تجارت کی اجناس میں سے ایک تھی اور بازاروں میں خریدی اور بیچی جاتی تھی اور شوہر کے مرنے کے بعد اسے جینے کا حق نہ تھا۔

سومر ایک پرانا ملک ہے جو بین النہرین کے نچلے علاقہ میں خلیج فارس کے قریب ملک ''اکد'' کے جنوب میں واقع ہے۔

سومری عیسی مسیح سے پانچ ہزار سال پہلے وہاں رہتے تھے اور بین النہرین میں ان کی قدیم ترین تہذیب ہے۔ سومریوں میں عورت کو یہ حق تو حاصل تھا کہ وہ شوہر کے ساتھ مستقل تجاری امور انجام دیں اور اپنے غلاموں اور کنیزوں کی مالک بنیں یا انھیں آزاد کر دیں اور ان میں عورت کبھی کبھی ملکہ کا درجہ بھی حاصل کر لیتی تھی لیکن مشکلات کے اوقات میں وہ مرد کے ہاتھوں میں ہوتی تھی اور مرد کو حق تھا کہ وہ اپنی بیوی کو بیچ دے یا قرض کی ضمانت کے طور پر دیدے۔اس دور میں مرد وعورت میں مالکیت و وراثت کے اعتبار سے کافی فرق تھا۔اور اگر مرد زنا کرے تو اس سے چشم پوشی کر جاتے تھے لیکن اگر عورت زنا کرے تو اس کو سزائے موت تھی۔(۲۱)

مصر دنیا کے سب سے قدیم ممالک میں سے ایک ہے جو فراعنہ کی سرزمین ہے جس کی تاریخ عیسی سے چار ہزار سال پہلے کی ہے وہاں بھی عورت کی حیثیت بہت بہتر نہیں تھی اس لئے کہ اس کا مقام گھر میں ایک خادمہ کی طرح تھا اور اسے صرف گھر کا کام صحیح صحیح کرنا تھا۔چنانچہ ڈاکٹر میخائیل ابراہیم اس سلسلہ میں لکھتے ہیں:

''عورت کو گھر سے باہر نکلنے کا حق نہیں تھا مگر یہ کہ وہ بادشاہوں یا
معبودوں کی خدمت کے لئے باہر جاسکتی تھی''(۲۲)

لیکن اس سلسلہ میں ویل ڈورانٹ کا ماننا ہے کہ:

''مصر میں اس زمانہ میں عورتوں کے حالات آج کی عورتوں کے

حالات سے بہت بہتر تھے''

اسی طرح مارکس مولر کا ماننا ہے کہ:

''پرانی کوئی تہذیب ایسی نہیں ہے جس میں عورتوں کے حالات مصر کی عورتوں کے حالات جیسے رہے ہوں''

یہی وجہ ہے کہ یونانی سیاح جو عام طور پر عورتوں پر غالب اور مسلط رہتے تھے مصر میں عورتوں کی حالت دیکھ کر تعجب کرتے تھے اور مصری مردوں کا مزاق اڑاتے تھے''(۲۳)

ہندوستان کی تہذیب دو سے چار ہزار سال قبل مسیح کی ہے۔ آریائی قبائل شمال ہند سے تقریباً پندرہ سو سال قبل مسیح اس سرزمین پر آئے اور انھوں نے برہمنی تمدن کی بنیاد ڈالی اور ہندو مذہب وجود میں آیا۔

''اس دور میں عورتیں یہ تصور رکھتی تھیں کہ اگر انھیں خریدا جائے تو ان کی زیادہ فضیلت ہے اور عورتوں کو اٹھا لے جانے کو قابل تعریف سمجھتی تھیں۔ عام طور سے مرد کے لئے کئی بیویاں رکھنا مرد کی فضیلت تھی وہ اپنی عورتوں اور بچوں پر حق مالکیت رکھتا تھا اور خاص مواقع پر انھیں بیچ سکتا تھا یا گھر سے باہر کر سکتا تھا۔(۲۴)

مانو کے قانون میں عورت کی حیثیت کے سلسلہ میں ویل ڈورانٹ کا بیان ہے کہ مانو میں لکھا ہے کہ:

''ننگ کا سرچشمہ عورت ہے، جنگ وجدال کی وجہ عورت ہے اور
نچلے حصہ کے وجود کی علت عورت ہے۔ لہٰذا عورت سے پرہیز کیا
جانا چاہئے''

ایک دوسری عبارت میں ہے کہ:

''عورت احمق تو احمق، عقلمند آدمی کو بھی گمراہ کر سکتی ہے اور اسے
اپنی ہوس کا غلام یا غصہ کا شکار بنا سکتی ہے''

اسی قانون کی بنا پر عورت کو پوری زندگی کسی نہ کسی کی سرپرستی میں رہنا چاہئے یعنی پہلے باپ، پھر شوہر اور اس کے بعد اپنی اولاد کی۔

اس قانون میں ہے کہ:

''ایک عورت کو چاہئے کہ وہ اپنے آقا کی اس طرح خدمت
کرے کہ گویا وہ خدا ہے اور ہرگز کوئی ایسا کام نہ کرے جس سے
اس کے شوہر کو تکلیف ہو، اس سے مرد کی اجتماعی حالت اور علم و
فضل کا کوئی تعلق نہیں ہے اور وہ بیوی جو اپنے شوہر کی فرمانبردار
نہیں ہے اگلے جنم میں سیار کی صورت میں جنم لے گی۔ ستی کی رسم
بھی ہندوستان ہی سے شروع ہوئی''(۲۵)

بودھا کے قانون میں عورت کی ابتر حالت کا اندازہ اس بیان سے لگایا جا سکتا ہے کہ:

''عورت مگر مچھ اور شارک کی طرح خطرناک اور خونخوار ہے جو زندگی کے دریا میں گھات لگائے بیٹھی رہتی ہے کہ کسی تیراک مرد کا شکار کرے۔ اور تارک دنیا عورت کے باب میں انھیں بڑی سخت شرائط کے ساتھ قبول کیا جاتا ہے۔ لیکن انھیں بھی مرد راہبوں کا مطیع بنایا جاتا ہے تاکہ وہ ہر پندرہ روز پر ایک مرتبہ خود کو اپنے اعمال کے ساتھ مرد راہبوب کے سامنے پیش کریں۔ خلاصہ یہ کہ ان کی تمام نظارت راہب کرتے ہیں''

اور جینیوں کے احکام میں ایک عورت پر اعتماد نہ کرنا ہے یہاں تک کہ اس کی بات جینیوں کی کتابوں تک میں کی گئی ہے کہ ان کی کتابوں میں لکھا ہے کہ:

''عورتیں ایک مرد سے دل کی گہرائیوں سے، دوسرے سے زبان اور تیسرے سے عملی معاشقہ کرتی ہیں'' (۲۶)

اس سلسلہ میں مولانا محمد الرشید حدوٹی لکھتے ہیں کہ:

''جینیوں کے نزدیک عورت خیر سے عاری و خالی ہے، تمام منکرات اور برائیوں کی جڑ ہے اس لئے مرد، عورت کے ساتھ کسی بھی نوع کے تعلقات استوار نہ کرے۔ نہ عورت کی طرف دیکھے نہ اس سے محو گفتگو ہو اور نہ ہی اس کا کوئی کام سنوارے (۲۷)''

برہمنی قانون میں عورتیں ''پاریا'' (Paria) کے برابر تھیں جو سماج سے بالکل الگ، ناپاک اور تمام انسانی حقوق سے محروم تھیں۔ عورتیں بھی پاریا کی طرح کتاب مقدس پڑھنے اور خدا کی پرستش کا حق نہیں رکھتی تھیں۔

قدیم ایران میں بھی عورتوں کی حالت تمام عورتوں ہی کی طرح تھی۔ ''مزدک'' (ایران میں ساسانی دور کا ایک مذہب کا بانی) نے اعلان کی کہ:

''کئی شادی کرنا بنا کسی قاعدہ و قانون کے جائز ہے حتیٰ کہ محارم سے بھی شادی جائز ہے''

خاص طور سے ساسانی دور میں عورت ایک شخص کا عنوان نہیں رکھتی تھی۔ بلکہ ایک شئے شمار کی جاتی تھی۔ اس زمانہ میں عورت تمام حقوق سے محروم تھی اور ہر اعتبار سے خانوادہ کے سرپرست کی سرپرستی میں تھی۔

خانوادہ کا سرپرست، باپ یا شوہر یا ان کے مرجانے کے بعد ان کا جانشین ہوتا تھا اور اس کو تمام اختیارات حاصل تھے اور تمام وہ چیزیں جو عورتیں یا بچے تحفے وغیرہ کی صورت میں پاتے سب کا مالک وہی ہوتا تھا۔

''الغرض عورت گھر میں بچوں اور غلاموں کی طرح تھی اور اس کو
بے چون و چرا مرد کی اطاعت کرنی تھی اس زمانہ میں شوہر کو اس
بات کا حق تھا کہ وہ اپنی بیوی کو وقتی طور پر کسی کو زوجیت میں
دیدے اور اس کو'' ازدواج با زن عاریتی'' یا'' ازدواج
استقراضی'' کہا جاتا تھا۔ اس سلسلہ میں عورت سے اجازت کی
کوئی ضرورت نہیں تھی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دور میں
عورت ایک شئے تھی نہ کہ ایک شخص۔''(۲۸)

البتہ زرتشت کے زمانہ میں عورت کی حالت کچھ بہتر ہوئی جب اسے عزت واحترام اور مالی حقوق دئے گئے۔ اسی لئے ویل ڈورانٹ نے اپنی کتاب'' تاریخ تمدن''(Will Durant .the Story of Civilizaiton) میں اس دور میں عورت کے مرتبہ کی بلندی کے بارے میں لکھا ہے کہ:

''اس زمانہ میں (زرتشت کے دور میں) عورتیں پوری آزادی
سے مردوں کے درمیان آتی جاتی تھیں، زمین اور دوسری چیزوں
کی مالک ہوتی تھیں وغیرہ۔ اور یہ ایران میں زن سالاری کا
زمانہ تھا''

روس میں قدیم زمانہ میں جب باپ بیٹی کو رخصت کرتا کو ایک چھڑی سے آہستہ سے اس کو مارتا اور وہ چھڑی داماد کو دے دیتا اور اس طرح وہ اسے یہ باور کراتا کہ اب ضروری تنبیہ اسے وہ کرے گا جو زیادہ جوان اور طاقت ور ہے یعنی اس کا شوہر۔

خلاصہ یہ کہ پورے کرہ ارض پر ہر جگہ عورت کی حیثیت مرد سے کم تر تھی۔ جب لڑکی پیدا ہوتی تو وہ خوشی نہیں منائی جاتی تھی جو لڑکے کی پیدائش پر منائی جاتی تھی۔ کبھی کبھی تو مائیں اپنی لڑکیوں کو مار ڈالتی تھیں۔ جزیرہ'' فیجی'' میں عورتوں کی خرید وفروخت ہوتی تھی اور ان کی قیمت ایک بندوق سے بھی کم ہوتی تھی اور بعض عبادت گاہوں میں کتوں کو تو داخل ہونے کی اجازت تھی لیکن عورت کو داخل ہونے کی اجازت نہ تھی۔

قدیم زمانہ میں یعنی جناب عیسیٰ سے بھی ہزراوں سال قبل پوری دنیا میں عورت کی یہ حالت تھی جب کہ عورت ہمیشہ مرد کے ساتھ ہی رہتی تھی، اس کی خدمت کرتی تھی اور اس کی زندگی کے تمام امور انجام دیتی تھی لیکن نہیں معلوم کون سا جذبہ تھا جو عورت کو اس طرح سے کمتر، پست تر اور ذلیل سمجھنے پر مجبور کرتا تھا۔ یہ حالت اٹھارہوں صدی اور انیسوں صدی تک جاری

رہی اور کمابیش اب بھی کچھ اس سے مختلف نہیں ہے چنانچہ ویل ڈورانٹ کے مطابق:

''تقریباً سال ۱۹۰۰ء تک عورت بہت کم حقوق سے بہرہ ور تھی اور انیسوں صدی میں افریقہ میں غلاموں اور کھیتی کے آلات کی طرح خریدی اور بیچی جاتی تھی۔'' تاہیتی'' اور (Tahiti) ''نیو بریٹین'' (Niu Britain) میں عورتیں مجبور تھیں کہ سوروں کو اپنے پستانوں سے دودھ پلائیں''

دنیا میں مذاہب عام طور سے انسانوں کی انفرادی اور اجتماعی فلاح و بہبود کے ضامن ہوتے ہیں اور ایک اچھی زندگی جینے کا سلیقہ سکھاتے ہیں۔ خاص طور سے اگر وہ آسمانی ہوں۔ چنانچہ یہودی، عیسائی جیسے مذاہب۔ جب ہم ان مذاہب میں بھی عورتون کی حیثیت کا مطالعہ کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ان مذاہب میں بھی عورت کی حالت کچھ بہتر نہیں ہے۔ چنانچہ:

یہودیوں کے نزدیک عورت ایک ایسا جانور ہے جو انسانوں سے سب سے زیادہ مشابہ ہے۔ یعنی عورت انسان وحیوان کے درمیان کا فاصلہ ہے۔ یہودیوں کا خدا ''یہوہ'' اپنے دس فرمانوں میں سے ایک میں عورت کو چوپایوں اور اموال میں شمار کرتا ہے اور عورت کو مصیبت اور بدبختی کا سرچشمہ جانتا ہے۔ اس کا وجود صرف اس لئے قابل تحمل ہے کہ وہ تولید کے کام آتی ہے۔(۲۹)

مذہب یہود میں اگر عورت کو لڑکا پیدا ہو تو وہ شر عا سات دن نجس ہے اور اسے ۳۳ ر روز صبر کرنا ہوگا کہ وہ پوری طرح خونریزی سے پاک ہو اور مذہبی امور کو انجام دے سکے۔ لیکن اگر لڑکی پیدا ہو تو وہ پندرہ دن نجس ہے اور ۶۶ ر روز تک اسے پاک ہونے میں لگیں گے اور اس دوران وہ مذہبی امور انجام نہیں دے سکتی۔(سفر لاویان۔۱۲:۲۔۵)(۳۰)

اس سے مذہب یہود میں عورت کی حیثیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے حالانکہ یہود جناب موسی کی قوم اور آسمانی مذہب کے ماننے کا دعوی کرے ہیں۔

اسی طرح عیسائی مذہب میں بھی عورت کی کیا حیثیت ہے اس بات کا اندازہ عیسائیوں کے بڑے پاپ یوحنا کے عقیدہ سے لگایا جا سکتا ہے کہ ان کا ماننا ہے کہ:

''عورت مکمل شر، فطری وسوسہ، مطلوب مصیبت، گھریلو خطرہ، مہلک جاذبہ اور رنگ برنگی آفت ہے۔ وہ وہی'' حوائے

مجسم'' ہے جو ہر جگہ آدم کے ساتھ تھی اور ان کو فردوس بریں سے
محروم کیا اور اب بھی وہ شیطان کے ہاتھوں میں مردوں کو گمراہ
کرنے اور جہنم بھیجنے کے لئے بہترین حربہ ہے''
کلیسا کے قانون نے عورت پر شوہر کی اطاعت کرنے کو
واجب قرار دیا اس لئے کہ یہ مرد ہے جو خدا سے مشابہ خلق ہوا ہے
نہ کی عورت''(۳۱)

مولانا محمد الشید حدوٹی لکھتے ہیں کہ:

''ترتولیان جو مسیحیت کے ابتدائی دور کا امام ہے عورت کے
بارے میں تصور پیش کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ وہ شیطان کے
آنے کا دروازہ ہے، وہ شجرہ ممنوعہ کی طرف لے جانے والی اور
خدا کے قانون کو توڑنے والی ہے اور خدا کی تصویر، مرد کو غارت
کرنے والی ہے''(۳۲)

خلاصہ یہ کہ ہر دور اور مذہب وملت میں عورت کی حالت ابتر تھی اور اس پر ہونے والا ظلم وستم کوئی نئی بات نہ تھی یہاں تک کہ چھٹی صدی عیسوی میں اسلام کے آنے کے بعد مذہب اسلام نے عورت کو شئے کے درجہ سے نکال کر فرد کا مقام عطا کیا اور اس کو مردوں کی طرح ہی حقوق عطا کئے اور مساوات قائم کی۔

چنانچہ عورت کو آزادی، معاشی استقلال، حق ملکیت، انتخاب شوہر کا حق میراث میں حصہ وغیرہ دینے کا امتیاز مذہب اسلام ہی کو ہے جس کی مثال تاریخ انسانیت میں نہیں ملتی۔صدر اسلام اور اس کے کچھ عرصہ تک اسلام کے قوانین پر عمل ہوا لیکن آہستہ آہستہ مسلمانوں نے دوسری اقوام کی پیروی کرتے ہوئے عورت کے مسئلہ میں وہی رویہ اختیار کیا جو دوسری اقوام کا پرانے زمانہ سے چلا آرہا تھا اور کافی حد تک مسلمانوں نے بھی رسم ورواج کی آڑ میں جن میں سے بہت سی رسومات کو مذہب سے بھی منسوب کیا عورتوں پر ظلم اور ان کا استحصال کرنا شروع کر دیا۔اور آج علمی ترقی کے باوجود بھی مسلمان انھیں رسومات میں الجھے ہوئے ہیں اور قرآن وحدیث اور انبیاء وعلماء کے نمونہ عمل ہونے کے باوجود عملی میدان میں وہی کرتے ہیں جو غیر مسلم کرتے ہیں جس کی تفصیلات ہم آگے بیان کریں گے۔

عورت پر ظلم وستم کا دور چلتا رہا اور آخر کار ستر ہویں صدی میں عالم مغرب میں حقوق بشر کے عنوان سے ایک عظیم انقلاب آیا جس کی وجہ سے انگلستان، امریکہ اور فرانس میں بہت سی تبدیلیاں آئیں لیکن ان تمام تبدیلیوں میں عورت کے حقوق کو یکسر فراموش کیا گیا اور ان کے حقوق کی کوئی بات نہیں کی گئی۔

لیکن اٹھارہوں صدی میں جون ۱۸۴۸ء میں امریکہ میں سنکا فالز کی خواتین کی میٹنگ میں عورت ومرد کے درمیان

مساوات کے مطالبہ کا اعلان کیا گیا۔(۳۳)

یعنی یہ کہ آہستہ اہستہ عورتوں کو اپنے اوپر ہونے والے مظالم کی سمجھ آنے لگی اور انھوں نے اس کے خلاف آواز اٹھانے کی ہمت بھی کی اور انیسویں صدی کے آتے آتے یہ آواز بین الاقوامی صورت اختیار کر گئی۔

پوری دنیا میں اس آواز کا اثر ہوا اور تحریکیں رنگ لائیں اور بہت سے مطالبات خواتین کی آزادی اور حقوق کے سلسلہ میں پورے ہوئے اور ان تحریکوں نے حریت پسند سے اسلامی تانیثیت تک کا سفر طے کیا جس کے اثرات پوری دنیا میں واضح ہیں۔

آج ٹیکنالوجی ترقی پر ہے، ذرائع ابلاغ میں وسعت ہے اور ان سب کے ساتھ عورت کی حیثیت بھی پہلے سے کہیں مختلف ہے۔آج عورت ہر میدان میں اپنی پوری صلاحیتوں کے ساتھ پیش پیش ہے بلکہ بعض مواقع پر مرد سے بھی دو قدم آگے ہے۔آج کی عورت کو ہر طرح کی آزادی میسر ہے،سماجی ،سیاسی اور معاشی معاملات میں آزاد ہے۔آج کارخانوں ،دفاتر اور کمپنیوں میں عورت مرد کے شانہ بہ شانہ ہے،قانون ساز اسمبلی اور پارلیامنٹ اور مختلف علمی ،اداری ،سرکاری اور غیر سرکاری مناصب پر عورت کی موجودگی اس کی آزدای اور حیثیت کی گواہ ہے۔لیکن کیا آج ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ آج کی عورت پوری طرح سے آزاد اور محفوظ ہے یا اس کے پورے حقوق اس کو مل گئے۔

عورت کی آزدی اور حقوق کی بازیابی کی تحریکوں اور ترقیوں کے باوجود آج بھی عورت کافی حد تک مظلومیت اور محرومیت کا شکار ہے خاص طور سے مختلف مذاہب میں مذہب کی آڑ لے کر اور رسومات کے بہانے سے اس پر تشدد ہو رہا ہے ۔گھر کے اندر، گھر کے باہر،عمومی مقامات پر کسی وقت بھی عورت کو کوئی قانون اور کوئی تحریک پوری طرح تحفظ فراہم نہیں کر سکی ہے جس کی وجہ سے خواتین کا ایک بڑا طبقہ اپنے حقوق سے محروم ہے یہاں تک کہ وہ مسلمان عورت بھی جس کے دین نے اسے کسی زاویہ سے بھی محروم نہیں رکھا ہے آج تمام معاملات میں دوسری عورتوں سے مختلف نہیں ہے۔

عورت کی آزادی کی آواز آج بلند ہوئی ہے،عورت کے حقوق کی بازیابی کی تحریک آج کی ہے لیکن آج سے چودہ سو برس پہلے اسلام نے عورت کی آزدی اور حقوق کا نظریہ پیش کیا اور نہ صرف یہ کہ نظریہ پیش کیا بلکہ اس پر سختی سے عمل بھی کیا ۔چونکہ اسلام ایک سماجی مذہب ہے اور اس کا پر پیغام اور ہر قانون بنی نوع انسان کے لئے ہے اس لئے سلام کی نظر میں عورت ایک انسان ہے اور کسی بھی مذہب وملت کی قید سے پرے عورت کو تمام انسانی حقوق حاصل ہیں جس میں سب سے اہم حق حیات یعنی جینے کا حق ہے۔اسی لئے قران میں جب قتل کی گفتگو ہوتی ہے تو مرد یا عورت کے قتل کی بات نہیں ہوتی بلکہ قتل نفس کی بات ہوتی ہے اور عورت بھی ایک نفس ہے لہٰذا جس طرح ایک مرد کا ناحق قتل جرم ہے اسی طرح ایک عورت کا بھی ناحق قتل جرم قرار دیا جاتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ جہاں عربوں میں بیٹی کو قتل کر دینا عام تھا اسلام نے اس پر روک لگائی اور جس سماج میں عورت کو پست،حقیر وذلیل سمجھا جاتا تھا اسی حجاز میں عورت کو اسلام نے وہ درجہ دیا کہ اس کے قدموں میں جنت قرار دے دی۔عورت کو مکمل آزادی دی کہ وہ جہاں چاہے آجا سکتی ہے۔البتہ حدود شرعی کی رعایت کے ساتھ

،معاشی معاملات میں وہ آزاد ہے جو کمائے وہ اس کی ملکیت ہے، کسی بھی جائز طریقہ سے جو کچھ حاصل کرے وہ اس میں بنا کسی کی اجازت کے تصرف کرسکتی ہے۔شوہر کے انتخاب میں اس کی مرضی لازم ہے چنانچہ عورت تمام انسانی حقوق سے بہرہ مند ہے۔

آج کے تانیثی نظریات کیا اس سے کچھ الگ ہیں؟ اگر آج کا فیمنسٹ عورت کی آزادی کا طالب ہے تو اسلام اسے یہ حق پہلے ہی دے چکا ہے، اگر آج کا فیمنسٹ عورت کی معاشی آزادی کی بات کرتا ہے تو اسلام نے بہت پہلے یہ حق اس کو دے دیا ہے، آج کا فیمنسٹ عورت کی تعلیم کی آزادی چاہتا ہے اسلام نے چودہ سو سال پہلے ہی نہ صرف یہ کہ عورت کو یہ حق دیا بلکہ علم حاصل کرنا اس کے لئے فرض قرار دیا۔

حوالہ جات باب اول

۱۔(سورہ بقرہ۔آیت/۳۵،سورہ اعراف۔آیت/۱۹)

۲۔(سورہ طہ۔آیت/۱۱۶۔۱۲۳)

۳۔(سورہ نساء۔آیت/۱)

۴۔(سورہ۔اعراف،آیت/۱۸۹)

۵۔(سورہ۔زمر،آیت/۶)

۶۔(محمد حسین طباطبائی،المیز ان فی تفسیر القرآن۔ج/۴۔ص/۱۳۶۔دفتر انتشارات اسلامی،جامعہ مدرسین حوزہ علمیہ قم ۱۴۱۷ھ)

۷۔(تفسیر عیاشی۔ج/۱،ص/۲۱۶۔چاپخانہ علمیہ،تہران ۱۳۸۰ھ۔النور المبین فی قصص الانبیا والمرسلین۔ص/۲۸)

۸۔(مولانا ابوالاعلی مودودی۔پردہ۔ص/۱۳۷)

۹۔(Masons womens share in primitveculture نقل از،نیاز فتحپوری۔گہوارہ تمدن۔ص/۳۱)

۱۰۔(دمیری۔حیات الحیوان۔ج/۳۔ص/۲۶۰۔طبع،دیوبند)

۱۱۔(Masons Wons Shareveinpr culture نقل از نیاز فتحپوری۔گہوارہ تمدن۔ص/۳۴)

۱۲۔(Womens Wns Share in pr. culture p.27 نقل از نیاز فتحپوری۔گہوارہ تمدن)

۱۳۔(نیاز فتحپوری۔گہوارہ تمدن سے اقتباس۔ص۱۸۔۱۰۸)

۱۴۔(سورہ مومنون۔آیت/۱۴)

۱۵۔(سورہ تین۔آیت/۴)

۱۶۔(سورہ،بقرہ،آیت/۳۵)

۱۷۔(سورہ روم۔آیت/۲۱)

۱۸۔(سورہ اعراف۔آیت/۲۷)

۱۹۔(دکتر فتحیہ فتاحی زادہ۔زن در تاریخ واندیشہ اسلامی،ص/۲۵)

۲۰۔(ویل دورانت۔تاریخ تمدن۔جمعی از مترجمان۔ج/۲،ص/۲۔ Will Durant .the Story of Civilizaiton۔مولانا محمد الرشید حدوٹی،عورت اور اسلام،ص/۹)

۲۱۔(ویل دورانت ۔تاریخ تمدن ۔جمعی از مترجمان ۔ج/۲،ص/۱۵۷۔ Will Durant .the Story of Civilizaiton

۲۲۔(مریم نورالدین فضل اللہ۔المراۃ فی ظل الاسلام۔ص/۲۵)

۲۳۔(ویل دورانت ۔تاریخ تمدن ۔جمعی از مترجمان ۔ج/۱،ص/۱۹۷۔ Will Durant .the Story of Civilizaiton

۲۴۔(علی اکبر دہخدا۔لغت نامہ، ج/۲۸،ص/۳۰۹۔۳۱۰۔۴۶۵)

۲۵۔(ویل دورانت ۔تاریخ تمدن ۔جمعی از مترجمان ۔ج/۲،ص/۵۶۳۔۵۶۵ Will Durant .the Story of Civilizaiton

۲۶۔(یحیی نوری۔جاہلیت دراسلام۔ص/۱۰۸۔۱۱۵)

۲۷۔(مولانا محمد الرشید حدوثی۔اسلام اور عورت۔ص/۷)

۲۸۔(کرستیان با رتلمہ ۔زن در حقوق ساسانی ۔ ترجمہ محمد حسن نا صر الدین صاحب الزمانی ۔ص/۱۲۔۳۴Christian Bartholomae)

۲۹۔(ویل دورانت ۔لذت فلسفہ۔تہران ،ص/۱۴۸۔۱۵۰۔سفر پیدائش ۲۴:۶۰ The Mansions of Philosophy)

۳۰۔(دکتر فتحیہ فتاحی زادہ۔زن در تاریخ واندیشہ اسلامی۔ص/۴۰)

۳۱۔(ویل دورانت ۔تاریخ تمدن ۔جمعی از مترجمان ۔ج/۱،ص/۱۱۱۔۱۱۲ Will Durant .the Story of Civilizaiton

۳۲۔(مولانا محمد الرشید حدوثی۔اسلام اور عورت،ص/۷،بحوالہ عورت کا مقام،ص/۲)

۳۳۔(یان مکنزی ، مقدمہ ای بر ایدئولوژی ہای سیاسی ۔ ترجمہ ،م۔قائد،ص/۳۵۲ Political Ideologies : An Introduction)

بابِ دوم

تحقیقی طریقہ کار

باب دوم
تحقیقی طریقہ کار

باب دوم

تحقیقی طریقہ کار

مسئلہ کی نشاندہی:

اٹھارہویں صدی کے اواخر اور انیسویں صدی کے شروعات میں خواتین کے اندر ایک قسم کی بیداری پیدا ہوئی اور مختلف مقامات پر عورتوں کی آزدی اور ان کے حقوق کی بازیابی کی آوازیں بلند ہونے لگیں اور رفتہ رفتہ ان آوازوں کا ایک نام پڑ گیا جو فیمنزم یا تانیثیت کہا گیا اور یہ ایک منظّم تحریک کی شکل اختیار کر گئی۔

جب کوئی تحریک سامنے آتی ہے تو اس کے سلسلہ میں موافق ومخالف نظریات قائم ہونے لگتے ہیں چنانچہ تحریک نسواں یعنی تانیثیت کے سلسلہ میں بھی مختلف افراد نے اپنے اپنے نظریات کا اظہار کیا اور اس کی ارتقائی سیر میں اس کے مختلف ناموں سے جانا گیا اور اس سلسلہ میں چار بڑے نظریات بین الاقوامی سطح پر سامنے آئے۔

سب سے پہلے جب عورت کی آزادی کی بات ہوئی اور تعلیم نسواں کی گفتگو کی گئی تو اس تحریک کا نام ''حریت پسند تانیثیت'' پڑا جس میں کافی حد تک خواتین کی کامیابی کے بعد کارل مارکس کا نظریہ معاشی آزادی کا سامنے آیا جس میں اگرچہ اس نے تمام مزدور طبقہ انسانوں کی بات کی تھی لیکن جب عورتوں کی معاشی آزادی کی بات اس تناظر میں کی گئی تو اس کو ''مارکسی تانیثیت'' کہا گیا۔اور اس کے بعد چونکہ زمانہ تیزی کے ساتھ بدل رہا تھا،صنعتی انقلاب آچکا تھا اور پوری دنیا میں ٹیکنالوجی ترقی کی طرف رواں دواں تھی اس لئے اس تحریک میں بھی تیزی آئی اور عورتوں کو آزادی وتعلیم میں آزادی اور معاشی آزادی جیسے حقوق مل گئے تو اس تحریک میں اور شدت آئی اور نظام خانوادہ سے آزادی،اسقاط حمل کی آزادی،ہم جنسی کی آزادی وغیرہ کے مطالبات سامنے آئے جس کا نام ''انتہا پسند تانیثیت'' رکھا گیا۔اس لئے کہ اس میں انتہا پسندی کا مظاہرہ تھا۔لیکن جب اس نظریہ کی وجہ سے بہت سے مسائل سامنے آنے لگے اور مخالفتیں ہونے لگیں تو اس میں اصلاح اور نظر ثانی کا نظریہ سامنے آیا جس کو''اشتراکی تانیثیت'' کہا گیا۔جس نے کافی حد تک تانیثی نظریات میں اصلاح کی بات کی اور پھر ماڈرن تانیثیت اور پوسٹ ماڈرن تانیثیت کا نظریہ سامنے آیا جو اسی اشتراکی تانیثیت کا ہی ایک حصہ قرار دیا گیا جس میں نئے زمانہ کے اعتبار سے گفتگو کی گئی اور پھر پچھلی دو دہائیوں سے ایک ''اسلامی تانیثیت'' کی آواز بھی سامنے آئی جس میں اسلام کو تانیثیت کے تناظر میں دیکھنے کی بات کہی گئی اور اسلامی قوانین میں نظر ثانی کر کے اس کی زنانہ بیان کی بات کی گئی۔

جبکہ اسلام نے چودہ سو سال پہلے عورت کی آزادی اور حقوق کی نہ صرف بات کی بلکہ اس کو یہ حقوق ادا بھی کئے ہیں اور قرآن کریم جو اسلام کا دستور العمل ہے اس میں عورت کو ہر طرح کی آزادی اور حقوق دئے گئے ہیں لیکن دور حاضر میں عورت اپنی حالت وحیثیت میں یکساں ہے چاہے وہ مسلمان ہو غیر مسلمان۔ لہٰذا ہم اپنے اس مختصر مقالہ میں انھیں نظریات کا اسلامی تناظر میں جائزہ لیں گے اور دیکھیں گے کہ اسلام ان نظریات سے کس قدر موافق یا مخالف ہے اور اسلام کے پاس خواتین کے مسائل کا کیا حل ہے۔

موضوع کا انتخاب:

تانیثی نظریات کے سامنے آنے کے ساتھ ہی پوری دنیا میں عورتیں اس سے متاثر ہوئیں اور ہر قوم وملت کی عورت میں تبدیلی آئی۔ تانیثی نظریات چونکہ اٹھارہویں اور انیسوں صدی کے ہیں اور اسلام چھٹی صدی عیسوی کا ہے اور اس کا دعوی ہے کہ یہ ایک ایسا م مذہب ہے جو ہر زمان ومکان پر منطبق ہوسکتا ہے اس لئے کہ یہ الٰہی اور آخری دین ہے اسے قیامت تک رہنا ہے۔ لہٰذا ایک طرف تو تانیثی نظریات جس نے پوری صنف نسواں میں ایک ہنگامہ برپا کر رکھا ہے اور دنیا کے کونے کونے میں تانیثی نظریات کا پیغام پہنچایا جا رہا ہے اور دوسری جانب اسلام جو ان نظریات کے وجود سے بارہ سو سال پرانا دین ہے اور اس کا پیغام بھی اپنے دعوے کے مطابق مکمل اور منظّم ہے اسی بات کے پیش نظر اس موضوع کو انتخاب کیا گیا کہ آخر اس پرانے نظریہ اور اس نئے نظریہ میں کیا یکسانیت اور کیا اختلاف ہے اور اسلام ان نظریات کے سلسلہ میں کیا کہتا ہے۔

نیز اسلام کے عورت کے متعلق ایسے نظریات کے باوجود جس میں اس نے عورت کو آزاد، خود مختار، اور مستقل قرار دیا ہے دور حاضر میں مسلمان عورت کی حالت بھی دوسری عورتوں ہی کی طرح ابتر اور نا گفتہ بہ ہے تو اس مسئلہ میں کمی کہاں ہے اسلامی قوانین میں یا مسلمانوں کے اسلامی تعلیمات کو سمجھنے اور عمل کرنے میں۔

تحقیق کی ضرورت اور اہمیت:

تانیثی نظریات کے اسلامی تناظر میں مطالعہ وتجزیہ وتحقیق کی ضروت اس لئے پڑی تا کہ اسلام جو بین الاقوامی سطح پر ایک بڑا دین ہے اور پوری دنیا میں اس کے ماننے والے کثرت سے ہیں یہ دیکھا جائے کہ ان نظریات کے بارے میں اسلام کا کیا نظریہ ہے۔

نیز سماجی علوم میں خواتین کے مسائل کی نشاندہی کی جائے اور اس کے اسباب معلوم کئے جائیں۔

اور حاصل شدہ نتائج سے سماج کو واقف کریا جائے اور اسباب سے متعلق شعور کی بیداری اور مسائل کے حل کی نشاندہی کی جائے۔

خواتین سے متعلق قوانین جو بنائے گئے ہیں یا جو بنائے جانے والے ہیں مثلاً جو ایجنسیاں قوانین مرتب کرتی ہیں

ان کو اس طرح کے مواد کی ضرورت ہوتی ہے جس کی بنیاد پر وہ قوانین بناتے ہیں ان کے لئے یہ تحقیق مفید ثابت ہوگی۔

چونکہ یہ مقالہ اسلامی تناظر میں ہے اس لئے مقالہ پرسنل لا کے لئے بھی اہمیت کا حامل ہوگا بلکہ عالمی سطح پر خواتین کی تحریک کے سامنے اسلامی نظریات کی واضح تصویر آسکتی ہے۔

اس موضوع کے انتخاب میں وسعت کو مدنظر رکھا گیا ہے تاکہ کثیر الفائدہ تحقیق ثابت ہو۔

چنانچہ اس مقالہ میں عورت کی زندگی کے پہلوؤں سے بحث کی گئی ہے کہ عورت کی فردی، شہری، اجتماعی سیاسی اور معاشی آزادی اور تعلیمی حقوق کے بارے میں اسلام کیا کہتا ہے یا عورت کی انسانی حیثیت کو اسلام کس حد تک قبول کرتا ہے تا کہ یہ بات معلوم ہو سکے کہ کیا یہ نظریات انسانی سماج کے لئے نئے ہیں یا اس سے پہلے بھی کوئی عورت کے حقوق کی وکالت کر چکا ہے۔

اس کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ آج کے زمانہ میں مسلمان عورت کی حالت بھی دوسرے اقوام کی حالت سے مختلف نہیں ہے۔ جن مسائل سے دنیا کی تمام عورتیں دوچار ہیں، جن مشکلات میں ہر قوم و مذہب کی عورت ہے وہی مشکلات مسلمان عورتوں کو بھی لاحق ہیں اور جو حیثیت دوسری تمام عورتوں کی ہے وہی حیثیت آج مسلمان عورت کی بھی ہے تو اس کی کیا وجہ ہوسکتی ہے۔

اس پس منظر میں کچھ سوالات اٹھائے جا سکتے ہیں جو ہماری تحقیق کا سبب بنے۔

تحقیقی سوالات:

ہر تحقیق کا ایک موضوع اور مقصد ہوتا ہے اور محقق اس موضوع کی اہمیت کے پیش نظر تحقیق کرتا ہے اور اپنے مقصد کو حاصل کرتا ہے جو اس کی تحقیق کا ماحصل ہوتا ہے۔ اگر چہ کوئی استقراء تام نہیں ہے اور کوئی تحقیق آخری نہیں ہے یہ ایسا میدان ہے جہاں نہ محققین کی کمی ہے اور نہ مطالب کا احصاء ہے ہر محقق اپنی وسعت وصلاحیت کے اعتبار سے اپنا کام کرتا ہے اور اپنی محنت کا ثمرہ عام لوگوں کے سامنے پیش کرتا ہے جس سے کسی نہ کسی طبقہ کو فائدہ پہنچتا ہے۔

محقق اپنی تحقیق کو مرتب و منظّم کرنے کے لئے اپنے موضوع سے متعلق کچھ سوالات تیار کرتا ہے جس کی روشنی میں وہ تحقیق کرتا ہے۔ ہماری تحقیق کا موضوع چونکہ ''تانیثی نظریات کا مطالعہ اسلامی تناظر میں'' ہے اور تانیثی تحریک اٹھارہویں صدی کے اواخر سے شروع ہوئی اور انیسویں صدی کے شروعات میں منظّم ہونے کے بعد مختلف ادوار میں اس کے سلسلہ میں متعدد نظریات پیش کئے گئے۔ جبکہ اسلام چھٹی صدی عیسوی کا مذہب ہے اور ہم تانیثی نظریات کا اسلامی تناظر میں مطالعہ کر رہے ہیں اس لئے درجہ ذیل سوالات پیش آتے ہیں جو ہماری تحقیق کا محور ہیں۔

ا۔ مختلف تانیثی نظریات اور ان کے مکاتب فکر کا وجود کن اسباب وعوامل کے پس منظر میں ہوا؟

۲۔ کیا تانیثی نظریات جدید دور کی دین ہے یا حقوق نسواں کے متعلق ماضی میں بھی کچھ نظریات پیش کئے گئے؟

۳۔ کیا تانیثی نظریات حقوق نسواں کا حصول اور ان کی حیثیت کو بہتر بنانے میں معاون ثابت ہوتے ہیں؟

۴۔چھٹی صدی عیسوی میں مذہب اسلام نے حقوق نسواں کا تصور پیش کیا جبکہ تانیثیت (تانیثی نظریات)اٹھارہویں اورانیسویں صدی کی دین ہے تو کیا تانیثی نظریات اسلامی نظریات سے اثر پذیر ہوئے ہیں؟

۵۔حقوق نسواں کے متعلق مذہب اسلام کے تصورات ونظریات کیا ہیں؟

۶۔تانیثی نظریات اورحقوق نسواں کے متعلق اسلامی نظریات میں کس حدتک موافقت پائی جاتی ہے؟

۷۔تانیثی نظریات اوراسلامی نظریات میں اگراختلافات ہیں توان کے کیا جواز ہیں؟

۸۔اگراسلام نے حقوق نسواں کے نظریات پیش کیئےتو وہ نظریات عالمی سماج کے لئے نظیر کیوں نہیں بنے؟

۲۔مفروضے:

ا۔حقوق نسواں کے متعلق تانیثی نظریات جدید دور کی دین ہیں۔جبکہ حقوق نسواں کا اولین علمبردار مذہب اسلام ہے۔

۲۔اسلام میں خواتین کی حیثیت اوران کے حقوق کے متعلق واضح نظریات پائے جاتے ہیں۔

۳۔مختلف ممالک کے سماجی ،سیاسی ،تہذیبی اور اقتصادی سیاق میں تانیثیت کے مکاتب فکراور تانیثی نظریات کا فروغ ہوااور عالمی سطح پرخواتین کی حیثیت پران کے اثرات مرتب ہوئے۔

۴۔حقوق نسواں کے متعلق اسلامی نظریات اور تانیثی نظریات میں کہیں مشابہت تو کہیں اختلاف نظر آتے ہیں۔

۵۔حقوق نسواں کے اسلامی نظریات کی تشہیر وترسیل عالمی سماج تک مکمل اورواضح طور پرنہیں ہوئی۔

۳۔مقاصد:

ا۔تانیثیت کی تشریح وتفہیم کے ساتھ تانیثیت کے مکاتب فکراور تانیثی نظریات کا مطالعہ نیزخواتین کی حیثیت پران کے اثرات کا جائزہ لینا۔

۲۔اسلام میں حقوق نسواں کے تصورات ونظریات کا احاطہ کرنا۔

۳۔تانیثی نظریات کا اسلامی تناظر میں مطالعہ کرنا اوردونوں کے مابین یکسانیت اوراختلاف کے جواز تلاش کرنا۔

۴۔حقوق نسواں کے متعلق اسلامی نظریات کی نامکمل ترجمانی اورحدود ترسیل کے اسباب کی نشاندہی۔

مقالہ میں زیر استعمال تصورات واصطلاحات :

ا۔نظام خانوادہ: فیملی سسٹم

۲۔مردسالاری: پدرسری نظام۔مردسلاری عام لفظ ہےجس کا مطلب ہےسماج میں مردوں کے

غلبہ کا نظام جبکہ پدرسری کے معنی ہیں فیملی میں باپ کی حکومت و بالا دستی۔
(فرہنگ فشردہ سخن۔ دکترحسن انوری۔ ج ۲،ص ۲۱۴۵)

۳۔زن سالاری : مادرسری نظام۔ مادرسری عام لفظ ہے جس کا مطلب ہے سماج میں عورتوں کے غلبہ کا نظام جبکہ مادرسری یعنی فیملی میں ماں کی حکومت اور بالا دستی۔
(فرہنگ فشردہ سخن۔ دکترحسن انوری۔ ج ۱،ص ۲۱۴۵)

۴۔عدل سالاری: یعنی ایسا نظام جس میں عدل کی حاکمیت اور بالا دستی ہو اوراس میں کسی پر ظلم نہ ہو اور کسی کا حق ضائع نہ ہو۔

۵۔بورژوا: Bourgeois وہ سرمایہ داری نظام کہ جس میں سرمایہ دار تولید کے وسائل کو اپنے اخریار میں رکھتے ہیں اور مزدوروں کے ذریعہ اس کی بڑھی ہوئی قیمت سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔
(فرہنگ فشردہ سخن۔ دکترحسن انوری۔ ج ۱،ص ۳۷۸)

۶۔پرولٹاریا: Proletaria وہ صنعتی مزدور جوتولیدی وسائل کے مالک نہیں ہوتے اوران کے پاس اپنی طاقت کے علاوہ اورکوئی ذریعہ نہیں ہوتا۔
(فرہنگ فشردہ سخن۔ دکترحسن انوری۔ ج ۱،ص ۴۶۸)

۷۔تانیثی فلاسفہ: وہ لوگ جو انسانی تجربہ کو جنس مذکر کے تجربہ سے الگ جانتے ہیں
(رابرٹ آوری(rabert Avery)ترجمہ۔مریم سادات شیریان)

۸۔فقاہتی اسلام: جس مین فقہ کے مسائل کو استنباط کے ذریعہ حاصل کیا جاتا ہے۔

۴۔طریقہ کار:

ہماری تحقیق چونکہ ایک سماجی تحقیق ہے اوراس کی بنیاد نظریات کا مطالعہ ہے لہٰذا یہ تحقیق بیانیہ تحقیق ہوگی اورمتن کے تجزیہ پر مبنی ہوگی۔لہٰذا تانیثی نظریات کے سلسلہ میں لکھی جانے والی کتابوں اور رسالوں سے مدد لی گئی ہے۔چونکہ تانیثی تحریکوں کا آغاز مغربی ممالک جیسے فرانس، برطانیہ اور امریکہ سے ہوا لہٰذا ان تحریکوں کے سلسلہ میں تحریری مواد زیادہ تر فرانسیسی اور انگلش زبانوں میں ہیں البتہ ایران کے اسلامی انقلاب کے بعدان میں سے اکثر کتابوں کا فارسی میں ترجمہ ہوا اورساتھ ہی تانیثی موضوع پر بہت سی کتابیں لکھی گئیں بالخصوص پچھلے دودھوں میں اسلامی تانیثیت کا نظریہ سامنے آنے کے بعداس موضوع پر بہت سی تصنیفات و تالیفات اور مقالے لکھے گئے اس لئے مطالعہ اور تجزیہ کے لئے فارسی یا ترجمہ شدہ کتابوں سے استفادہ کیا گیا۔چونکہ محقق فارسی زبان سے آشنائی رکھتا ہے اس لئے فارسی کے ساتھ اردو میں دستیاب مواد کا مطالعہ کیا گیا۔

تانیثی نظریات کے بنیادی ماخذ عام طور سے مغربی فلاسفہ اور مصنفین کی کتابیں ہیں جیسے ''میری وولسٹن کرافٹ'' (Mary Wolston Crart) کی کتاب A Vindication of right of women، جان اسٹوارٹ مل کی کتاب(The Subjection of women)، بٹی فرائیڈن کی کتاب The Feminine mystique ،کارل مارکس اور انگلس کی کتاب(The Communist Monifesto)،انگلس کی کتاب(The Origin of The Family , Private and the STATE 1884)اور سیمون دی بوار کی کتاب(The second Sex)وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

ساتھ ہی تقابلی مطالعہ ہونے کی وجہ سے اسلامی کتابوں میں بنیادی ماخذ قرآن کریم اور تفاسیر واحادیث کی کتابیں ہیں جن میں خواتین سے متعلق گفتگو کی گئی ہے اور ثانوی ماخذ میں دیگر کتابیں، رسالے اور مقالے ہیں۔

چونکہ اس مقالے میں مختلف نظریات کا تقابلی مطالعہ کیا گیا ہے اس لئے اس تجزیہ کے ذریعہ مختلف مکاتب فکر کو سمجھنے کا موقع ملا۔ مثلاً۔ آزادی، حقوق کی ادائگی ،اور مساوات وغیرہ کے مفاہیم اور مصادیق کو بخوبی سمجھا گیا ہے۔

۵۔ابواب کی تفصیلات:

اس مقالہ کو چھ ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے:

باب اول:

تمہید:

جس میں عورت کی خلقت ،خدمت اور حیثیت کی گفتگو کرتے ہوئے مسئلہ کی نشاندہی کی گئی ہے۔ پھر موضوع کے انتخاب کے ساتھ تحقیق کی ضرورت اور اہمیت پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

باب دوم:

باب دوم میں تحقیقی طریقہ کار کو بتاتے ہوئے اس سلسلہ میں پیدا ہونے والے سوالات کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے جس کی بنیاد پر تحقیق کا عمل انجام دیا گیا ہے۔ پھر کچھ مفروضے قائم کئے گئے ہیں اور اس کے بعد تحقیق کے مقاصد کو واضح کیا گیا ہے اور طریقہ کار کی وضاحت کرتے ہوئے ابواب کی تفصیلات کو بیان کیا گیا ہے۔

باب سوم:

باب سوم میں تانیثیت کا تعارف پیش کرتے ہوئے اس کی وضاحت کی گئی ہے اور تانیثی تحریک کی تاریخ کو بیان کیا گیا ہے جس میں اس بات کو واضح کیا گیا ہے کہ تانیثی تحریکیں کب شروع ہوئیں، ان کے اسباب کیا تھے اور ان تحریکوں کا فائدہ خواتین کو کیا ہوا؟ اور یہ تحریکیں کن ادوار سے گزریں؟

باب چہارم:

باب چہارم میں تانیثی نظریات کے سلسلہ میں تفصیل سے گفتگو کی گئی ہے کہ خواتین کی آزادی، حقوق کی بازیابی اور بہتر حیثیت کے لئے کون سی تحریکوں نے جنم لیا اور ان کے مطالبات کیا تھے؟ ان تحریکوں کی وجہ سے خواتین کی حیثیت میں کیا تبدیلیاں آئیں اور کس حد تک وہ اپنے حقوق پانے میں کامیاب رہیں؟

چنانچہ اس سلسلہ میں مختلف مکاتب فکر سامنے آئے۔ جن میں چار مکتب فکر حریت پسند تانیثیت، مارکسی تانیثیت، انتہا پسند تانیثیت اور اشتراکی تانیثیت اہمیت کے حامل ہیں جبکہ ایک نظریہ اسلامی تانیثیت کا بھی اضافہ ہو ہے۔ ان مکاتب فکر کے نظریات پر سیر حاصل بحث کی گئی۔

ہر نظریہ کے شروع میں مکتب فکر کے اہم مفکرین اور نظریات کو تحریر کر دیا گیا ہے تا کہ اس مکتب کے نظریات کی وضاحت آسانی سے ہو سکے۔

باب پنجم:

باب پنجم جو اس مقالہ کا مرکز ومحور ہے اس باب میں مختلف مکاتب فکر کے تانیثی نظریات کا اسلامی تناظر میں تفصیل سے مطالعہ اور تجزیہ کیا گیا اور یہ دیکھا گیا کہ اسلام ان نظریات سے کس حد تک موافق ہے اور کن مراحل میں ان کا مخالف ہے اور اگر موافقت کرتا بھی ہے تو کن شرائط کے ساتھ؟ اس تجزیہ کے لئے نمائندہ مفکرین کے نظریات کو زیر بحث لا یا گیا۔

اس باب میں تانیثی نظریات سے بحث کرنے سے قبل حقوق نسواں کے متعلق اسلامی نظریات کا احاطہ کیا گیا ہے اس کے بعد مختلف مکاتب فکر کے اہم نکات اور تانیثی نظریات کو زیر بحث لایا گیا ہے اور اس کو اسلامی تناظر میں پرکھا گیا، اس کے دلائل کے لئے مختلف آیات اور روایات کے حوالوں سے مدلل بحث کی گئی ہے۔

باب ششم:

اختتامیہ میں منتخبہ موضوع پر کی گئی بحث کا خلاصہ پیش کیا گیا اور نتائج کو اخذ کیا گیا۔ اس باب میں تانیثی نظریات کے مثبت اور منفی اثرات کا بھی احاطہ کیا گیا اور آخر میں پوری بحث کا ماحصل شامل کیا گیا اور حاصل شدہ نتائج کی بنیاد پر سفارشات بھی پیش کی گئی ہیں۔

حوالہ جات کی تفصیلات ہر باب کے آخر میں شامل کیا گیا ہے جبکہ کتابیات مقالہ کا آخری حصہ ہے۔

باب سوم

تانیثیت، تعارف و تاریخ

باب سوم

۱۔۳۔تانیثیت ،تعارف اور تشریح

۲۔۳۔تانیثی تحریکیں۔اہم تاریخی شواہد

۳۔۳۔تانیثیت کی لہریں،مطالبات اور حصولیابیان

۱۔۳۔تانیثیت کی پہلی لہر

۲۔۳۔تانیثیت کی دوسری لہر

۳۔۳۔تانیثیت کی تیسری لہر

باب سوم

تانیثیت تعارف وتاریخ

تانیثیت:

تانیثیت یعنی فیمنزم(Feminism) کا لفظ اگر چہ دور حاضر میں عالمی شہرت یافتہ اصطلاح ہوگیا ہے جو اپنا ایک کلی مفہوم رکھتا ہے اور اس لفظ کے استعمال کے ساتھ ہی خواتین کے حقوق یا تحریک کا مفہوم ذہن میں آتا ہے اور اس سے خواتین سے متعلق کسی نہ کسی پہلو کو مراد لیا جاتا ہے۔ لفظ تانیثیت کہتے ہی اتنا سمجھ میں آجاتا ہے کہ گفتگو خواتین کے متعلق ہے ان کے حقوق کی بازیابی ہو یا ان پر ہونے والے ظلم وستم کے خلاف تحریک، ان کی سماج میں حیثیت ہو یا ان کے متعلق پیش کئے جانے والے نظریات غرض تانیثیت سے مراد بالجملہ خواتین سے متعلق تمام مسائل اور ان کے حقوق کی بازیابی ہوتی ہے اس طرح ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ تانیثیت ایک بہت وسیع مفہوم کا رکھتا ہے۔

صاحب نظر دانشوروں کا یہ ماننا ہے کہ تانیثی فکر کے اہم نظریہ سازوں نے اب تک تانیثیت کی کوئی ایسی جامع تعریف نہیں کی ہے جس سے تانیثیت کے تمام پہلو کی ایک جملہ میں واضح تصویر پیش کی جاسکے۔ چنانچہ اعجاز الرحمٰن تحریر کرتے ہیں:

> ''تانیثی تحریک اور اس کے اغراض ومقاصد کو سمجھنے کے لئے یہ واضح کر دینا ضروری ہے کہ لفظ حقوق نسواں ،تحریک نسواں ، نسائیت یا اس جیسے دوسرے مختلف الفاظ جو عام طور سے عورتوں کے حقوق و شناخت کے اظہار کے لئے اصطلاح کے طور پر استعمال کئے جاتے رہے ہیں وہ انگریزی اصطلاح فیمنزم (feminism) کے متبادل نہیں ٹھہرتے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان الفاظ کے معنی محدود ہیں اور ان سے احتجاج کی ترجمانی نہیں ہو پاتی جو آج اس تحریک کا عین مقصد ہے اسلئے اس لفظ فیمنزم کے لئے اردو میں تانیثیت لفظ ہی موزوں ہے جو اس تحریک کے اغراض ومقاصد کی صحیح ترجمانی کرتا ہے''(۱)

تو تانیثیت سے مراد خواتین سے متعلق جملہ مسائل لئے جا سکتے ہیں لیکن اس کی جامع تعریف ابھی تک نہیں ہو سکی ہے۔ انگریزی میں استعمال ہونے والے لفظ فیمنزم کے بارے میں ڈاکٹر آمنہ تحسین لکھتی ہیں:

''لفظ تانیثیت (feminism) ایک اصطلاح ہے جو لاطینی لفظ "femina" سے مشتق ہے جس کا بنیادی مفہوم ''نسوانی خصوصیات'' رکھنا ہے۔(۲)

اعجاز الرحمٰن لکھتے ہیں:

''دراصل لفظ (feminism) فیمنزم (Femina) فے مینا سے مستعار ہے اور اب انگریزی میں ایک مخصوص معنی میں اصطلاح کے طور پر رائج ہے جس کو لاطینی میں ''عورت'' ،فرانسیسی میں ''عورتوں کے حقوق'' اور انگریزی میں '' جنسی برابری کی تحریک'' کے لئے استعمال کیا جاتا ہے اور اردو میں اس کا متناسب لفظ تانیثیت ہے۔(۳)

سید مسعود معصومی کا بیان ہے کہ:

''اصطلاح میں فیمنزم کسی سلسلہ کو کہتے ہیں۔ اس سلسلہ میں بہت اختلاف ہے تو اگر فیمنزم کا اطلاق ان تمام تحریکوں پر ہو جو سماج میں خواتین کے حقوق کی بازیابی کے لئے چل رہی ہیں تو ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ:

'' عدالت کا مطالبہ کرنے والی ہر سماج میں ہر حرکت (تحریک) ایک قسم کی تانیثیت ہے اس لئے کہ عدالت کا نافذ کرنا یعنی عورتوں اور مردوں کے حقوق کا کسی سماج میں مطالبہ کرنا ہے'' لیکن یہ تعریف بہت عام ہے جس میں اور دوسری چیزیں بھی شامل ہو جاتی ہیں۔(۴)

اس طرح فیمنزم کے اصطلاحی معنی کے لئے بہت سی تعریفیں کی گئی ہیں جن میں سے ہم یہاں کچھ کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

(ا) فیمنزم فرانسیسی لفظ ہے جس کو ایک خاص نظریہ بیان کرنے کے لئے اور عورتوں کے جنسی برابری کی بنیاد پر برابری کے حق کا دفاع کرنے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔

(۲) فیمنزم ایک معقول عہد بھی ہے اور ایک سیاسی حرکت بھی جو عورت کے لئے انصاف اور جنس پرستی کے خاتمہ کا مطالبہ کرتا ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فیمنزم کی کوئی معین تعریف نہیں ہے اس لئے کہ کبھی اس کا اطلاق عورت کے حقوق کے مطالبہ کی تحریک پر ہوتا ہے تو کبھی اسی لفظ کا استعمال عورت کی مرد سے برابری کے سلسلہ میں نظریہ ہوتا ہے۔(۵)

تانیثیت کی تعریف کے سلسلہ میں ڈاکٹر آمنہ تحسین لکھتی ہیں کہ:

''تانیثیت Feminism کی کوئی تعریف متعین نہیں ہے جو ہر دور اور ہر ملک کی خواتین پر منطبق کی جاسکے۔ بعض مغربی ممالک میں ابتداً جب یہ لفظ متعارف ہوا تو اس سے مراد محض حقوق نسواں کے مخصوص گروہ سے تھی تاہم بعد کے دور میں یہ لفظ ایسی فکر یا ایسے رجحان کے لئے استعمال کیا جانے لگا جو عام طور پر عورت کی محکومیت کے خاتمہ کے لئے ہوا اور رفتہ رفتہ یہ فکر و رجحان بڑھ کر ایک تحریک کی شکل اختیار کر گیا جسے ہم تانیثی تحریک کے نام سے جانتے ہیں''(۶)

خلاصہ یہ کہ لفظ تانیثیت، فیمنزم(Feminism) کے لفظی اور اصطلاحی معنی کچھ ہوں اب یہ لفظ عورتوں کی کسی بھی تحریک، نظریہ اور فعالیت کے لئے استعمال ہوتا ہے اور اس سے عورت کے متعلق اس کی زندگی کے تمام پہلوؤں سے بحث کی جاتی ہے۔ اب یہ کہ اس لفظ کا استعمال کب اور کس طرح سے ہوا اس سلسلہ میں ڈاکٹر آمنہ تحسین رقمطراز ہیں کہ:

''یہ بتانا مشکل ہے کہ یہ اصطلاح (Feminism) کب وجود میں آئی تاہم خیال کیا جاتا ہے کہ لفظ فیمنسٹ پہلی مرتبہ فرنچ میڈیکل ٹکسٹ میں ۱۸۷۱ء میں استعمال ہوا۔ یہ لفظ ایسے مرد افراد کے لئے استعمال کیا گیا جن میں نسوانی خصوصیات پیدا ہو گئی ہوں۔(۷)

بعد میں فرانس کے ہی ایک تحقیق کار Alexander Dumas Fils نے ۱۸۷۲ء میں ایک چھوٹی سی کتاب I Homme - Femme لکھی جو "Adultery"(بدکاری) کے موضوع پر تھی اس کتاب میں Alexander نے لفظ Feminist ایسی عورتوں کے لئے استعمال کیا جن کا برتاؤ مردانہ رہا تھا چونکہ یہ ایک مخالف

حقوق نسواں اور ریپبلکن تھا اسی لئے اس نے ایسی عورت کے لئے جس کا برتاؤ مردانہ طرز کا تھا Feminist کا لفظ استعمال کیا۔

یہ بھی خیال کیا جاتا ہے کہ فیمنزم Feminism کا لفظ ۱۸۹۱ء میں انگلینڈ میں خواتین کے مساویانہ حقوق کی لڑائی میں پہلی مرتبہ استعمال ہوا۔ لیکن اس سے قبل ۱۸۵۰ء میں Britain میں عوامی سیاسی تحریکوں کے دوران اس لفظ کے استعمال ہونے کے نظریات بھی ملتے ہیں تاہم یہ حقیقت ہے کہ ابتدا میں لفظ تانیثیت حقوق نسواں کا ترجمان نہیں تھا۔

ابتدا میں لفظ "Feminism" نسوانی خصوصیات کے لئے ضرور استعمال ہوا تاہم بعد میں یہ لفظ "Feminism" ایک اصطلاح بن گیا اور یہ اصطلاح خواتین کی تحریک سے جڑ گئی۔ یہ تحریکات جسے ہم ''حقوق نسواں'' یا ''آزادی نسواں'' کی تحریکات کہتے ہیں دراصل خواتین پر ظلم وزیادتی کے خلاف آواز اٹھانے یا ان کے حقوق کے حصول کی کوشش رہی ہے۔(۷)

اس سلسلہ میں غزالہ دولتی کا کہنا ہے کہ:

> ''یہ بات تو مسلم ہے کہ لفظ فیمنزم فرانسیسی لفظ ہے اور زنانہ کیفیت کو بیان کرنے کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ البتہ اس لفظ کے سب سے پہلے استعمال کے سلسلہ میں اختلاف ہے۔ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ یہ لفظ سب سے پہلے ۱۸۰۰ء میں استعمال ہوا اور بعض مقامات پر منقول ہے کہ لفظ فیمنزم سب سے پہلے ۱۸۷۱ء میں ایک طبی عبارت میں مردوں میں ایک خاص قسم کی جنسی بیماری جس میں زنانہ خصوصیات ہوں کے لئے استعمال کیا گیا۔''(۸)

انھیں دنوں ایک فرانسیسی رائٹر نے اس لفظ کو ایسی عورتوں کے لئے استعمال کیا جن میں مردانہ صفات پائے جاتے ہوں۔ لیکن آہستہ آہستہ اس نے اپنے لغوی معنی کو کھو دیا اور ایک عام اصطلاح کے عنوان سے استعمال ہونے لگا۔(۸)

ابراہیم حسینی کتاب ''فیمنیسم''میں لکھتے ہیں:

> ''فرانسوی لغت میں ''فم'' Femme کے معنی ہیں ایک انسانی موجود جنس مونث سے۔ جو لاطینی لفظ فیمینا "Femina" سے لیا گیا ہے۔
>
> Femel فیمیل لاطینی لفظ فیملا Femella سے ہے بمعنی جنس مونث اور فمنین Feminine لاطینی لفظ

Feminiuse سے فرانسیسی زبان میں لیا گیا ہے جس کی معنی میں زنانہ خصوصیات۔ لفظ فیمنزم Feminism بھی انھیں الفاظ میں سے ہے جس کو ۱۸۳۷ء میں فرانسیسی لغت میں اضافہ کیا گیا ہے۔

فرانسیسی Dictionare Robert میں لفظ فیمنزم Feminism کی اس طرح تعریف کی گئی ہے کہ فیمنزم یعنی ''وہ قانون جو سماج میں عورت کے کردار کے پھیلاؤ کا طرفدار ہے''(۹)

''روزالیندا دلمار''(Rosalinda Delmar. What is feminism) کی تعریف کی بنیاد پر فیمنسٹ اس شخص کو کہتے ہیں کہ: جس کا ماننا یہ ہو کہ عورتیں جنسیت کی بنا پر عدم مساوات کا شکار ہیں اور ان کی ضروریات کی طرف توجہ نہیں دی جاتی جس کے نتیجہ میں اجتماعی نظام میں ایک اقتصادی و سیاسی تبدیلیاں رونما ہوتی ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ بعض الفاظ مبہم اور مختلف المعنی ہیں لہٰذا ان کا مفہوم مختلف پہلوؤں کا حامل ہوتا ہے اور لفظ فیمنزم بھی انہیں الفاظ میں سے ہے۔ اور چونکہ مغربی سماج میں عورتوں کا کوئی مقام نہیں تھا اور وہ تحقیر وظلم وستم کا شکار تھیں اور ایک زمانہ تک یہ حالت جاری رہی عورتوں میں ایک عمومی بیداری، انقلابات اور آزادی طلب تحریکات کے بعد اور خواتین کے بدترین صورت حال سے رہائی کے لئے کوششوں کے نتیجہ میں ایک تحریک فیمنزم کے نام سے مشہور ہوئی جو عورت کی حیثیت اور اس کے حقوق کے دفاع کے لئے تھی۔(۹)

انسائیکلو پیڈیا آف سوشیالوجی میں تانیثیت کی تعریف ان الفاظ میں کی گئی ہے۔

''تانیثیت ایک ایسی تحریک ہے جو سماج میں عورت و مرد کے درمیان سماجی سیاسی اور اقتصادی برابری قائم کرنے کی کوشش کرتی ہے اور مرد و عورت کے رشتوں کے درمیان موجود امتیازات کو ختم کرنا چاہتی ہے''(۱۰)

انیسوی صدی کے آخر اور بیسوی صدی کے آغاز میں پورے یورپ میں تانیثیت خانگی اختلاف کو پیدا کرنے والا ایک جذباتی مسئلہ بن گئی تھی اور عورتوں کے مسائل اور استحصال کے خلاف احتجاج کے لئے عام طور پر اس لفظ کا استعمال کیا جانے لگا تھا۔ ترنداد اور ٹوبیگو (Trinidad and Tobago) کے انسٹیوٹ آف سوشل اسٹڈیز (Institue of social studies) میں تیسری دنیا کی عورتوں کے ایک گروہ نے تیسری دنیا میں تانیثیت کے مسائل پر گفتگو کی جس میں تانیثیت کی تعریف وہاں کے روڈا ریڈوک (Rhode Reddoek) نے ان الفاظ میں پیش کی ہے۔

''تانیثیت کے معنی عورتوں کا گھر کے اندر کام کرنے کی جگہوں اور سماج میں ہورہے جبر واستحصال کے خلاف مہم کی تبلیغ کرنا اور عورتوں اور مردوں کی اجتماعی کاوشوں کے ذریعہ موجودہ حالات کے خلاف ضروری اقدام کرنا'' (۱۱)

کملا بھاسن کے مطابق:

''تانیثیت اس احساس کا، کہ معاشرہ میں عورت مظلوم ہے اور اس کا استحصال کیا جاتا ہے اور اس صورت کو بدلنے کی کوشش کا نام ہے''(۱۱)

پھر وہ فیمنسٹ کے متعلق لکھتے ہیں:

''تانیثیت نام ہے اس احساس کا کہ معاشرہ میں پدری نظام مسلط ہے اور مادری اور نظریاتی سطح پر عورت کی محنت، جنسیت اور اولاد پیدا کرنے کی جگہ پر غرض کہ پورے معاشرہ میں استحصال کیا جاتا ہے اور اس سے کھیلا جاتا ہے اور تمام مرد و عورتیں جو اس حالت کو بدلنا چاہتے ہیں فیمنسٹ Feminst ہیں''(۱۲)

Bellng ton Gneig کے مطابق:

''یہ ایک خواتین کی تحریک ہے جو انسانی رشتوں کی دوبارہ ترتیب کو تلاش کرتی ہے''(۱۳)

جبکہ Andriene Rich کا خیال ہے کہ:

''اس کا مقصد خواتین کی اپنی زندگیوں میں مرد کی پیدا کی گئی جو غلط بیانیاں ہیں ان کو پہچاننا ہے''(۱۴)

John Desrochers کے مطابق:

''تانیثیت سماج میں خواتین کی ماتحتی اور استحصال کے متعلق شعور بیدار کرنے کا نام ہے جو خاندان کے اندر اور کام کی جگہ پر جاری ہے اور مرد و عورت کی جانب سے اس حالت کی شعورانہ تبدیلی کا نام ہی تانیثیت ہے۔''(۱۵)

بقول Barbara Smith:

''تانیثیت ایک سیاسی نظریہ ہے اور خواتین کو آزاد کرنے کا عمل بھی۔ مختلف رنگ و نسل کی عورتیں، کام گار خواتین، غریب

خواتین، جسمانی طور پر معذور خواتین، معاشی طور پر کمزور خواتین
یا پھر عمر رسیدہ خواتین، تانیثیت ان تمام خواتین کے مسائل سے
گفتگو کرتی ہے''(١٦)

اس طرح تانیثیت کی کوئی ایک مخصوص تعریف نہیں ہے بلکہ جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا یہ ایک اصطلاح ہے جس سے مخصوص معنی متعین کرنا بھی ممکن نہیں ہیں۔ یہ ایک ایسا تصور اور فلسفہ ہے جس میں مختلف ایشوز پر غور وفکر کیا جاتا ہے۔ جیسے مرد غالب معاشرہ اور پدری نظام سے لے کر معاشی استحصال، جنسی جبر و دہشت، غیر مساوی حقوق، عدم تحفظ، ازدواجی رشتوں کی شکست وریخت اور خود خواتین کا تشخص وغیرہ کو مرکزیت حاصل رہتی ہے۔(١٢)

اس سلسلہ میں شبنم آرا تحریر کرتی ہیں کہ:

''تانیثیت ایک ایسا مخصوص عالمی نقطہ نظر ہے جو عورتوں کے تئیں
کسی بھی طرح کے سماجی امتیاز کے خلاف پر زور آواز بلند کرتا
ہے۔''(١٧)

Garal اور Engela نے تانیثیت کو ایک آئیڈیالوجی ایک فلسفہ فکر اور ایک نئے فکری تصور سے تعبیر کیا ہے اور اس فکر کی بنیاد اس یقین پر منحصر ہے کہ جنس کی بنیاد پر اب تک عورتیں سوسائیٹی میں خواہ وہ ترقی یافتہ ہو یا ترقی پذیر کس قدر ناقدری کا شکار رہی ہیں اور جب انھیں ناروا سلوک اور ظلم واستبداد سے آگاہی حاصل ہوتی ہے تو ان کے اندر اپنے حقوق کے تئیں اجتماعی شعور بیدار ہوتا ہے جسے وہ تانیثیت کی خصوصی بنیاد مانتی ہیں۔''

دیویندر اسر نے بھی تانیثیت سے متعلق کچھ اسی طرح کا نظریہ قائم کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ:

''تانیثیت ایک ایسی اصطلاح ہے جس کے مخصوص معنی متعین
کرنا ممکن نہیں ہے مرد غالب معاشرہ اور پدری نظام سے لے
کر معاشی استحصال، جنسی جبر اور دہشت تک، غیر مساوی حقوق،
سماجی ناہمواری، قانونی عدم تحفظ، اقتصاد (منافقانہ) اخلاقی
اقدار اور فرسودہ خاندانی وازدواجی رشتوں سے لے کر کاروبار و
سیاسی اقتدار تک اور ان سب کے مرکز میں تشخص کا مسئلہ جو ایسا
محور ہے جس کے گرد سارے مسائل مسلسل گردش کرتے رہتے
ہیں۔''(١٣)

ابراہیم حسینی لکھتے ہیں کہ:

''انیسویں صدی کے اواخر کے بعد لفظ تانیثیت کا اطلاق ہر

اس تحریک پر ہونے لگا جس کا اصل مقصد خواتین کے مساوی
حقوق کے لئے کوشش کرنا ہو۔"(۱۴)

ان تمام بیانات سے ایک بات تو واضح ہو جاتی ہے کہ تانیثیت کی کوئی مکمل تعریف نہیں کی گئی ہے اور جس نے بھی اس کا تعارف کرایا ہے کسی خاص پہلو کو مدنظر رکھ کے متعارف کرانے کی کوشش کی ہے لیکن اب جبکہ اس تحریک کو ایک صدی سے بھی زیادہ کا عرصہ گزر گیا ہے اور اس عرصہ میں تانیثیت کے متعلق مختلف نظریات سامنے آ چکے ہیں اور لفظ تانیثیت کا استعمال کثرت سے ہو رہا ہے تو لفظ تانیثیت سے جو تبادر ذہنی ہوتا ہے وہی اس کا معنی و مفہوم سمجھا جائے گا اور اسی کی روشنی میں اس کی تعریف کی جائے گی۔

چنانچہ گزشتہ محققین نے تانیثیت کی جو بھی تعریف کی ہو لیکن اب اس لفظ کے سماجی علوم میں کثرت استعمال کی وجہ سے کسی حد تک مختصر الفاظ میں اس کو متعارف کرانا آسان ہو گیا ہے۔ دور حاضر میں تانیثیت یا فیمنزم کا لفظ آتے ہی سامع کے ذہن میں خواتین اور خواتین کے متعلق مسائل اور خاص طور سے ان پر ہونے والے ظلم و ستم اور حقوق کی بازیابی کے لئے کوششوں اور تحریکوں کا تصور آ جاتا ہے۔ لہٰذا ہم اگر اس کی مختصر تعریف کرنا چاہیں تو یوں کہیں گے کہ:

"تانیثیت یعنی: ہر وہ گفتگو یا عمل جو خواتین کے حق میں ہو۔ ا
ور تانیثیت اور اس سے متعلق افراد کو فیمنسٹ کہیں گے۔ اس لئے
کہ اب تانیثیت سے انہیں چیزوں کا تبادر ہوتا ہے۔

تانیثی تحریکوں کے اہم شواہد:

تانیثیت کی تحریک دراصل اقطاع عالم کی سیاسی اور سماجی تحریکوں کے پس منظر میں ابھری ۱۷۸۹ء میں فرانس سے حریت، مساوات اور اخوت Equality and Fraternity Liberty کا نعرہ دیا۔ جس کی بنا پر پسماندہ لوگوں میں بیداری پیدا ہوئی وہیں خواتین میں بھی ایک نئے جوش و ولولہ نے جنم لیا۔ چنانچہ ۱۷۹۵ء میں حقوق انسانی کا چارٹر (Charter of Human Rights) تیار ہوا تب خواتین نے اعلان کیا کہ:

"اگر عورتوں کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ تختہ دار پر چڑھ جائیں تو
پھر ان کو یہ حق بھی کیوں نہ ہو کہ وہ پارلمنٹ تک جا پہنچیں"

تانیثیت کی تحریک کا سب سے اہم موڑ ۱۸۴۸ء میں امریکہ میں منعقدہ Seneca Falls Convention رہا ہے۔ اس کنونشن میں Eligabeth Cably stone کی صدارت میں تین سو خواتین نے حصہ لیا اور Decleration of sentiments کے ذریعہ اپنے حقوق کی مانگ کی۔ اس وقت تک وہاں خواتین کو اپنی ذاتی ملکیت کی خرید و فروخت، اپنے بچوں کی کسٹڈی اور خود خواتین کو تعلیم کا بھی حق حاصل نہیں تھا۔ Eligabeth Cady

stone کے ساتھ Susan B-Anthony نے بھی حقوق نسواں کی تحریک میں سرگرم کردار ادا کیا۔ دونوں نے مل کر ۱۸۶۹ء Constitutional Amendmeny کی کھلے عام مخالفت کی جس کے تحت نیگرو مردوں کو ووٹ کا حق دیا گیا تھا۔ لیکن خواتین کو یہ حق نہیں دیا گیا تھا۔

انگلینڈ میں بھی تانیثیت اپنے ابتدائی دور سے ہی فروغ پاتی رہی۔ یہاں عورتوں کی تعلیم اور آزادی کے متعلق تحریکات شروع ہوئیں۔ بالخصوص John sturat mill کی تصنیف The subjection of women کی بنا پر انگلینڈ میں تانیثیت کو بہت استحکام ملا۔

انیسویں صدی کے آخر تک آتے آتے خواتین کے حقوق کی کوششیں ایک اہم تحریک کی شکل اختیار کر گئی اس تحریک نے مختلف ملکوں میں Sufferage hes Movements (حق رائے دہی کی تحریک) کو فروغ دیا۔ ان سفر گیٹس کے مطالبات، مقاصد اور اقدامات پر کئی مضامین اور تحریریں منظر عام پر آئیں اور کئی جرائد کا اجراعمل میں لایا گیا۔ ان سب کی کوششوں کی بنا پر عالمی سطح پر تحریک نسواں کی ایک مناسب فضا تیار ہوتی چلی گئی۔

بیسویں صدی میں تانیثیت کی تحیریک میں شدت پیدا ہوگئی۔ مغربی مما لک کے ساتھ ساتھ مشرقی مما لک میں بھی یہ تحریک سرگرم ہوئی جس کے نتیجہ میں مختلف مما لک میں اس تحریک نے خواتین کو رائے دہی کے حق سے نوازا۔ چنانچہ امریکہ کے بیشتر علاقوں میں ۱۹۲۰ء اور انگلینڈ میں ان کو یہ حق ۱۹۲۸ء میں اور فرانس میں ۱۹۴۴ء میں اٹلی میں ۱۹۴۵ء میں دیا گیا۔ ۱۹۶۰ء کے بعد سے تانیثیت کی تحریک میں مختلف نقاط نظر بنتے چلے گئے اور ان مختلف النوع نظریات کی بنیادی وجہ بقول ارجمن آرا:

> ''تانیثی نقطہ نظر کے کثیر رخی اور متنوع ہونے کا بنیادی سبب یہ
> ہے کہ اس میں تمام اہم سیاسی سماجی اور معاشی نظریوں کی تفہیم
> عورت کو نقطۂ انحراف مان کر کی جاتی ہے''

بیشتر تانیثی نقاد تانیثیت کے مطالبت اور مقاصد کے پیش نظر اس کی تاریخ کو مختلف لہروں میں تقسیم کرتے ہیں۔ جیسے تانیثیت کی پہلی لہر First wave Feminism اور دوسری لہر Second wave Feminism اور تیسری لہر Third wave Feminism حتمی طور پر نہیں بتایا جاسکتا کہ پہلی لہر کہاں ختم ہوتی ہے اور دوسری کہاں سے شروع ہوتی ہے دونوں کو منقسم کرنے کا کوئی نشان اتنا مخصوص نہیں ہے۔ (۱۵)

تانیثیت کی تاریخ کے سلسلہ میں اعجاز الرحمٰن لکھتے ہیں کہ:

> دراصل تانیثیت بہت نئی اپچ ہوتے ہوئے بھی اپنی بہت قدیم
> تاریخ رکھتی ہے اس لفظ کا استعمال روسی (Russi) نے ۱۸۷۴ء
> میں اپنی کتاب دی اتھینم "The Athenaum" کے

تبصرے میں کیا تھا۔ ۲۷/اپریل ۱۸۹۵ء تک یہ لفظ تانیثی تحریک
کے آغاز کا اشارہ نہیں کرتا تھا ۔ اس وقت تک
(womansim) عورت پن عام طور سے جنسی برابری کے
حق اور معاملات کے لئے استعمال کیا جاتا تھا۔

ٹیٹل (Tuttle)۸۶-۱۹۴۹ء کے مطابق انیسویں صدی تک دی ویمن مومنٹ کی اصطلاح استعمال کی جاتی تھی اور ڈیل اسپنڈر (Dale Spender) ۱۹۸۳ء کی کتاب آلویز بین اے وومن موومنٹ (the always been A women movement) تھا اس میں اس نے اس بات کی تفصیل سے وضاحت کی ہے کہ اگر ہم غور سے دیکھیں تو پائیں گے کہ ہر دور میں عورتوں اور مردوں کے رشتہ کے تعلق سے عورتوں کے ایک بڑے حصے کو شکایت رہی ہے خواہ وہ اسفو (sappho) کا زمانہ ہو یا آج کا جدید زمانہ۔

مغربی دنیا میں تانیثی تحریک کا مطالعہ کرنے والوں نے تانیثی تحریک کو عام طور پر دو ادوار میں بانٹ کر دیکھا ہے۔ پہلا دور انیسویں صدی سے بیسویں صدی کی ابتدائی دھائیوں تک پہنچتا ہے اور دوسرا دور کئی نشیب و فراز کے ساتھ ۱۹۶۰ء سے شروع ہو کر دور حاضر تک جاری ہے۔

مغرب میں تانیثی تحریک کا آغاز انیسویں صدی سے مانا جاتا ہے اس کا یہ قطعی مطلب نہیں کہ اس سے پہلے حقوق نسواں کے تعلق سے سیاسی سرگرمیاں نہیں تھیں۔ شاید یہ کہنا زیادہ بہتر ہوگا کہ اس سے پہلے کی تاریخ میں ہمیں عورتوں کی سیاسی سرگرمی کے موضوعات کے ٹھوس ثبوت نہیں ملتے۔

انیسویں صدی کی تانیثی تحریک کی لہر عالمی سطح کی تھی۔ حقوق نسواں کے مطالبات صرف یورپ اور شمالی امریکہ ہی میں نہیں بلکہ جنوبی امریکہ کے ممالک میں بھی ابھر رہے تھے۔ یہ الگ بات ہے کہ انہیں ایک دوسرے کا علم نہیں تھا۔ اور ان کی نوعیت بکھری ہوئی تھی۔ برطانیہ میں ولسٹن کرافٹ کی کتاب (A vindication of the rights of women) ۱۷۹۲ء میں شائع ہوئی جسے جدید تانیثی تحریک میں سنگ میل تصور کیا جاتا ہے ۱۸۷۳ء میں جے ایس میلس کی کتاب (subjection of women) شائع ہوئی۔

۱۹۶۰ء کے بعد مختلف موضوعات پر کئی سارے رسالوں کو لے کر سیاسی سرگرمیاں بڑی ڈرامائی انداز میں ابھریں اور اسی دور میں صرف عورتوں پر مشتمل تنظیمیں منظر عام پر نمودار ہوئیں۔ ۱۹۵۰ء اور ۱۹۶۰ء کی دہائیوں میں عورتوں کے لئے تعلیم اور روزگار کے متبادل کا دائرہ آہستہ آہستہ بڑھ رہا تھا لیکن اسی کے ساتھ ساتھ کام کرنے کی جگہوں پر عورتوں کے خلاف تعصب میں اضافہ بھی ہوا۔ لیکن اس بات سے انکار بھی نہیں کیا جا سکتا کہ جنسی بنیاد پر ہونے والے مظالم کے خلاف عورتوں میں بیداری بھی آئی اور اس سے جنگ کے لئے نئی تنظیمیں بھی وجود میں آئیں۔

تانیثی تحریک کے دوسرے دور کو تقریباً تمام سیاسی کارکنان اور دانشور طبقہ سے بھرپور تعاون حاصل ہوا اس میں

فرانسیسی دانشور سیمون دی بووار کا نام سب سے اہم ہے۔ سیمون کی کتاب (The second sex) ۱۹۴۹ء میں شائع ہوئی جو فرانسیسی زبان میں تھی اس کا انگریزی ترجمہ ۱۹۵۳ء میں شائع ہوا۔ یہ کتاب ایسے وقت میں فرانس میں منظر عام پر آئی جب عالمی سطح پر عورتوں کے مسائل کے حل میں کوئی خاص کامیابی ملتی نظر نہیں آرہی تھی جبکہ اس وقت فرانس اور یورپ کے ممالک میں اس کتاب کا مذاق بھی اڑایا گیا لیکن آگے چل کر یہی کتاب تانیثی تحریک کے اگلے دور کی سنگ بنیاد ثابت ہوئی۔

اس کتاب نے فلسفہ، تاریخ، علم نفسیات اور علم انسان کا سہارا لیتے ہوئے یہ ثابت کیا کہ عورتوں کا استحصال تاریخ و تہذیب کی اپج ہے اور اس کو ایک فطری طریقہ کار کے ذریعہ نہیں سمجھا جا سکتا۔ سیمون کا اصرار ہے کہ ''عورت پیدا نہیں ہوتی بلکہ بنا دی جاتی ہے''، یعنی عورت و مرد کا عمومی فرق نیک و شر کی خوبی یا شخصی جنسی فرق فطری بنیاد پر نہیں بلکہ اخلاق و اقدار کے شعور کی بنیاد پر پیدا ہوتا ہے۔

یہ ایک دلچسپ تاریخی حقیقت ہے کہ ۱۹۶۰ء کی دہائی میں صرف امریکہ ہی نہیں بلکہ یورپ اور تقریباً پوری دنیا میں عورتوں کی انقلابی تیور والی تحریک نے شورش کی شکل اختیار کر لیا اور یہ بھی حقیقت ہے کہ اس تحریک میں حصہ لینے سے عورتوں میں کافی بیداری آئی۔(۱۶)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ تانیثیت ایک ایسا ہی مسئلہ ہے کہ جس کے ہر مرحلہ میں دانشوروں میں اختلاف ہے۔ چاہے اس کی تعریف و توصیف ہو یا اس کی تاریخ کا تعین۔ محققین نے اپنے اپنے نظریات پیش کئے ہیں پھر نہ اس کی کوئی معین اور جامع تعریف ہو سکی اور نہ ہی اس کی تاریخ معین ہو سکی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تانیثیت کے سلسلہ میں تحقیق کا کام ذرا مشکل ہو جاتا ہے۔ چنانچہ غزالہ دولتی لکھتی ہیں:

> ''تانیثیت ایک مسلسل اور منظّم اور پر سکون اجتماعی تحریک نہیں تھی۔ گذشتہ زمانوں میں خاص اوقات میں پوری دنیا میں کچھ تحریکوں کا پراکندہ طور پر ہونا اور تانیثی مطالبات کا ظہور میں آنا اور تانیثی نظریات میں اختلاف یہ وہ چیزیں ہیں جو تحقیق کے کام کو مشکل کر دیتی ہیں۔'' جین فریڈمن'' (Jane Friedmen) نے اپنی کتاب فیمنزم کے مقدمہ میں تانیثی تحقیق کے متعلق اس مشکل کی طرف اشارہ کیا ہے۔(۱۷)

لیکن یہ بات طے ہے کہ جیسے جیسے خواتین کے شعور میں بیداری آئی ویسے ویسے ان کو اپنے حقوق کے چھن جانے کا احساس ہوتا چلا گیا اس شعوری بیداری کی وجہ چاہے فرانس کا عظیم انقلاب ہو یا یہ صنعتی انقلاب یا ذرائع ابلاغ اور الکٹرانک میڈیا۔ اور جب احساس ہو گیا تو خواتین نے یہ ثابت کر دکھایا کہ وہ انسان ہیں اور انسانی خصوصیات کی حامل ہیں۔ جذبات

واحساسات ان کے پاس بھی ہیں اور حق کا مطالبہ کرنا ہی نہیں بلکہ ان کو منوا لینا بھی انھیں اچھی طرح آتا ہے۔ چنانچہ ''ڈیانا پاسنو''(Diane Passno) کا بیان ہے کہ:

۱۸۷۳ء-۱۸۷۴ء میں خواتین کی تحریک نے شمال امریکہ کولرزا کے رکھ دیا۔ اس وقت (Northwest university) کی پہلی وائس چانسلر فرانسس تھیں۔ بوسٹون یونیورسٹی کے وائس چانسلر ''ڈاکٹر رانا'' او برٹ اس وقت کے حالات اس طرح لکھتے ہیں:

دسمبر ۱۸۷۳ء کا زمانہ تھا اور ہیلسبورڈ اوہایو میں کچھ متدین (دیندار) خواتین کا ایک گروہ الکولی ڈرنک کے استعمال میں اعتدال کے موضوع پر ایک تقریر سننے کے لئے جمع تھیں۔ مقرر کے ذریعہ بیان شدہ اس ڈرنک (شراب) کے نقصانات کو سننے کے بعد ان عورتوں نے شراب کی دوکانوں پر حملہ کر دیا۔ اور انہوں نے وہاں باامن مظاہرات اور دعائیں کیں۔ پھر پورے مڈویسٹ (Midwest) میں ان خانہ دار خواتین نے شراب کی دکانوں اور ہوٹلوں کے سامنے مظاہرے کئے اور یہ مطالبہ کیا کہ شراب فروشی بند کی جائے۔

ان عورتوں نے مقامی شراب کی دوکانوں کے سامنے دھرنا دے دیا اور دعائیں کرنے لگیں اور وہاں اس قدر دھرنا دیا کہ مجبوراً دکانیں بند کر دینا پڑیں۔ تین مہینہ میں ان عورتوں نے ۲۵۰ مختلف شہروں اور دیہاتوں میں شراب کی دوکانوں کو بند کرایا اور شراب کی بوتلوں کو سڑکوں پر خالی کر دیا۔ اس تحریک کے اختتام تک ۳۱ رصوبوں میں ۹۰۰ مقامات سے زیادہ پر اس بات کا تجربہ کیا گیا۔ اور ۷۵۰ شراب کے کارخانے بند ہو گئے۔ اس واقعہ نے ہزاروں افراد کو اپنی قدرت وطاقت کا احساس دلایا اور یہ پہلی مرتبہ تھا جب خواتین نے کسی خاص مسئلہ کے لئے ایک منظّم قیام کیا تھا۔(۱۸)

محققین تانیثیت کی تاریخ کے سلسلہ میں کچھ بھی کہیں یہ بات واضح ہے کہ تانیثیت کی تاریخ کو طے کرنا ایک مشکل امر ہے۔ ہاں یہ کہا جا سکتا ہے کہ منظّم طور پر تانیثیت یا فمینزم کا نام دے کر تحریک چلانے کا آغاز ایک خاص موقع سے ہوا ہے ورنہ تاریخ بشر اس بات کی گواہ ہے کہ جب بھی ظلم کا پانی سر سے اونچا ہوا ہے مظلوموں کی آہ نے ظالم کے خلاف اقدام کر کے اس کو اپنی اوقات بتا دی ہے۔ چنانچہ حق تو یہ ہے کہ تانیثیت کی تاریخ انسان کے شعور سے ملتی ہے یعنی جب سے انسان باشعور ہوا اس نے تانیثیت کا نظریہ اپنے درمیان رکھا ہے حتی کہ ماقبل تاریخ بھی تانیثیت تھی، ''سوزان گرین فیلڈ''(Susan Greenfield) نے اپنی کتاب ''زنان وطبیعت'' اور ''آندرہ میشل'' نے اپنی کتاب ''فمنیسم'' میں اس نظریہ کی تائید کی ہے۔ انہوں نے فیمنزم کو تاریخ کے ماقبل سے مطالعہ کرنے کی کوشش کی ہے۔

تانیثی تحریکوں کے مطالبات اور حصولیابیاں:

گذشتہ ہم اس بات کو واضح کر چکے ہیں کہ عورت کی تاریخ کس قدر دردناک اور خوں چکاں رہی ہے اور ہر زمان و مکان میں، ہر دور و ہر مذہب میں کس طرح سے عورت کو پسپا کیا گیا۔ اس کی حیثیت کے ساتھ کھلواڑ کیا گیا اور اسے ہمیشہ حاشیہ پر رکھا گیا۔

سماج میں مرد کا غلبہ، پدر سری نظام، عورت کا سماجیانہ اورعورت کے مزاج میں لچک اورنرم دلی یہ کچھ ایسے خصوصیات تھے جن کی بنا پر رفتہ رفتہ عورت دبتی چلی گئی۔ پچھلی تاریخ میں اس کی حیثیت ایک انسان تو دور کی بات ہے جانور جیسی بھی نہیں تھی۔ اوراس کو ہرطرح سے محروم ومجبور بنادیا گیا تھا۔ حتیٰ کہ خوداس کواپنے اوپر بھی اختیارات نہ رہے لیکن چونکہ عورت بھی خلقت میں مرد کے ساتھ ہےاور بشری خصوصیات میں اس کی ہم پلہ ہے۔ جیسا کہ ہم نے پہلے عرض کیا عورت بھی مرد کی طرح انسان ہے، عقل وشعور کی حامل، احساسات وجذبات سے بھرپور، سوچنے سمجھنے کی صلاحیتوں میں کامل ہےاس لئے جب اس کواس کی ثانوی حیثیت، اس پر ہونے والے مظالم، حقوق کی پامالی اورمحرومی کا احساس دلایا گیا تو اس کا شعور بیدار ہوگیااوراس نے بھی یہ احساس کیا کہ ہمیں ہماراحق ملنا چاہیئے اور جوآگ سلگ رہی تھی وہ شرارہ اور پھر شرارہ سے شعلہ بن جانے میں کوئی رکاوٹ نہیں آئی تانیثی تحریکوں کا آغاز نتیجہ ہے پوری دنیا میں سیاسی اورسماجی تحریکوں کا۔ ڈاکٹر آمنہ تحسین کا بیان ہے کہ:

> ''تانیثیت کی تحریک دراصل اقطاع عالم کی سیاسی اور سماجی تحریکوں کے پس منظر میں ابھری ۱۷۸۹ء میں انقلاب فرانس نے حریت، مساوات اوراخوت کا نعرہ دیا تھا وہیں خواتین میں بھی ایک نئے جوش وولولہ نے جنم لیا۔ چنانچہ ۱۷۹۳ء میں حقوق انسانی کا چارٹر Charter of Human Right تیار ہوا تب خواتین نے بھی اعلان کیا کہ:
>
> اگرعورتوں کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ تختہ دار پر چڑھ جائیں تو پھر ان کو یہ حق بھی کیوں نہ ہو کہ وہ پارلیمنٹ تک جا پہنچیں۔''

اس کے قبل ''ایڈمنڈ بریک'' نے ۱۷۹۰ء میں ایک کتاب "Avindication of rights of men" لکھی تھی جس میں بریک نے مردوں کے حقوق اور بالا دستی کو حق بجانب قرار دیا تھا۔ اس کتاب کے جواب میں ''میری ولسٹن کرافٹ'' نے ۱۷۹۲ء میں ایک کتاب "Avindication of right of women" لکھی جس میں کرافٹ نے عورت کے ساتھ مساوات اورحقوق کی بحث چھیڑی اوراس نے ان تمام باتوں کو رد کیا جس سے مردوں کو تفوق حاصل ہوتا ہے۔ کرافٹ نے ان باتوں کو غیر فطری اورسماج کی پیدا کردہ بتایا چنانچہ اس کتاب کو پہلی تانیثی تحریر قرار دیا جاتا ہے جس میں خواتین کے حقوق کی بات کی گئی۔ اس کتاب کی اشاعت نے بہت سی خواتین کے شعور کو بیدار کیا چنانچہ ان موضوعات پر گاہے بگاہے تحریریں منظر عام پر آنے لگیں۔ ان ہی دنوں فرانس میں olympe Degonges اور Theroignede mericourt بھی انقلاب فرانس میں خواتین کے حقوق کے متعلق کئے گئے وعدوں کی تکمیل کے لئے سرگرم تھیں۔''(۱۹)

خواتین کی تحریک کے نقطہ آغاز کے سلسلہ میں ان تمام لوگوں نے اظہار نظر کیا ہے جنھوں نے خواتین کے متعلق کچھ لکھا ہے۔ان کے حقوق کا مطالبہ کیا ہے یا کسی بھی زاویہ سے خواتین کے بارے میں بحث کی ہے چنانچہ سید مسعود معصومی لکھتے ہیں:

''جس زمانہ میں مشرق میں اسلامی تعلیم کے عام ہونے کی بنا پر عورت حقیقی مقام حاصل کر رہی تھی اسی دور میں اور درمیانہ صدیوں میں مغرب میں عورتوں پر ظلم وستم اسی طرح سے رائج تھا جیسے پہلے تھا۔عورت اپنے بنیادی حقوق سے محروم ہے۔اسے تعلیم حاصل کرنے کی اجازت نہیں۔شوہر کا انتخاب اس کے اختیار میں نہیں،اسے اجازت نہیں کہ اجتماعی فیصلوں میں حصہ لے، نہ ووٹ دینے کا حق رکھتی ہے نہ لینے کا،اسے خانوادہ میں عورت ہونے کی حیثیت سے کوئی حق حاصل نہیں ہے۔حتی کہ اس سے مالکیت کا حق بھی چھین لیا گیا ہے۔مغربی مصنفین اور دانشور اپنی تحریروں میں عورت کی تحقیر کرتے ہیں اور اسے جنس دوم قرار دیتے ہوئے اجتماعی زندگی میں حاشیہ پر ڈال دیتے ہیں۔

فرانس کا مشہور مصنف مونتسکو (Montesquieu 1748) جو فرانس کے عظیم انقلاب کے بانیوں میں سے بھی تھا اس نے اپنی کتاب ''روح القوانین''(The Spirit of Laws) میں عورتوں کو ایک ایسے وجود کے عنوان سے پہچنوایا ہے جس کی روح بہت پست۔جس کا دماغ کمزور اور متکبر اور خود پسند ہے۔یہاں تک کہ سن ۱۷۸۹ء میں جب فرانس میں حقوق بشر کا بل پاس ہوتا ہے تو اس میں عورتوں کے حقوق یا ان کی مردوں سے برابری کی طرف کوئی اشارہ بھی نہیں ہوا۔''جان لاک''(Lhon Locke) اپنی کتاب ''دومین رسالہ''(Two Treatises of Goverment) میں ''جان جاک روسو''(Jean Jacques Rousscau) اپنی کتاب ''استدلالی بر اقتصاد سیاسی'' میں اپنے تعلیمی کتابچہ ''امیل''(Emile) میں،''امانوئیل کانٹ''(Immanuel Kant) اپنی کتاب ''مناسبات بین دو جنس'' میں یہ وہ دانشور ہیں جنھوں نے اپنی ان کتابوں میں عورتوں کے لئے کسی بھی حق کا اقرار نہیں کیا ہے۔''

جرمن کے مشہور فلسفی ''ہگل''(Georg Wilhelm Friedrich Hegel)اور اسکاٹ لینڈ کے فلسفی ''ہیوم''(David Hume) کو عورت کی عقلانیت میں شک ہے۔ اور ارسطو،عیسائی فلسفی '' آگوستین قدیس''(SaintAugustinus) ،فرانسیسی فلسفی '' ڈکارٹ''(Renc Descartes)،یوروپ کے فلسفی'' شوپن ہاور''(Arthur Schopenhawer)اور'' نیچہ''(Friedrich Wilhelm Nietzsehe) جیسے

سارے لوگ عورت کے مساوی حق کے مخالفین میں شمار ہوتے

ہیں۔(۲۰)

اسی گھٹن کی حالت میں جب دانشور حضرات عورت پر ظلم کو روا قرار دے رہے ہوں اور اجتماعی تاریخ ان کے نظریات پر مرتب ہو رہی ہو تو یہ بات فطری ہے کہ سماج میں فکری ترقی کے ساتھ ہی عوام کا پہلا مطالبہ سماج کی فرد فرد کو ظلم وستم کی قید سے آزاد کرانا ہوگا۔

مغرب میں رسانس (Renaissance) (رسانس: وہ زمانہ جس میں رومیوں اور یونانیوں میں علمی و ہنری ترقی شروع ہوئی) کے آغاز سے اکثر اجتماعی میدانوں میں تبدیلیوں اور انسان دوستی تفکر کے رواج کے ساتھ ہی اگر چہ تاخیر ہی سے سہی خواتین کے حقوق کا دفاع لوگوں کے مطالبات میں سے ایک اہم مطالبہ قرار پایا۔

دوسری طرف مشرق ومغرب کے درمیان روابط کی وسعت اور مغرب کی اسلامی تعلیمات سے اجمالی آ گاہی اس بات کا باعث ہوئی کہ عورتیں اپنے حقوق سے آ گاہ ہوئیں ان کے حقوق کی پامالی نے ان کے عزم وارادہ میں اور شدت پیدا کر دی نتیجۃً انہوں نے اپنے حقوق کی بازیابی کے لئے تحریکیں شروع کر دیں۔

البتہ اس سلسلہ میں اور بہت سے حوادث اور وجوہات تھیں جو ان تحریکوں کے آغاز کا باعث ہوئیں جیسے رسانس کے زمانہ میں بہت سی تبدیلیاں، انسان دوستی فکر کا عام ہونا اور مقام عمل میں عورتوں کے حالات میں کسی قسم کی تبدیلی نہ آنا وغیرہ۔

فرانس کا عظیم انقلاب جو انسانوں کی آزادی و برابری کا بہت بڑا حامی تھا کامیاب ہوگیا لیکن اس کے باوجود کہ اس بڑے انقلاب کی کامیابی میں خواتین کا بہت اہم کردار تھا اور انہوں نے اس سلسلہ میں اپنی جان تک کی قربانی پیش کر دی لیکن اس انقلاب کے نتیجہ میں انھیں کوئی فائدہ نہیں پہونچا اور جب ۱۷۸۹ء میں فرانس میں حقوق بشر کا پہلا بل پاس ہوا تو اس میں عورتوں کے حقوق اور ان کی مردوں سے برابری کی طرف کوئی اشارہ بھی نہیں تھا۔ یہاں تک کہ ’’المپ دگوز‘‘ (Olympe de Gouges) جو پیرس کے انقلابی رہنماؤں میں تھیں اس بل کی مخالفت کی وجہ سے اپنے ساتھیوں کے ساتھ انقلاب کے مخالف ہونے کے جرم میں ان کو سزائے موت سے دی گئی۔

انگلینڈ میں ’’ناٹینگہام‘‘ (Nottingham) کی تحریک (ناٹینگہام انگلینڈ کے شمال میں ایک شہر ہے جہاں یہ تحریک ہوئی) بھی تانیثی تحریک اختیار کرنے کی وجوہات میں سے ایک تھی۔

ہوا یہ کہ انگلینڈ کی حکومت عوام سے گیہوں خریدنے کی قیمت کم کرنا چاہتی تھی لیکن خواتین نے اجتماعی اعتراض اور مظاہرہ کے ذریعہ حکومت کو اس فیصلہ کو واپس لینے پر مجبور کر دیا اس طرح اس سال گیہوں کی قیمت کم نہیں ہوسکی۔ عورتوں کی یہ تحریک اگر چہ اس میں تانیثیت نہیں تھی لیکن پھر بھی عورتوں کو اس بات کا احساس ہوا کہ وہ بھی ایک حیثیت رکھتی ہیں۔ انہوں نے احساس کیا کہ اگر آپس میں مل جائیں تو ایک غیر یقینی طاقت وجود میں آ سکتی ہے اور حکومت سے اپنے مطالبات کو حاصل

کر سکتی ہیں۔اوراس طرح آہستہ آہستہ تانیثیت کی ایک اجتماعی اورفکری تحریک کی راہ ہموار ہوگئی۔

البتہ یہ کہنا کہ مغرب میں خواتین کے حقوق کے دفاع کا قصہ کب شروع ہوا؟ مشکل ہےاورواضح نہیں ہے۔اگر چہ کہتے ہیں کہ مغرب میں خواتین کے حقوق کا مطالبہ مردوں سے برابری کے مطالبہ کے معنی میں سترہویں صدی میں شروع ہوا۔بعض سب سے پہلی فیمنسٹ ''آن براڈاسٹریٹ''(Anne Bradstreet) کو جانتے ہیں جوانگلینڈ میں پیدا ہوئی اورامریکی شاعرہ کے عنوان سے جانی جاتی ہے ۔جس کی ایک تحریک کوانقلاب امریکہ کے راہنما ''آبیگالی آدامنز'' نے آگے بڑھایا۔حالانکہ بعض لوگ اس تحریک کے آغاز کو۱۶۸۹ء میں انگلینڈ کے انقلاب سے منسوب کرتے ہیں۔

ایسا لگتا ہے کہ تانیثی تحریک کا آغاز سترہویں صدی کو بھی نہیں کہا جاسکتا اس لئے کہ میڈل ایجس (قرن وسطی) (Middle Ages) کی تحریروں میں بھی اس تحریک کے ''یعنی حقوق نسواں کے آثار مشاہدہ میں آتے ہیں'' مثلاً کریسٹین ڈوپیسان''(Christine se Pizan) کی کتاب ''شہر بانوان''(The City of Ladies) جو ۱۴۰۵ء میں لکھی گئی ہے۔اس نے اس کتاب میں بعض زنانہ تحریکوں کا ذکر کیا ہے جس میں انھوں نے بعض تعلیمی سہولیات سے استفادہ اورسیاسی میدان میں شرکت کا مطالبہ کیا ہے۔(۲۱)

لیکن وہ بات جویقین سے کہی جاسکتی ہے وہ یہ ہے کہ خواتین کے حقوق کی تحریک نے انیسویں صدی کے شروع میں زیادہ وسعت پیدا کرلی اور منظّم ہوگئی۔اوروہ بھی کچھ اس طرح کہ اس تحریک نے فرانس میں اپنا ایک تشخص پالیا اورفمنزم Feminism کے نام سے مشہور ہوگئی۔ یہ تحریک ایک سیاسی تحریک کے عنوان سے جون ۱۸۴۸ء میں امریکہ میں ''سینکا فالز''(Seneca Falls Convenition) تحریک سے غلاموں کوختم کرنے کے لئے بھی پیش کی گئی۔جس کی وجہ سے ''احساسات وارادہ'' بل پاس ہوا۔اس بل کے پہلبیند میں مردوعورت کی مساوات پر خاص تاکید کی گئی۔اس کے بعد جرمن کی خواتین نے بھی اپنے حقوق کی بازیابی کے لئے تحریکوں کا آغاز کر دیا اور ۱۸۴۴ء کہ جس وقت ''انگلس''(Friedrich Engels) ''نقدی بر اقتصاد و سیاسی'' لکھ رہا تھا ۱۸۴۷ء تک سوسلسٹ افراد خواتین کے حقوق کی تحریک کے جرمن میں فعال ترین لوگ تھے۔

کلی طور پر کہا جاسکتا ہے کہ جرمن خواتین نے ۱۸۴۴ء سے ۱۹۰۸ء تک کام کا حق اوراس سے مربوط حقوق جیسے ''بیمہ کا حق ،پنشن کا حق ، برابر کام کے مقابلہ میں مردوں کے برابر اجرت کا حق ،مردوں کے برابر کام کا وقت'' کو حاصل کرنے کے لئے برسر پیکار رہیں۔ یہاں تک کہ وہ مختلف سوسائیٹی بنانے پر مجبور ہوگئیں ساتھ ساتھ انھوں نے حقوق نسواں کی تحریک کے سلسلہ میں دوسرے ممالک سے منظّم رابطے پیدا کئے اور کچھ ہی عرصہ میں حقوق نسواں کی تحریک ایک بین الاقوامی تحریک میں تبدیل ہوگئی۔

ICW(International Council of Women) کی پہلی کنوینشن میٹنگ جو ۱۸۸۸ء میں واشنگٹن میں منعقد ہوئی جس میں ۶۲۰/امریکی اور ۸/یورپین خواتین نے نئے عالمی مقاصد کے سلسلہ میں گفتگو کی اور

۱۸۹۹ء میں گیارہ سال بعد دوسری بین الاقوامی نشست (ICW) لندن میں منعقد ہوئی اور اس میں مختلف تانیثی ادرہ کی جانب سے پانچ ہزار خواتین نے شرکت کی۔

اس طرح خواتین کی پہلی بین الاقوامی کانفرنس جرمن کے شہر اسٹورٹ گارٹ (Stuttgart) میں ۱۹۰۷ء میں اور دوسری نشست ۱۹۰۸ء میں نورمبرگ (Nurmberg) میں اور اس کے بعد خواتین کی بین الاقوامی کانفرس ۱۹۱۵ء میں سویٹزرلینڈ کے شہر برن (Bern) میں بین الاقوامی سطح پر خواتین کی فعالیت کا کچھ حصہ ہے۔ اس کے علاوہ مختلف مما لک میں نمائندہ دفاتر کا کھل جانا یا مختلف زبانوں میں نشریات کا منظر عام پر آنا اس بات کا سبب ہوا کہ مغرب میں خواتین کے حقوق کی تحریک پورے یورپ اور امریکہ میں پھیل گئی اس طرح کہ انیسویں صدی تک تقریبا کوئی ملک ایسا نہیں رہا کہ کسی نہ کسی طریقہ سے خواتین کے حقوق کی تحریک میں شامل نہ ہو۔

اور پھر مختلف مجلّات خواتین کے حقوق کے سلسلہ میں شائع ہونے لگے اور قلم کار اس سلسلہ میں مضامین اور اشعار کے ذریعہ خواتین کے حقوق کا مطالبہ کرنے لگے۔ اور پوری دنیا میں تانیثیت کی لہر دوڑ گئی۔

تانیثیت کی لہریں:

جیسا کہ ہم نے پہلے ذکر کیا کہ شروع شروع میں تانیثیت کی کوئی منظّم تحریک نہیں تھی اور زمانہ میں شعوری بیداری اور صنعتی ترقی اس بات کا باعث ہوئی کہ خواتین کے اندر خود کو سمجھنے اور اپنے حقوق کا مطالبہ کرنے اور اس کے حصول کے لئے احتجاج کرنے کا شعور پیدا ہو۔ چنانچہ گاہے بگاہے بعض علاقوں میں اس تحریک کی دھمک محسوس ہوتی رہی اور یہ آگ سلگتی رہی۔ لیکن ایک منظّم طور پر تانیثیت کی لہروں کا آغاز کب سے ہوا اس میں بھی محققین کے درمیان اختلاف نظر دکھ کر آتا ہے۔

چونکہ خواتین کی آزادی اور ان کے حقوق کی بازیابی کو لے کر جب بات شروع ہوئی تو وہ آہستہ آہستہ ایک تحریک کی صورت اختیار کرتی گئی اور اس میں زمانہ کے اعتبار سے اتار چڑھاؤ آتے گئے اور یکے بعد دیگرے مطالبات ہوتے گئے لہٰذا کواتین کی تحریک کے اس سفر کو تین ادوار میں تقسیم کیا گیا ہے یا بالفاظ دیگر ان تحریکوں کی تین لہریں بیان کی گئی ہیں۔ ماہرین سماجیات نے تانیثی تحریک کو تاریخی لحاظ سے تین ادوار میں تقسیم کیا ہے۔ کہ جو تانیثی لہروں کے نام سے مشہور ہیں۔

پہلی لہر:

تانیثیت کی پہلی لہر انیسویں صدی سے لے کر بیسویں صدی تک کے تقریباً وسط پر محیط رہی۔ یہ لہر فرانس انگلینڈ اور امریکہ میں زیادہ فعال رہی اس تانیثی لہر میں اہم نکات خواتین کے حقوق اور علم ومساوات خاص طور سے حق رائے دہی کی مانگ رہے۔

چنانچہ ڈاکٹر آمنہ تحسین لکھتی ہیں:

''تانیثیت کا پہلا دور جسے پہلی لہر کہا جاتا ہے۔ وہ مساوات

سے تعلق رکھتا ہے جب کہ دوسرے دور میں پدری نظام کے
تحدیدات کی مخالفت کی گئی۔ پہلی لہر کے مفکرین نے عورتوں کے
انفرادی اور اجتماعی ،سماجی اور سیاسی دلچسپیوں اور قوت ارادی کو
بتایا اور مساویانہ حقوق بالخصوص حق رائے دہی کے مطالبہ پر زور
دیا۔''

اگر چہ اس پہلی لہر کی ابتدا انگلینڈ میں میری ولسٹن کرافٹ (mary wallstone craft) کی ۱۷۹۲ء میں شائع شدہ کتاب A vindication of the right of women کو مانا جاتا ہے جس میں کرافٹ نے دونوں جنسوں کی سماجی اور اخلاقی مساوات کی بات رکھی تھی کرافٹ کو (Grand Mothar of Britsh feminism) کہا جاتا ہے۔ کرافٹ کے خیالات آگے چل کر سفر گیٹ مومنٹ Suffragettes Movement کے محرک بنے جس کے نتیجہ میں انگلینڈ کے چند مقامات پر خواتین کو ۱۹۱۸ء میں رائے دہی کا حق دیا گیا۔ آخر کار ۱۹۷۸ء میں تمام مردوں کے برابر عورتوں کو بھی حق رائے دہی حاصل ہوا۔

امریکہ میں تانیثیت کی پہلی لہر کے محرکین میں Elizbath stantan اور susan Anthony قابل ذکر ہیں جنہوں نے ابتدا میں تحریک انسداد غلامی میں ایک فعال کردار نبھایا پھر بعد میں خواتین کی حق رائے دہی کے لئے مہم چلائی۔ ان دونوں کے علاوہ Olympia Brown luey stone , Helen pitts بھی پہلی لہر کے اہم محرکین رہے۔ ان تمام کوششوں سے United states constitution نے ۱۹۲۰ء میں امریکی خواتین کو ووٹ کے استعمال کا حق دیا۔ (۲۲)

اور اس طرح ۱۹۲۰ء کی دہائی میں خواتین نے اپنے اصل مقصد یعنی حق رائے دہی کو حاصل کر لیا اور اس حق کے حاصل ہونے کے بعد سے ہی فیمنسٹوں کی فعالیت شروع ہوگئی۔ ان کی تمام تر کوشش صلح اور صلاح تھی۔ البتہ دو عالمی جنگیں باعث ہوئیں کہ فیمنسٹ حضرات زیادہ فعالیت نہ کر سکے۔

پہلی لہر ۱۸۳۰ء سے ۱۹۲۰ء تک کے عرصہ پر محیط ہے جو تانیثیت کی پہلی لہر کے نام سے مشہور ہے۔ یہ لہر پہلی عالمی جنگ کے کچھ دنوں بعد تک جاری رہی جو عام طور سے زمانہ روشن فکری، اور اس کے بعد لیبرالی اور سوسلسٹ تحریک سے متاثر تھی اور صنعتی ترقی یافتہ ممالک میں کام کے دباؤ کے جواب کے عنوان سے تھی۔ (۲۳)

جب کہ اعجاز الرحمٰن کے مطابق مغربی دنیا میں تانیثی تحریک کا مطالعہ کرنے والوں نے تانیثی تحریک کو عام طور پر دو ادوار میں بانٹ کر دیکھا ہے۔

پہلا دور انیسویں صدی سے بیسویں صدی کی ابتدائی دہائیوں تک پہنچتا ہے اور دوسرا دور کئی نشیب و فراز کے ساتھ ۱۹۶۰ء سے شروع ہو کر دور حاضر تک جاری ہے۔

وہ لکھتے ہیں:

''مغرب میں تانیثی تحریک کا آغاز انیسویں صدی سے مانا جاتا ہے اس کا یہ قطعی مطلب نہیں کہ اس سے پہلے حقوق نسواں کے تعلق سے سیاسی سرگرمیاں نہیں تھیں۔ شاید یہ کہنا زیادہ بہتر ہوگا کہ اس سے پہلے کی تاریخ میں ہمیں عورتوں کی سیاسی سرگرمی کے موضوعات کے ٹھوس ثبوت نہیں ملتے۔

انیسویں صدی کی تانیثی تحریک عالمی سطح کی تھی۔ حقوق نسواں کے مطالبات صرف یورپ اور شمالی امریکہ ہی میں نہیں بلکہ جنوبی امریکہ کے ممالک میں بھی ابھر رہے تھے۔ یہ الگ بات ہے کہ انہیں ایک دوسرے کا علم نہیں تھا۔ اور ان کی نوعیت بکھری ہوئی تھی۔ برطانیہ میں ولسٹن کرافٹ کی کتاب (A vindication of the rights of women) ۱۷۹۲ء میں شائع ہوئی جسے جدید تانیثی تحریک میں سنگ میل تصور کیا جاتا ہے ۱۸۷۳ء میں جے ایس مل کی کتاب (subjection of women) شائع ہوئی۔

۱۹۶۰ء کے بعد مختلف موضوعات پر کئی سارے رسالوں کو لے کر سیاسی سرگرمیاں بڑی ڈرامائی انداز میں ابھریں اور اسی دور میں صرف عورتوں پر مشتمل تنظیمیں منظر عام پر نمودار ہوئیں۔ ۱۹۵۰ء اور ۱۹۶۰ء کی دہائیوں میں عورتوں کے لئے تعلیم اور روزگار کے متبادل کا دائرہ آہستہ آہستہ بڑھ رہا تھا لیکن اسی کے ساتھ ساتھ کام کرنے کی جگہوں پر عورتوں کے خلاف تعصب میں اضافہ بھی ہوا۔ لیکن اس بات سے انکار بھی نہیں کیا جا سکتا کہ جنسی بنیاد پر ہونے والے مظالم کے خلاف عورتوں میں بیداری بھی آئی اور اس سے جنگ کے لئے نئی تنظیمیں بھی وجود میں آئیں۔'' (۲۴)

یہاں جو بات قابل ذکر ہے وہ یہ کہ:

خواتین کی آزادی اور ان کے حقوق کی بات کرنا اور ہے اور ایک منظّم طور پر تحریک کا ہونا اور بات ہے چنانچہ اگرچہ اٹھارہویں صدی سے خواتین کی آزادی، ان کی حیثیت اور حقوق کی باتیں ہو رہی تھیں لیکن یہ مسلم ہے کہ انیسویں صدی کا ابتدائی دور وہ زمانہ ہے جب خواتین کی آزادی اور حقوق کے مطالبات ایک تحریک کے عنوان سے ہوئے اور اس سلسلہ میں کافی منظّم جدوجہد ہوئی اور عالمی پیمانہ پر گفتگو ہونے لگی یہی وجہ ہے کہ اس زمانہ کو تانیثیت کی پہلی لہر کا دور کہا جاتا ہے۔ ورنہ بارہ سو سال پہلے اسلام ان تمام باتوں کو اپنی تعلیمات میں نہ صرف یہ کہ کر چکا ہے بلکہ یہ حقوق خواتین کو دے چکا ہے۔

یہ لہر انیسویں صدی کے اواخر تک کوئی خاص کارنامہ انجام نہیں دے سکی لیکن بیسویں صدی کے پہلے عشرہ میں جس کو بعض لوگ ''تانیثیت کی پہلی لہر کی تحریک'' کہتے ہیں ایک نئے مرحلہ میں داخل ہوئی اور عورتوں کے لئے رائے دہی کا حق حاصل کرنے کے ساتھ ہی جو ۱۹۸۱ء میں برطانیہ میں اور ۱۹۰۲ء میں امریکہ میں انجام پایا کچھ تھم سی گئی۔ اور مری ولسٹن کرافٹ کی کتاب ''حقانیت حقوق زنان'' (A vindication of the rights of women) ۱۷۹۲ء اور جان اسٹوارٹ مل کی کتاب ''انقیاد زنان'' (subjection of women) ۱۸۶۹ء کے شائع ہونے سے بھی اس لہر پر اہم اثرات مرتب ہوئے اس طرح مری اور مشل (۱۶۶۶ء-۱۷۳۱ء) کا شمار بھی پہلی لہر کے مشہور مصنفین میں سے ہوتا

ہے۔(حوالہ سابق)

تانیثیت کی اس پہلی لہر میں کم وبیش مختلف النوع اورانتہا پسندی کی بو رکھنے والے مطالبات دیکھنے میں آتے ہیں جو سنکا فالز کے اسٹیٹمنٹ (Statement) میں نیویارک میں مرتب ہوا تھا یہ اصول ۱۸۴۸ء میں خواتین کے حقوق کے مطالبات کے پہلے اجتماع میں مرتب کئے گئے تھے۔اس زمانہ میں عورتوں نے بہت سے حالات کی تبدیلی کا مطالبہ کیا جس میں عورتوں کے لباس سے لے کر انفرادی حقوق تک اور سیاسی حقوق جیسے حق رائے دہی، خانوادہ اور شادی وغیرہ سے متعلق تھے خاص طور سے وہ حقوق جن سے مرد بہرہ مند ہے اور عورت محروم اسی طرح ان تمام قیدوں سے آزادی جو سماج نے خواتین پر رسم ورواج کے عنوان سے عائد کر رکھی تھی۔مثلاً لباس کی اصلاح ،حقوقی اصلاحات، سیاسی اصلاحات، مرد غلبہ ،خاندان اور شادی پر اعتراضات وغیرہ جس کی ہم یہاں مختصر وضاحت کرتے ہیں۔

۱۔لباس کی اصلاح:

تانیثیت کی اس پہلی لہر میں فمینسٹوں نے زنانہ لباس کی تبدیلی کو اپنا شعار بنایا اوراس زمانہ کے تنگ لباس کو خواتین کے کام میں رکاوٹ اوران کی صحت کے لئے مضر قرار دیا۔اسی لئے آملیا بلومر نے ۱۸۵۰ء کے عشرہ میں خواتین کے لئے ایک نئے قسم کا لباس پیش کیا جس میں گھٹنوں سے نیچے تک کا سکرٹ اور لمبی اور کشادہ شلوار جو ٹخنوں پر باندھی جا سکے تھا۔اس طرح اس نے خواتین کی مشکل کو حل کرنے کی کوشش کی لیکن اس ڈزائن کو وسیع پیمانہ پر قبول نہیں کیا گیا بلکہ نشریات نے اس کا مذاق بھی اڑایا جس سے وہ عملی طور پر کارآمد نہ ہوسکا۔(۲۵)

۲۔حقوقی اصلاحات:

اس زمانہ میں فیمنسٹوں نے خواتین کے شادی کے بعد حقوقی موجودیت کے ختم ہو جانے کی بنا پر مخالفت شروع کردی اورخواتین، مالکیت (جوخواتین کی مالکیت کی نفی کرتا تھا) قوانین طلاق (جس میں جدائی کی صورت میں عورتوں کو مرد کے برابر حق نہیں تھا) عورتوں کے کام کے قوانین (مثلا مزدوری اورعورتوں کے کام کا وقت) اور طلاق کے بعد بچوں کی دیکھ بھال کے قوانین اور مردوں کے برابر خواتین کے لئے تعلیم حاصل کرنے کے مواقع کے قوانین میں اصلاح کا مطالبہ کیا۔(۲۶)

۳۔سیاسی اصلاحات:

اس مرحلہ میں سب سے اہم حق جس پر تانیثی تحریک نے توجہ دی وہ ووٹ کا حق تھا۔ بلکہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس لہر کے بنیادی ترین مطالبات میں یہی ووٹ کا حق تھا۔(۲۷)

۴۔مرد غلبہ اور خاندان وشادی پر اعتراض:

اس دور میں مردوں کو ان ظالموں کے عنوان سے پیش کیا گیا جنھوں نے پوری تاریخ انسانیت میں عورتوں کا

استحصال کیا۔بعض فمینسٹوں نے تو شادی کو مردوں کے ذریعہ عورتوں پر کئے جانے والے ظلم کا اصلی حربہ بتایا اور بعض نے اس کو ایک غیر عادلانہ رسم قرار دیا۔البتہ بعض شادی کی رسم کے مخالف نہیں تھے بلکہ ان کا ماننا تھا کہ دوجنسوں کے درمیان روابط کے طریقہ میں اصلاح کی جائے۔(۲۸)

۵-عیسائیت کا نیا نظریہ:

اس دور میں عیسائیت نے جو عورتوں کو ایک بہکانے والی اور خطا کار وجود تصور کرتا ہے اور ان کی اطاعت مردوں کے لئے باعث تکلیف بتاتا ہے۔عورتوں کے حقوق کی حمایت کرتے ہوئے فعالیت شروع کردی۔''الزابتھ کدی اسٹائن ''(Elizabeth Cady Stanton1815-1902) نے اپنی کتاب ''انجیل زنان'' (عورتوں کی انجیل) میں انجیل کو عورتوں کی پسماندگی کا باعث بتایا، اس لئے کہ انجیل کی تعالیم کے مطابق عورت کی خلقت مرد کے بعد ہے اور مرد سے اور مرد کے لئے ہے اور عورت، مرد کی حاکمیت کے تحت ہے۔اور انجیل کی بعض چیزیں عورتوں کی تحقیر کرتی ہیں۔

اس زمانہ میں مغرب میں روحانی عورتوں (نن) اور خواتین کو کلیسا میں حصہ داری اور اس رسم کو صرف مردوں میں منحصر رکھنے کے ابطال کی تجویز پیش کی گئی۔(۲۹)

۶-محبت اور مادری نظام کا نظریہ:

اس دور کی خصوصیات میں سے ایک یہ ہے کہ اس دور میں ایک نظریہ الفت ومحبت کا سامنے آیا یعنی عقلانیت سے ذرا آگے بڑھ کر احساسات وجذبات کو بھی اہمیت دی جائے اس لئے عورتیں بجائے اس کے کہ اپنا ایک عقلانی مقام بنائیں اور مردوں کی مشابہت اختیار کریں انہیں چاہیئے کہ اپنے اندر چھپی ہوئی صلاحیتوں کو تلاش کریں (توجہ کریں) اور انہیں پروان چڑھائیں۔اس طرح عورتیں اپنی طاقت اور محبت کے ذریعہ علم کے خاص مقام کو پاسکتی ہیں اور اسی طرح سے خواتین کے بہت سے انفرادی مسائل کی طرف توجہ کی جاسکتی ہے۔حالانکہ مردوں کی توجہ ان مسائل کی طرف نہیں ہے۔

یہیں سے ایک دوسری خصوصیت جو اس تانیثی لہر میں نظر آتی ہے وہ یہ ہے کہ خواتین کی خاص صلاحیتوں کی طرف توجہ، اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ تانیثیت بجائے اس بات کا دعوی کرنے کے کہ مرد وعورت برابر ہیں خواتین کی خاص صلاحیتوں کی طرف توجہ اور تاکید کرتی ہے۔اس طرح خواتین مردوں کے برخلاف ایک ایسی تہذیبی اور اخلاقی میراث سے مالا مال ہیں کہ جس کا اثر ان کی خاص خصوصیات میں دیکھا جاسکتا ہے۔مثلاً ماں ہونے کا مرتبہ، ہمکار (مل کر کام کرنا، مدد کرنا) ایک دوست اور مردوں کے لئے غم خوار ہونا وغیرہ انہیں توجہات کی بنا پر انیسویں صدی میں (مادر سالاری) مادری نظام کا نظریہ پیش ہوا۔اور فیمنسٹ اس نتیجہ پر پہونچے کہ ماں ہونا اس بات کے لئے بالکل مانع نہیں ہے کہ عورت دوسرے امور کو انجام دے۔جیسے اجتماعی فعالیت، سیاسی سرگرمی وغیرہ اور جس چیز نے ایک ماں کو تمام امور سے روک رکھا ہے وہ عورت کا مرد کے ساتھ جنسی رابطہ یا اقتصادی رابطہ ہے۔(۳۰)

محققین کا خیال ہے کہ تانیثیت کی پہلی لہر ۱۸۳۰ء سے بھی پہلے کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ تانیثی تحریک کے لئے کوئی خاص وقت معین کرنا مشکل ہے اس لئے کہ تانیثیت کی اصطلاح انیسوی صدی کے اواخر تک لغت میں شامل نہیں ہوئی تھی۔ لیکن چودہویں صدی میں خواتین کے حقوق کے متعلق تحریریں ملتی ہیں اور تانیثیت کی لہر کے آغاز کرنے والوں میں مری آسٹل (۱۷۳۱ء-۱۶۶۶ء) کا نام لیا جا سکتا ہے اس برطانوی مصنف کی خواتین کو تاکید تھی کہ شادی سے پرہیز کریں، اپنے اذہان کی پرورش کریں اور مرد سے خالی زندگی سے لذت اٹھائیں۔

اس غیر منظّم تانیثی تحریک کی فعالیتوں میں ایک فرانس کے انقلاب کے وقت خواتین کے لئے اسٹیڈیم بنانا یا انیسویں صدی میں غلامی کے خاتمہ کی تحریک یا شراب کے خلاف جنگ بھی شامل ہے۔

اس پہلی لہر کے دور میں خواتین نے کافی حد تک آزادی حاصل کی جس میں کام کی آزادی، تعلیم حاصل کرنے کی آزادی ، عمومی معاملات میں دخالت کی آزادی وغیرہ شامل ہیں۔ یہ لہر ۱۹۳۰ء سے شروع ہوئی اور ۱۹۶۰ء تک جاری رہی۔

تانیثیت کی دوسری لہر:

تانیثیت کی دوسری لہر کا آغاز ۱۹۶۰ء سے ہوتا ہے۔ ''سیمون دی بوار''(Simone de Beauvoir) کی کتاب ''جنس دوم''(The Second Sex) ۱۹۴۹ء میں اور ''بٹی فریدان''(Betty Friedan) کی کتاب '' زن فریب خوردہ''(The Feminine Mystuque) ۱۹۶۳ء میں اس لہر کے لئے سب سے زیادہ موثر ثابت ہوئی۔ اس لہر کے دور کے اہم مفکرین میں ''جے کیٹ ملٹ''(Kate Millett) ''سیاست جنسی''(Sexual Politics) ۱۹۷۰ء کے رائٹر اور ''جرمین گریر'' (Germain Greer) ''خواجہ زن''(The Female Eunuch) ۱۹۷۰ء کے مصنف کا نام لیا جا سکتا ہے۔

پہلی لہر نے کسی حد تک خواتین کے بعض مسائل کو حل کرنے کی کوشش کی۔ تانیثیت کی پہلی لہر میں خواتین کی تعلیم، مختلف مشاغل میں ان کی شمولیت، اسقاط حمل کا قانونی ہونا، عورتوں کو کام کی اجرت مردوں کے برابر ادا کرنا، شہری حقوق کا حصول وغیرہ اس کے اہم نتائج میں شمار کئے جاتے ہیں۔ ان تمام کامیابیوں کے نتیجہ میں بعض فمینسٹوں نے اگلا قدم اٹھانے کی ہمت کی اور ۱۹۶۰ء سے دوسری لہر کا آغاز ہو گیا۔

اس دوسری لہر میں فمینسٹوں کا اصل مقصد خواتین کی آزادی تھا۔ ان کا ماننا تھا کہ خواتین کو سیاسی اور قانونی حقوق مل جانے کے بعد بھی ان کا مسئلہ پوری طرح حل نہیں ہوا ہے لہٰذا صرف عدم مساوات سے نجات کافی نہیں ہے بلکہ عورتوں کو پوری طرح سے مردوں سے آزاد ہو جانا چاہیئے۔ لیکن خواتین کی آزادی تدریجی اصلاحات سے ممکن نہیں ہے بلکہ اس کے لئے ایک بنیادی اور انقلابی تحریک کی ضرورت ہے۔ اس لئے کہ فمینسٹوں کے مطابق موجودہ نظریات جنس پرستی پر مبنی اور ناقابل اصلاح ہیں۔

اس لہر کے اہم نظریات میں سے مردانہ نظام تعلیم، مردسالاری کے نظام پر تنقید، بنیادی طور پر شادی کی نفی کرنا، غیر

شادی شدہ رہنے کی تاکید اور اقتصادی ہنر خواتین کے لیے وغیرہ ہیں۔اس زمانہ کے فیمنسٹ اس قدر سخت ہوگئے کہ حتیٰ کہ ۱۹۷۰ء میں انھوں نے عورتوں کے لباس، چہرہ اور جوتے وغیرہ کو مردانہ بنادیا اور یہی اس زمانہ کے فیمنسٹ کی پہچان ہوگئی۔

محققین کا کہنا ہے کہ تانیثیت کی دوسری لہر ۱۹۶۰ء سے ۱۹۷۰ء تک کے زمانہ پر محیط ہے اور اس عرصہ میں دو مسائل سامنے آئے ایک نظریہ اصلاح طلب لیبرل اور دوسرے انتہا پسند ریڈ کال۔یعنی خواتین کی آزادی جس میں حریت پسند تانیثیت کا مقصد خواتین کو مردوں کے برابر حقوق دلانے کا تھا جس میں ان کے مطالبات تھے کہ بنیادی قوانین میں عورتوں کو مردوں کے برابر حقوق دئے جائیں، کام کی جگہ جنسی امتیاز کا قانون ختم کیا جائے۔

کام کرنے والی ماں خواتین کو چھٹی، اجتماعی مقامات پر خواتین کی شراکت، کام میں مشغول والدین سے بچوں کی نگہداشت کے ٹیکس میں کمی کی جائے۔بچوں کی دیکھ بھال کے لئے مراکز بنائے جائیں، مخلوط تعلیم کے ساتھ برابر تعلیمی حق دیا جائے اور خواتین کو حمل کے کنٹرول کا حق دیا جائے وغیرہ۔

انتہا پسندوں کا مطالبہ عورتوں کی آزادی کا تھا۔ان کا ماننا تھا کہ پوری تاریخ میں مردوں نے عورتوں پر ظلم کیا ہے۔وہ مردوں کو عورتوں کے دشمن کے طور پر پیش کرتے ہیں، وہ تشکیل خانوادہ کے مخالف تھے اور طلاق کو ایک صحیح کام مانتے تھے۔ان کے اعتبار سے عورت کو یہ حق ہے کہ اپنے ایام حمل کو پورا کریں یا اسقاط حمل کردیں۔

تانیثیت کی اس لہر کا نعرہ تھا ''زنان بدون مردان''یعنی عورتیں مردوں کے بغیر اور عورتوں کے ذریعہ وسیع پیمانہ پر مردانہ رویہ اختیار کرنا تھا۔عورتوں کو ماں اور بیوی کا کردار ادا کرنے کو منع کیا جارہا تھا۔اور عورتوں کو اس بات کی تاکید کرتا تھا کہ اجتماعی مقامات پر کام کے میدان میں مردوں کا مقابلہ کریں۔غیر شادی شدہ رہنے کی تاکید اور شادی کی برائی کرتا تھا اور عورتوں کو اس بات کی تاکید تھی کہ وہ اقتصادی فعالیت پر توجہ دیں۔''سیمون دی بوار''(Simone de Beauvoir ۱۹۸۶ء-۱۹۰۸ء) نے اس عرصہ میں نعرہ دیا کہ ''کوئی شخص بھی عورت پیدا نہیں ہوتا بلکہ عورت بنادیا جاتا ہے''اس بات کی تاکید کی کہ یہ فطرت نہیں ہے جس نے عورت کو محدود کردیا ہے بلکہ یہ قدیم رسم ورواج اور پرانے قوانین کی پیداوار ہے۔جس کی پیدائش میں کم وبیش خواتین بھی کسی حد تک شریک رہی ہیں۔وہ عورتوں کے جذبات واحساسات سے استفادہ کرتے ہوئے ان سے مطالبہ کرتی ہے کہ وہ اس غلامی اور پیروی (مردوں کی) سے جو ان کی قربانی کا باعث ہے دست بردار ہو جائیں، ایسی اطاعت جس میں خیال یہ کیا جاتا ہے کہ شادی کرکے اجتماعی استحکام اور سکون حاصل ہوگا۔دی بوار، جنسیت کو مردوں کے تسلط کا ثمرہ قرار دیتی ہے اور مطالبہ کرتی ہے کہ یہ نظام تبدیل ہونا چاہیئے اور عورتیں اپنے مادری اور بیوی کے رول سے پرہیز کریں جو ان پر مسلط کیا جاتا ہے تاکہ جنسی امتیاز کا خاتمہ ہوسکے۔(۳۱)

یورپ کی عورتوں کی اس دور کی اہم کامیابیوں میں جو درحقیقت فمینسٹوں کی تعمیر نو اور نسبتاً اپنے مقام کے حصول کا زمانہ کہا جاسکتا ہے اس طرح بیان کیا جاسکتا ہے۔

۱-جنسی روابط پر روک لگانا، بچہ پیدا کرنے اور حمل کی روک تھام کے لئے موثر طریقہ ایجاد کرنا جس کے ذریعہ

خواتین جنسی روابط کو بچہ پیدا کرنے سے الگ کر سکیں۔

۲-عورتوں کی جنسی امور سے پوری آزادی، جنسی روابط اور بدن پر حق تسلط۔

۳-شادی اور بچہ پیدا کرنے میں کمی اور طلاق کی تعداد میں اضافہ۔

۴-اقتصادی اور سیاسی قدرت کا حصول۔ اس دور میں امریکہ کے بعض صوبوں میں بنیادی قوانین میں برابری کے حق کو جگہ دی گئی اور کام کی جگہ اور تعلیم میں جنسی امتیاز کے قوانین کو پاس کیا گیا اور اس کو نافذ کیا گیا۔

۵-عورتوں کے ادارے اور نشریات کا آغاز کیا گیا۔ تاکہ تانیثیت کی اس لہر کو دنیا کے کونے کونے تک پہونچایا جاسکے۔

۶-جنسی ہراسانی اور عورتوں کے استحصال کے متعلق عوامی بیداری۔

۷-عورتوں نے شدت کے ساتھ ذرائع ابلاغ اور ادبیات میں عورت کی تصویر کے ساتھ جنسی امتیاز کی مخالفت کی۔ انھوں نے فرانس میں جنسی امتیاز کے قانون کی مخالفت کی اور تانیثی انجمنوں کو اس بات کی اجازت دی کہ وہ ہر قسم کی اس حرکت کا مقابلہ کریں جو عورت کے شرف ومقام اور عزت کے مخالف ہے۔(۳۲)

تانیثیت کی اس لہر میں دو وسیع نظریات یعنی نظریہ لیبرال (حریت پسند تانیثیت) اور ریڈیکال (انتہا پسند تانیثیت) سامنے آئے جس میں پہلے کا مقصد عورت کو برابری کا حق دلانا تھا اور دوسرے کا مقصد عورتوں کو مختلف اجتماعی قید سے آزاد کرانا تھا۔(۳۳)

خلاصہ یہ کہ تانیثیت کی دوسری لہر میں مفکرین نے تولید، تجربہ اور تفرقے کے مسائل کو اہمیت دی اور عورت کو اپنے جسم پر کنٹرول اور تولیدی حقوق پر زور دیا۔ اس لہر کا پہلا نکتہ ہی تولید کی سیاست ہے۔ جب کہ پہلی لہر میں خواتین کے تعلیمی، معاشی اور سیاسی مساویانہ حقوق اہم نکات ہیں۔ دونوں لہروں کے مفکرین کی متفقہ رائے کے مطابق عورت کی پستی کا سبب اس کی جنسیت ہے۔ علاوہ ازایں دوسری لہر کے تانیثی مفکرین کا خیال ہے کہ پدرشاہی نظام عورت کی تولیدی طاقت پر مکمل کنٹرول رکھتا ہے اسی لئے اس لہر میں تولیدی حقوق اور جنسیت کے علاوہ گھر اور کام کو اہمیت دی گئی ہے۔

ڈاکٹر آمنہ تحسین لکھتی ہیں کہ:

اس دوسری لہر میں خواتین کو اس نکتہ کی طرف باشعور بنانے کی کوشش کی گئی کہ وہ جنسیت stereotype کے نفسیاتی اشاروں کو سمجھیں اور یہ بھی سمجھنے کی کوشش کریں کہ وہ صرف گھریلو بیوی اور ماں کے علاوہ بھی زندگی سے بہت کچھ حاصل کرسکتی ہیں۔ دوسری تانیثی لہر کی ایک بڑی کامیابی یہ رہی کہ امریکن خواتین کئی اہم پیشے اختیار کر کے اپنی سماجی حیثیت میں بہتری لے آئیں۔(۳۴)

تانیثیت کی دوسری لہر میں ایک سنگ میل یہ بھی طے کیا گیا کہ Kenedy Administration کی جانب سے the presidential commision on the stat of women قائم کیا گیا۔ اس کمیشن کی جانب

سے ۱۹۶۳ء میں ایک رپورٹ شائع کی گئی اس رپورٹ کے جائزہ کے مطابق امریکہ میں زندگی کے تمام شعبوں میں خواتین کے ساتھ امتیازات کے رویوں کی نشاندھی کی گئی۔ اسی برس Bitty Friddan (بٹی فریڈن) کی کتاب (زن فریب خوردہ) "The Feminine my stique" منظر عام پر آئی اس کتاب نے امریکی خواتین کو اپنے وجود کی اہمیت اور ان کی زندگی کے مقصد کے حصول کی جانب متوجہ کیا اور ان پر ہونے والے مظالم و جبر کی مختلف صورتوں کو واضح کیا۔ اس دوران تمام جہد کاروں کی مشترکہ مساعی سے ۱۹۶۴ء میں American civil Right Act پاس ہوگیا اس ایکٹ کے مطابق روزگار کے لئے جنس کی بنیاد پر امتیاز کو غلط قرار دیا گیا۔ الور ۱۹۶۴ء میں Equla Employment opportunity commission قائم کیا گیا تاکہ کام کی جگہ پر مساوی مواقع سب کو حاصل رہیں۔ اس طرح سے دوسری لہر میں تعلیمی مواقع پر بھی زیادہ زور دیا گیا۔ (۳۵)

اس طرح تانیثیت کی دوسری لہر جس کا زمانہ ۱۹۶۰ء سے ۱۹۸۰ء کا مانا جاتا ہے اس دور میں اس تحریک کو کافی فروغ ہوا اور پوری دنیا میں تانیثیت کی دھوم مچ گئی اور خواتین نے اس زمانہ میں بہت سے حقوق حاصل کئے اور مختلف ممالک میں قوانین بنے۔ ان تحریکوں کا خواتین پر مثبت اور منفی دونوں طرح کا اثر پڑا جس کی تفصیلات ہم آگے چل کر بیان کریں گے۔

تانیثیت کی تیسری لہر:

تانیثیت کی تیسری لہر کا آغاز ۱۹۹۰ء سے ہوتا ہے۔ تانیثیت جو ۱۹۶۰ء-۱۹۷۰ء کی دہائی میں اپنے عروج پر تھی بیسوی صدی کے آخر میں بہت سی مشکلات سے دوچار ہوگئی اور نتیجۃً تانیثیت کا انحطاط ہوگیا۔ اور خواتین کی تحریک میں گروہ بندی اور اختلاف پیدا ہوگئے۔ برطانیہ کی پہلی خاتون وزیراعظم مارگریٹ تھیچر (Margaret Thatcher) اور امریکہ کے صدر ''ریگن'' (Regan) کی حکومت نے ۱۹۸۰ء کی دہائی میں کھل کر اس تحریک کی مخالفت کرتے ہوئے نظام خانوادہ کی اہمیت کو دوبارہ بحال کرنے کا مطالبہ کیا۔

فیمینسٹ اپنے اکثر مطالبات کو حاصل کر چکے تھے۔ اور ان کے مطالبات میں شدت پسندی کی وجہ سے بہت سے ایسے مطالبات بھی تھے جس کی وجہ سے تانیثیت پر اعتراضات بھی ہونے لگے تھے۔ انھیں وجوہات کی بنا پر ۱۹۹۰ء کی دہائی کے شروعات میں انھوں نے ایک اعتدال پسند تحریک کا تجربہ کیا اور برسر پیکار اور انقلابی گروہ کو جدا کیا گیا اور دنیا، دنیا کی زندگی، تولید اور ماں کے کردار کی تعریفیں شروع کر دی گئیں۔

بعض اس نئے زمانے کے لوگ جیسے فرانسیسی فلسفی ''میشل فوکو'' (Michel Foucsult) اور ''جاک دریدا'' (Jacques Derrida) کے تفکرات اس تیسری لہر کے لئے کافی موثر ثابت ہوئے۔ اس کے علاوہ ''خانم جبین بتلۃ الشیتن'' نے ۱۹۸۱ء میں کتاب ''مرد عمومی، زن خصوصی'' لکھ کر اس بات کی کوشش کی کہ دوسری لہر کے شدت پسند نظریہ کو اعتدال کا رخ دیا جائے۔

دوسری لہر کے فیمنسٹوں کے برخلاف اس لہر کے فیمنسٹ خواتین میں زنانہ طور طریقہ کے اظہار پر تاکید کرتے تھے۔ ان کا ماننا تھا کہ مادری کردار کو زندہ کرنا چاہئے وہ تولیدی مسائل اور خصوصی زندگی کا دفاع کرتے تھے۔ یعنی یہ کہ عورتوں کو شادی کرنا چاہیئے، بچے پیدا کرنا چاہیئے اور خانوادہ کی تشکیل کر کے خصوصی زندگی میں دلچسپی لینی چاہیئے۔(۳۶)

اس دور کے فمینسٹ صنف اور جنس کو بنیادی نکتہ بنا کر خواتین کے حقوق کی مانگ کرتے ہیں۔ نیز خواتین پر ہونے والے جبر کے ایشوز کو بھی اہمیت دیتے ہیں اور تانیثیت کے لئے Activism کو ضروری قرار دیتے ہیں۔ تیسری لہر کے اہم خصوصیات یہ رہے ہے کہ دنیا بھر کی خواتین میں شعور بیدار کرنے کے لئے مختلف ممالک کی خواتین اپنے جغرافیائی حدود سے نکل کر مشترکہ طور پر جدوجہد کرنے کی کوشش کی۔

تانیثیت کی تیسری لہر پر بعض نقادوں نے تنقید کی ہے کہ اس لہر کے کوئی خاص اور واضح گول نہیں رہے جیسا کہ پہلی لہر میں خواتین کے لئے حق رائے دہی حاصل کیا گیا اور دوسری لہر میں خواتین نے work force میں آسانی سے عادی مواقع کے حصول میں کامیابی حاصل کی اور صنفی امتیاز کے خاتمہ میں بھی کامیاب رہے۔ جب کہ تیسری لہر میں اس طرح کی کوئی واضح کامیابی حاصل نہیں ہوئی اسی لئے چند نقاد اسے تانیثیت کی دوسری لہر کا دوسرا حصہ بھی تصور کرتے ہیں۔(۳۷)

واضح کامیابی حاصل ہو یا نہ ہو تیسری لہر اس بات کی وضاحت کرتی ہے کہ شدت پسندی کے ذریعہ کسی بھی حق کو حاصل نہیں کیا جا سکتا اور اگر حاصل ہو بھی جائے تو اس کی اہمیت نہیں ہوتی ہے چنانچہ اس تیسری لہر میں شدت پسندی سے گریز کر کے اعتدال پسندی کو ترجیح دی گئی۔

حوالہ جات باب سوم

۱۔(اعجاز الرحمٰن ۔تانیثیت اورقرۃالعین حیدر کےنسوانی کردار۔ص۔٦
۲۔(ڈاکٹرآمنہ تحسین،مطالعات ۔نسواں ۔ص۔۹۳
۳۔(تانیثیت اورقرۃالعین حیدرکےنسوانی کردار۔اعجاز الرحمٰن ۔ص۔۷
۴۔(سیدمسعودمعصومی۔فیمینسم دریک نگاہ۔ص۔۳۱
۵۔(غزالہ دولتی،ہالہ حسینی اکبرنژاد،حوریہ حسینی اکبرنژاد،بررسی مبانی فلسفی،اخلاقی،کلامی وآثارعملی فیمنیسم ۔ص۔۲۴
٦۔(ڈاکٹرآمنہ تحسین ۔مطالعات نسواں ۔ص۔۹۵
۷۔(ڈاکٹرآمنہ تحسین،مطالعات نسواں ۔ص۔۹۴
۸۔(غزالہ دولتی،ہالہ حسینی اکبرنژاد،حوریہ حسینی اکبرنژاد،بررسی مبانی فلسفی،اخلاقی،کلامی وآثارعملی فیمنیسم ۔ص۔ ۲۳)
۹۔(ابراہیم حسینی،فمینیسم ۔ص/۹
۱۰۔(شبنم آرا،تانیثیت کےمباحث اوراردوناول ۔ص۔۱
۱۱۔(اعجاز الرحمٰن ۔تانیثیت اورقرۃالعین حیدرکےنسوانی کردار۔ص۔۸،شبنم آرا،تانیثیت کےمباحث اوراردو ناول ۔ص۔۳
۱۲۔(ڈاکٹرآمنہ تحسین ۔مطالعات نسواں ۔ص/۹۷
۱۳۔(شبنم آرا،تانیثیت کےمباحث اوراردوناول ۔ص۔۵
۱۴۔(ابراہیم حسینی،فیمینسم ۔ص/۱۰
۱۵۔(ڈاکٹرآمنہ تحسین،مطالعات نسواں ۔ص۔۱۰۱
۱٦۔(اعجاز الرحمٰن ۔تانیثیت اورقرۃالعین حیدرکےنسوانی کردار۔ص۔۱۴
۱۷۔(غزالہ ودلتی،ہالہ حسینی،حوریہ حسینی اکبرنژاد۔بررسی مبانی فلسفی،اخلاقی کلامی آثارعملی فمینیسم ۔۲٦
۱۸۔(ڈیاناپاسنوفمنیسم راہ یابی راہ ۔(Diane Passno .Feminism:Mystque or

Mistake) مترجم محمد رضا مجیدی، فمینسم راہ یابی راہ۔ص۔۲۳
۱۹۔(ڈاکٹر آمنہ تحسین۔مطالعات نسواں ص۹۹
۲۰۔(سید مسعود معصومی۔فیمینسم در یک نگاہ۔ص/۲۶
۲۱۔(اندروہی وود۔درآمدی بر ایدیالوژی سیاسی۔ص/۳۱۱۔مترجم، رفیعی مہر آبادی نقل از سید مسعود معصومی۔ فیمنسم در یک نگاہ۔ص/۲۳۔Hewood Andrew.Political Ideologies an Introduction
۲۲۔(ڈاکٹر آمنہ تحسین۔مطالعات نسواں۔ص/۱۰۲
۲۳۔(اسحاق حسین۔فمینسم،قم مرکز پژوہشہای اسلامی صدا و سیما ۱۳۸۵ھ،ص۔۱۵،حسن فر،عبدالرحمٰن مقالہ فمینسم اسلام وایران، مجموعہ مقالات اسلام و فمینسم قم معارف ۱۳۸۱ھ جلد اول۔ص۔۱۹۳۔مقالہ فمینسم مجلّہ رواق اندیشہ۔شمارہ۔۲۸
۲۴۔(اعجاز الرحمٰن۔تانیثیت اور قرۃ العین حیدر کے نسوانی کرادر۔ص۔۱۳)(بیات عبدالرسول۔فرہنگ واژہ ہا، قم موسسۂ اندیشہ و فرہنگ دینی ۱۳۸۱ھ ص۔۴۲۷
۲۵۔(مشیر زادہ حمیرا۔از جنبش تا نظریہ اجتماعی، تہران شیرازہ ۱۳۸۲ھ۔چاپ اول۔ص۶۹،۶۷
۲۶۔(مشیر زادہ حمیرا۔از جنبش تا نظریہ اجتماعی، تہران شیرازہ ۱۳۸۲ھ۔چاپ اول۔ص۔۷۲
۲۷۔(بیات عبدالرسول۔فرہنگ واژہا قم موسسہ اندیشہ و فرہنگ دینی ۔ص۔۴۲۷
۲۸۔(مشیر زادہ حمیرا۔از جنبش تا نظریہ اجتماعی، تہران شیرازہ ۱۳۸۲ھ۔چاپ اول۔ص/۷۴۔۷۵
۲۹۔(باقری خسرو، مبانی فلسفی فمینسم تہران وزرات علوم تحقیقات وفناوری ۱۳۸۲ھ، چاپ اول۔ص۔۲۴-۲۵، مشیر زادہ حمیرا۔از جنبش تا نظریہ اجتماعی، تہران شیرازہ ۱۳۸۲ھ۔چاپ اول۔ص۔۷۴
۳۰۔(باقری خسرو، مبانی فلسفی فمینسم تہران وزرات علوم تحقیقات وفناوری ۱۳۸۲ھ، چاپ اول۔ص۔۷۴-۷۵ ،عبدالمجید زواری، اندیشکدہ روابط بین الملل
۳۱۔(مشیل آندرہ (Andree Michel)، جنبش اجتماعی زنان ، ہما زنجانی زادہ مشہد۔۱۳۷۲ھ۔ص۔ ۱۱۵-۱۱۶، بیات عبدالرسول ودیگران۔فرہنگ واژہ ہا۔قم مؤسسہ اندیشہ و فرہنگ دینی ۱۳۸۱ھ۔چاپ اول۔ص۔۴۲۸
۳۲۔(میشل آندرہ، جنبش اجتماعی زنان۔ص۔۱۲۸-۱۱۹۔مسئلہ زن، اسلام و فیمنسم، محمد منصور نژاد، انتشارات برگ زیتون تہران۔۱۳۸۱ھ۔ص۔۲۴۱
۳۳۔(حمیرا شہرزادہ، از جنبش تا نظریہ اجتماعی تہران شیرازہ ۱۳۸۲ھ۔چاپ اول۔ص۔۲۸۳
۳۴۔(ڈاکٹر آمنہ تحسین۔مطالعات نسواں۔ص۔۱۰۳
۳۵۔ڈاکٹر آمنہ تحسین۔مطالعات نسواں۔ص/۱۰۳
۳۶۔مقالہ تاریخچۂ فمینسم۔خانم ریحانہ۔ ۱۳۹۵-۱-۱۳) www.ordpress.com (توحیدی احمد رضا

۔مقالہ برتری جنبش فمنیسم درغرب وایران ۔مجموعہ مقالات اسلام وفمینسم ۱۳۸۱ھ۔جلداول قم، معارف چاپ اول ۔ص ۔۱۶۶، اسحاقی حسین، فمینسم ۔قم مرکز پژوہشھای اسلامی صداوسیما ۔۱۳۸۵ھ۔چاپ اول ۔ص ۔۲۰۔مقدمہ ای برایدیالوژی ہای سیاسی ۔ص ۔۳۷۹۔۳۸۰

۳۷۔آمنہ تحسین ۔مطالعات نسواں ۔ص ۔۱۰۴

بابِ چہارم

تانیثیت کے مکاتبِ فکر اور نظریات

باب پنجم

تانیثی نظریات کا مطالعہ اسلامی تناظر میں

باب پنجم

تانیثی نظریات کا مطالعہ اسلامی تناظر میں

باب پنجم

۵.۱-اسلام اور حقوق نسواں

تانیثیت کی اصطلاح اگر چہ اٹھارہویں صدی کے آخر آخر کی ایجاد ہے اور ایک منظّم تحریک کی صورت میں سامنے آئی اور جیسا کہ ہم نے پہلے ذکر کیا ہے کہ تانیثیت کی کوئی جامع تعریف کسی نے نہیں کی ہے۔لیکن خود لفظ تانیثیت ایک ایسا وسیع المعنی لفظ ہے کہ جو اس زمانہ پر بھی محیط ہے جب تانیثیت کی اصطلاح کا وجود بھی نہ تھا۔اس لئے کہ عورت تب سے ہے جب سے مرد ہے اور عورت مرد کے ہمزمان اور ہم مکان ہے لہٰذا عورت کے مسائل ہمیشہ ہی سے مرد کے ساتھ رہے ہیں۔ عورت نے مرد کے ساتھ مل کر اس دھرتی کو آباد کیا ہے، اس کے حسن و جمال میں دو چندان اضافہ کیا، انسانی زندگی کو رنگ و بو سے سرشار کیا اور مرد کے دوش بدوش اس کاروانِ ہستی کو اپنی خدمات سے مستفیض کیا۔

جب انسان کے پاس رہنے کے لئے گھر نہ تھا تب بھی عورت اس کے ساتھ تھی، جب انسان کو غذا کی مختلف النوع تراکیب کا شعور نہ تھا تب بھی عورت مرد کے ساتھ تھی اور جب انسان کے پاس طرح طرح کے ملبوسات نہ تھے تب بھی عورت مرد کے ہمراہ تھی اور وہ تمام مسائل و مشکلات جو مرد کو لاحق تھے اس میں عورت نہ صرف یہ کہ اس کی شریک تھی بلکہ ان مشکلات کا مقابلہ کرنے کے ساتھ ساتھ ان کو حل کرنے کے مختلف طریقے بھی عورت ہی نے تلاش کئے۔جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا ہے کہ آج کی تمام تر ترقی میں عورت کی خدمات مسلّم ہیں اور تہذیب و تمدن کی عمارت کی بنیادوں میں عورت ہی کا خون پسینہ شامل ہے، جس کی بنا پر آج کی نئی تہذیب کی عمارت اپنے تمام آب و تاب کے ساتھ کھڑی ہے۔

لیکن انسانی زندگی کے سفر میں عورت نے جن حالات سے مقابلہ کیا وہ بھی قابلِ تحسین ہے۔یہی وجہ ہے کہ کسی بھی زمانہ میں عورت کے وجود سے بے نیازی کا دعویٰ نہیں کیا جا سکتا اور یہ ایک حقیقت ہے۔چنانچہ پروفیسر غلام شبیر رعنا لکھتے ہیں:

> ”عالمی ادبیات کا مطالعہ کرنے سے یہ بات روزِ روشن کی
> طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ ہر عہد میں متفکرین نے وجودِ زن کی
> اہمیت کو تسلیم کیا ہے۔رنگ، خوشبو اور حسن و خوبی سے تمام استعار

ے وجود زن سے منسوب چلے آ رہے ہیں اس طرح اسے عالمی
تصور کی حیثیت حاصل ہوگئی ہے علامہ اقبال نے خواتین کے
کردار کے حوالے سے لکھا ہے۔

وجود زن سے ہے تصویر کائنات میں رنگ
اسی کے ساز سے ہے زندگی کا سوز دروں
شرف میں بڑھ کے ثریا سے مشت خاک اسکی
کہ ہر شرف ہے اسی درج کا در مکنوں
مکالمات فلاطوں نہ لکھ سکی لیکن
اسی کے شعلے سے ٹوٹا شرار افلاطون(۱)

آج کے مفکرین جو بھی تصور پیش کریں اس بات کا ہر ایک کو اقرار کرنا ہی پڑتا ہے کہ وجود زن سے عالم انسانیت بے نیاز نہیں ہے یہ اور بات ہے کہ طول تاریخ میں اس انسانیت کے نصف حصہ کو بڑے مصائب و آلام کا سامنا کرنا پڑا ہے لیکن چھٹی صدی عیسوی میں ظہور اسلام کے ساتھ ہی ایک نئی فکر اور نیا خیال عورت کے متعلق سماج میں پیش ہوا اور عورت کی حیثیت وحالات میں تبدیلی کی کوشش شروع ہوگئی اور جزیرۃ العرب میں کسی حد تک اس میں اسلام کے پھیلاؤ کے ذریعہ کامیابی بھی حاصل ہوئی اور جس خطہ ارضی پر عورت کو سماج کے لئے ننگ اور لڑکی کی پیدائش باعث شرمندگی تصور کیا جاتا تھا اسی سوسائٹی میں نبی رحمت نے عورت کے قدموں کے نیچے جنت کا تصور عام کر کے نہ صرف یہ کہ عورت کے مقام کو بلند کیا بلکہ اس کی حقیقت سے انسانیت کو آشنا کرایا۔

جو عرب ایک بیٹی کو برداشت کرنے کی جرأت نہیں رکھتے تھے انھیں کے درمیان بیٹی کے وجود کو جنت کا ضامن بنا کر پیش کر کے صنف نسواں کی وجودی حیثیت کو مرد کے لئے باعث سکون قرار دے کر عورت کو زندگی کے امرت کے طور پر پیش کر دیا۔ اور جب عالم انسانیت عورت کی کسی حیثیت کو قبول کرنے کو تیار نہ تھی تو اسلام نے اسے مرد کے مقابل لا کھڑا کیا اور ان تمام حقوق سے اسے سرفراز کیا جس کا ایک مرد مستحق تھا۔ دنیا میں حق مالکیت سے لے کر حق رائے دہی تک اور آخرت میں مرد کے برابر ثواب سے لے کر جنت تک میں عورت کو مرد کے برابر قرار دیا۔ اور گذشتہ زمانوں میں عورت کی کھوئی ہوئی عزت و وقار کو اس کے حوالے کر کے اس کے لئے تجدید حیات کے اسباب کو فراہم کیا۔

اگر چہ مغربی دنیا میں تعالیم اسلام کو یکسر نظر انداز کیا گیا اور نہ صرف یہ کہ اس کو زندگی کے لئے مشعل راہ قرار نہ دیا گیا بلکہ اس کے برعکس ایسے احکام وتعالیم کو پیش کرنے کی کوشش کی گئی جو سراسر تعالیم اسلامی کے برخلاف تھیں اور نہ صرف مغرب بلکہ مشرق کی دنیا نے بھی علوم اسلامی سے بس اپنے دنیوی مقاصد کے حصول کے لئے استفادہ کیا اور بقیہ امور میں من مانی ہی کی گئی جس کے نتیجہ میں ایک زمانہ وہ آ گیا کہ جہاں جس عورت کو اسلام نے تمام حقوق بشری سے نوازا تھا وہیں

وہ اپنے حق کہ بنیادی حقوق سے بھی محروم ہو کر رہ گئی اور سماجی اور مذہبی اعتبار سے اس کی حیثیت ایک جانور سے بھی بدتر ہوگئی ۔اسلام نے جس عورت کے قدموں میں جنت کی بشارت دی ، دوسرے مذاہب نے اسی عورت کو روئے زمین کی بدترین مخلوق بنا کر پیش کر دیا ، اسلام نے جس عورت کو حقوق میں مرد کے برابر قرار دیا تھا وہی عورت دوسرے سماج اور مذاہب میں تمام حقوق سے محروم کر دی گئی اور اس پدر سری نظام کی تند و تیز ہوا میں اس کی حیثیت تاش کے پتوں کی مانند بکھر کر رہ گئی ۔ اور جب پانی سر سے اوپر ہوگیا تو اٹھارہویں صدی کے اختتام تک صدائے احتجاج آہستہ آہستہ بلند ہونے لگی ۔ اور نظریہ تانیثیت وجود میں آیا ۔

صدیوں بعد عورت کی آزادی اور اس کے حقوق کی بازیابی کے لئے جو آواز تانیثیت کی صورت میں اٹھی وہ حقوق اور آزادی سیکڑوں سال قبل اسلام عورت کو دے چکا تھا ۔ جو ظلم عورت پر اس کی آزادی کے مطالبہ کا سبب بنا اسے اسلام پہلے ہی متعارف کر چکا تھا ۔

اگر چہ جس زمانہ میں نبی رحمت کا ظہور سرزمین عرب میں ہوا اس دور میں پوری دنیا میں عورت ایک ناگفتہ بہ حالات سے گذر رہی تھی ۔لیکن جزیرۃ العرب میں عورت کی حیثیت کچھ زیادہ ہی ابتر تھی کیونکہ دوسرے مذاہب اور ملت جہاں عورت کو کوٹنی ، ڈائن اور منحوس ایسے الفاظ سے نواز رہے تھے وہیں عرب میں اسے زندہ درگور کیا جا رہا تھا ۔ اور ایسے حالات میں عورت اپنی ابتری کی اس منزل پر تھی کہ اس کو اپنے اوپر ہوتے مظالم کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرنے کا بھی یارا نہ تھا ۔ یا یوں کہا جائے کہ اس کو اتنا بھی شعور نہ تھا کہ وہ اپنی صنف پر ہوتے مظالم کو درک کرے اور کوئی آواز اس کے خلاف بلند کرے ۔ یا یوں کہا جائے کہ اس نے ان مظالم کو اپنی زندگی تصور کر رکھا تھا ۔لیکن ظہور اسلام کے ساتھ ہی اسلام نے نہ صرف یہ کہ عورت کو اس پر ہونے والے مظالم سے آگاہ کرایا بلکہ ان مظالم کے سد باب کے ساتھ ساتھ اسے اس کے جائز حقوق بھی عطا کئے اور سرچشمہ وحی سے اس کے عمل پر اس کو مرد کے برابر اجر و ثواب کی نوید بھی سنائی گئی ۔ انسانی حقوق ، حق رائے دہی اور حق مالکیت جیسے اہم حقوق اس کے حوالے کئے ۔ اس طرح اگر چہ چودہ سو سال پہلے کوئی تانیثی نظریہ نہ تھا ، کوئی فمینسٹ نہ تھا ، عورت کے حقوق کے مطالبہ اور اس کے اوپر ہونے والے مظالم کے خلاف کوئی تحریک نہ تھی ، لیکن اسلام نے ایک مکمل تانیثی نظریہ عورت کی آزادی اور اس کے حقوق کی بازیابی کا پیش کر کے عورت کے وقار کو بلند کیا ۔ اور سماج میں اس کو عزت اور حیثیت عطا کی ۔ اس طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ تانیثیت کی تاریخ اٹھارہویں صدی نہیں بلکہ چھٹی صدی عیسوی پر منتہی ہوتی ہے ۔

جب اسلام سے پہلے عورت کے حالات کا مطالعہ کیا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ قدیم ملتوں میں جب ان کا طرز زندگی قانونی یا دینی نہیں تھا اور صرف قومی آداب و رسوم کے مطابق زندگی بسر کرتے تھے تو عورت انسان شمار نہیں ہوتی تھی بلکہ اس کے ساتھ ایک پالتو جانور جیسا سلوک کیا جاتا تھا ۔ انسان جب آغاز سے پالتو جانوروں کو یکے بعد دیگرے اپنا اسیر بنا کر ان کی تعلیم و تربیت کرتا تھا ۔ ان کی حفاظت اور ان کی زندگی کے لئے بے پناہ محنت کرتا اور رنج و تکلیف اٹھاتا تھا تو یہ سب

اس لئے نہیں تھا کہ انھیں انسانیت کی حیثیت سے پہچانے یا انھیں اپنے معاشرے کا ایک عضو قرار دے اور ان کے لئے کچھ حقوق کا قائل ہو جائے بلکہ وہ ان کے گوشت، کھال، اون، دودھ، سواری، سامان ڈھونے اور دیگر فوائد سے بہرہ مند ہونے کے لئے تھا۔

اس لئے ان جانوروں کی بقاء اور زندگی کے لئے کچھ وسائل جیسے خوراک اور رہائش وغیرہ فراہم کرتا تھا۔ لیکن یہ محبت وشفقت ان کے ساتھ ہمدردی کی بنا پر نہیں ہوتی تھی بلکہ اپنے فائدے کے لئے ہوتی تھی۔ انسان ان جانوروں کا دفاع کرتا تھا اور اجازت نہیں دیتا تھا کہ کوئی ان کو مار ڈالے یا انھیں اذیت پہونچائے اور اگر کوئی ان پر تجاوز کرتا تو وہ اس سے انتقام لیتا تھا۔ لیکن یہ سب اس لئے تھا کہ وہ خود کو ان کا مالک تصور کرتا تھا اور اپنے حقوق کی حفاظت کرنا چاہتا تھا نہ کہ ان حیوانات کے لئے کسی حق کا قائل تھا۔ عورت کو بھی اسی طرح اپنے استفادہ کے لئے چاہتا تھا۔ عورت کی معاشرہ میں رکھوالی کرتا تھا اور اس کا دفاع کرتا تھا۔ جو اس پر تجاوز کرتا اسے سزا دی جاتی تھی لیکن نہ اس لئے کہ وہ انسان ہے یا معاشرہ کی عضو ہے یا کسی حق واحترام کی حقدار ہے بلکہ اس لئے کہ زندہ رہے اور مرد کے جنسی خواہشات کا کھلونا بنی رہے اور اہل خانہ یعنی مردوں کے لئے کھانا تیار کرے، ساحل نشین قوموں کے لئے مچھلی پکڑے، سامان ڈھوئے، گھر کا کام کرے اور ضرورت کے وقت بالخصوص قحط سالی اور مہمان نوازی کے موقع پر اس کے گوشت سے غذا تیار کی جائے۔

باپ کے گھر میں بھی عورت کی یہی حالت تھی یہاں تک کہ اسے شوہر کے حوالے کیا جاتا تھا۔ لیکن نہ اس کے اپنے اختیار وانتخاب سے بلکہ ماں باپ کے حکم سے وہ بھی ایک قسم کا بیچنا تھا، نہ کہ ازدواجی عہد و پیمان، عورت باپ کے گھر میں باپ کے ماتحت اور شوہر کے گھر میں شوہر کے ماتحت اور اس کی تابع ہوتی تھی اور ہر حالت میں صاحب خانہ کے زیر نظر اور اس کی مرضی کے مطابق زندگی گزارتی تھی۔

صاحب خانہ اسے بیچ سکتا تھا یا اسے کسی کو بخش سکتا تھا یا دوسرے مقاصد کے لئے جیسے عیاشی یا بچہ پیدا کرنے یا خدمت کرنے کے لئے عاریت، قرض یا کرایہ پر دوسروں کو دے سکتا تھا۔ اگر اس سے کبھی کوئی غلطی سرزد ہو جاتی تو اسے ہر طرح کی سزا دینے کا حق تھا۔ یہاں تک کہ قتل تک کر سکتا تھا۔ اور اس کے بارے میں کسی بھی قسم کی ذمہ داری کا احساس نہیں ہوتا تھا۔

یہ حالت تھی قدیم ملتوں میں عورت کی۔ لیکن ترقی یافتہ سلطنتی معاشرہ میں جیسے ایران، مصر، ہندوستان اور چین کہ جہاں وقت کے بادشاہوں کی مرضی چلتی تھی اور اسی طرح متمدن معاشرہ جیسے کلدہ، روم اور یونان جہاں کے لوگ قانونی حکومت کی زندگی بسر کرتے تھے، وہاں اگر چہ عورت کی حالت دوسرے معاشروں سے بہتر تھی اور کلی طور پر مالکیت سے محروم قرار نہیں دی جاتی تھی۔ لیکن پھر بھی مکمل آزادی نہیں رکھتی تھی۔ جس گھر میں عورت زندگی گزارتی تھی اس کا سرپرست جیسے باپ، بڑا بھائی یا شوہر اس پر مطلق حکومت کرتا تھا یعنی اسے حق ہوتا تھا کہ جس کے ساتھ چاہے اس کا عقد کرے یا عاریت و کرایہ پر دے دے یا کسی کو بخش دے اور خاص طور پر (خطا سرزد ہو جانے پر) اسے قتل کر سکتا تھا یا گھر سے نکال سکتا تھا۔

بعض ملکوں میں عورت فطری رشتہ داری سے محروم تھی اور مرد اپنی محرم عورتوں سے شادی کرسکتا تھا۔ یا یوں کہا جائے کہ ان کے یہاں محرم و نامحرم کا کوئی تصور نہیں تھا۔ بعض دوسرے ممالک میں عورت باضابطہ اور قانونی رشتہ دار شمار نہیں ہوتی تھی۔ اور میراث کی حقدار بھی نہیں ہوتی تھی۔ بعض جگہوں پر کئی مرد ایک عورت سے شادی کرتے تھے اور زمان جاہلیت میں قومیں اپنی بیٹیوں کو زندہ دفن کردیا کرتی تھیں، عورت کو منحوس جانتے تھے، اگر اس پر کوئی زیادتی اور ظلم ہوتا تو اسے عدالت میں جاکر شکایت کرنے اور اپنا دفاع کرنے کا حق نہیں تھا اور اس کو گواہی دینے کا بھی حق نہیں تھا۔

خلاصہ یہ کہ اس معاشرہ میں عورت ایک کمزور عضو شمار ہوتی تھی جسے مرد کی سرپرستی میں زندگی بسر کرنا ہوتی تھی، اسے ہرگز اپنے ارادہ سے فیصلہ کرنے، کام و پیشہ کے انتخاب میں آزادی نہیں تھی، بلکہ ایک چھوٹے بچے کے مانند تھی جیسے بالغ ہونے تک کسی کی سرپرستی میں زندگی بسر کرنا پڑتی ہے۔ فرق صرف یہ تھا کہ ایک عورت کبھی بالغ نہیں ہوتی تھی۔

عورت ایک جنگی اسیر کے مانند تھی کہ جب تک آزاد نہ ہوجائے دشمن کی غلامی میں رہنا ہے اور اس کے کام و کوشش سے استفادہ کیا جاتا ہے۔ اس کے مکر وفریب سے ہوشیار رہتے ہیں فرق یہ تھا کہ عورت کو اس اسیری سے آزاد ہونے کی کبھی امید نہیں ہوتی تھی۔

دینی معاشروں میں بھی عورت پر جو کچھ دوسرے معاشروں میں گزرتی تھی کوئی خاص فرق نہیں ہوتا تھا اور اس کے لئے کسی قسم کے حق کے قائل نہ تھے۔

یہودیوں کی موجودہ توریت نے عورت کو موت سے زیادہ تلخ بتایا ہے اور کمال سے مایوس شمار کیا ہے۔ حضور ﷺ کی بعثت سے پہلے فرانس میں عیسائی پادریوں کا ایک اجتماع منعقد ہوا جس میں عیسائی پادریوں نے عورت کی حالت پر مفصل بحث و تحقیق کے بعد حکم صادر کیا کہ:

''عورت ایک انسان ہے لیکن مرد کی خدمت کے لئے پیدا کی گئی ہے''

ان تمام معاشروں میں اولاد باپ کی تابع ہوتی تھی نہ کہ ماں کی اور ان کے نسب کی بنیاد باپ سے تشکیل پاتی تھی نہ کہ ماں سے۔ صرف چین اور ہندوستان کی بعض جگہوں پر کئی شوہر کرنے کا رواج تھا جہاں بچے ماں کے تابع اور ان کے نسب کی بنیاد مائیں تشکیل دیتی تھیں۔

خلاصہ یہ کہ اسلام سے پہلے پوری دنیا میں تاریخ کے مختلف ادوار میں انسانی معاشروں میں عورت کو معاشرے کا ایک سرگرم عضو شمار نہیں کیا جاتا تھا۔ اور وہ استقلال و آزادی کی مستحق نہیں تھی۔ اور ہمیشہ ایک کمزور اور محکوم مخلوق شمار ہوتی تھی۔ اور وہ خود بھی زمانے کے گزرنے کے ساتھ ساتھ اپنی انسانی خصلتوں کو کھوکر کے اپنے لئے کسی قسم کی اجتماعی شخصیت کو تصور نہیں کرسکتی تھی۔ لفظ عورت، ذلت، خواری، پستی اور بیوقوفی کے معنی دیتا تھا۔ ہر زبان کے ادبیات کے نظم و نثر میں عورت کے بارے میں بہت سی ناشائستہ باتیں اور خرافات پائے جاتے ہیں جو ماضی کے معاشروں میں عورت کے بارے میں روا رکھے جانے والے نظریہ کی عکاسی کرتے ہیں۔

لیکن جس دن اسلام کا سورج بشریت کے افق پر طلوع ہوا اس وقت عورت کی سماجی حالت وہی تھی جو بیان کی گئی ،اس زمانہ کی دنیا میں عورت کے بارے میں چند غلط اور خرافات پر مشتمل افکار اور ظالمانہ طرز عمل کے علاوہ کچھ نہیں تھا۔لوگ (حتی خود عورت کا طبقہ) عورت کے لئے کسی مقام یا حق کے قائل نہیں تھے اور اسے ایک پست مخلوق سمجھتے تھے جو شریف انسان (مرد) کی خدمت کے لئے پیدا کی گئی ہے۔

اسلام نے پوری طاقت کے ساتھ ان افکار کی مخالفت کی اور عورت کے لئے درجہ ذیل حقوق مقرر کئے۔

۱-عورت ایک حقیقی انسان ہے اور انسان کے نر و مادہ جوڑے سے پیدا کی گئی ہے اور انسان کی ذاتی خصوصیات کی حامل ہے اور انسانیت کے مفہوم میں مرد کو اس پر کوئی امتیاز حاصل نہیں ہے۔خدائے متعال اپنے کلام پاک میں فرماتا ہے۔

''انسانو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے'' (۲)

اور دوسری بہت سی آیتوں میں آیا ہے کہ:

''تم سب ہم جنس ہو'' (یعنی ایک دوسرے سے ہو) (۳)

۲-عورت مرد کی مانند معاشرہ کا عضو ہے اور قانونی شخصیت کی مالک ہے۔

۳-عورت چونکہ فطری رشتہ دار ہے اس لئے سرکاری اور قانونی طور پر بھی رشتہ دار ہے۔

۴-بیٹی اولاد ہے، اسی طرح جس طرح بیٹا اولاد ہے۔اس لئے بیٹیاں، بیٹوں کی طرح اولاد ہیں، اس لحاظ سے عورت بھی مرد کی طرح اپنے سببی اور نسبی رشتہ داروں جیسے باپ اور ماں سے میراث پاتی ہے۔

۵-عورت فکری آزادی کی مالک ہے اور اپنی زندگی میں ہر قسم کا فیصلہ کر سکتی ہے اور شرعی حدود میں اپنی مرضی کے مطابق اپنے لئے شوہر منتخب کر سکتی ہے اور باپ یا شوہر کی ولایت اور سرپرستی میں رہے بغیر آزادی کے ساتھ زندگی گزار سکتی ہے اور ہر جائز پیشہ کو منتخب کر سکتی ہے۔

عورت عمل کے میدان میں مستقل ہے اور اس کا کام اور کوشش محترم ہے اور وہ مالک بن سکتی ہے اور اپنی دولت و ثروت میں مرد کی سرپرستی اور مداخلت کے بغیر تصرف کر سکتی ہے اور اپنے انفرادی و اجتماعی مال اور حقوق کا دفاع کر سکتی ہے اور دوسروں کے حق میں یا برخلاف گواہی دے سکتی ہے۔وہ جنسی خواہش کے مسئلہ کے علاوہ (جس میں ازدواجی زندگی کے معاہدہ کے مطابق اپنے شوہر کی اطاعت کرنا ضروری ہے) اپنے شوہر کے لئے کوئی دوسرا کام انجام دے تو وہ قابل قدر ہے۔

۶-مرد کو عورت پر حکم چلانے کا اور ظلم کرنے کا کوئی حق نہیں ہے اور ہر وہ ظلم جو مردوں کے بارے میں مقدمہ چلا کر قابل سزا ہے، وہ عورتوں کے بارے میں بھی مقدمہ چلانے اور سزا دینے کے قابل ہے۔

۷-عورت معنوی و دینی شخصیت کی مالک ہے اور اخروی سعادت سے محروم نہیں ہے۔وہ ایسی نہیں ہے جیسا کہ اکثر ادیان و مذاہب عورت کو ایک شیطان کے مانند، رحمت خداوندی سے مایوس تصور کرتے ہیں۔

چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد ہے۔

''میں تم میں سے کسی بھی عمل کرنے والے کے عمل کو ضائع نہیں کروں گا وہ مرد ہو یا عورت'' (۴)

درج ذیل آیت کے مطابق ممکن ہے ایک عورت تقوی اور دین کی بدولت ہزاروں مردوں پر امتیاز اور فوقیت حاصل کر لے جہاں ارشاد ہے:

'' اے انسانو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے
پیدا کیا ہے اور پھر تم میں شاخیں اور قبیلے قرار دیئے ہیں تا کہ
آپس میں ایک دوسرے کو پہچان سکو، بیشک تم میں سے خدا کے
نزدیک زیادہ محترم وہی ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے'' (۵

اس طرح عورت کو اسلام نے وہ تمام حقوق فراہم کئے جو ایک مرد کو حاصل ہیں۔

جہاں شرع نے مرد کو ناگزیر حالات میں طلاق دینے کا اختیار سونپ رکھا ہے وہیں عورت کو بھی کسی معقول وجہ کے باعث مرد سے طلاق لینے کا اختیار دلایا ہے۔اور اس طرح فریقین کو ایک مکمل مساوات پر لا کھڑا کیا ہے۔اسلام نے عورت کو تحصیل علم میں مرد کے برابر اجازت دی،اسلام نے عورت کو وراثت میں حصہ دار بنایا،اسلام سے پہلے عورت کی گواہی کبھی بھی معتبر نہ تھی،اسلام نے اس کی گواہی کو معتبر کیا اور عورت کی عصمت کو حدود الٰہی میں شمار کیا،اس کے خلاف جرم کو معاشرے کے خلاف سمجھا گیا،محض انفرادی مجرم نہیں بنایا گیا۔اس اعتبار سے آج تک دنیا کی کوئی ترقی یافتہ قوم اسلام کی گرد بھی نہ پا سکی ،اسلام نے عورت کو اظہار خیال کی آزادی دی۔

عورت حضور اکرم ﷺ کے لئے قابل احترام تھی،اس معاشرے میں مرد اپنی بیٹیوں کی پیدائش کے وقت زندہ دفن کر دیتے تھے۔آنحضرت ﷺ نے انھیں جینے کا حق دیا۔عورتوں کا تحفظ جس طرح کیا اس کی مثال دنیا کی پوری تاریخ میں نہیں ملتی۔محمد عربی نے اسلام میں عورت کو وہ درجہ دیا جو آج کے جدید مغربی معاشرے میں بھی اسے حاصل نہیں۔

فرمان نبوی ﷺ ہے کہ:

''اگر ایک عورت پانچ وقت کی نماز پڑھے،ماہ رمضان کے روزے رکھے،اپنی عصمت کی حفاظت کرے اور اپنے شوہر کی اطاعت کرے تو اللہ تعالیٰ اس عورت کو حکم دے گا کہ جنت میں داخل ہو جا جس دروازے سے بھی چاہے''

اسلام کا ان حالات میں عورت کے حقوق کی نہ صرف یہ کہ بات کرنا بلکہ اس کو تمام انسانی و بشری حقوق سے سرفراز کرنا ایک مکمل تانیثی نظریہ ہے۔جس کے لئے آج پورے عالم میں تحریکیں چل رہی ہیں،بل پاس کرنے کی کوششیں کی جا رہی ہیں،قانون ساز مجالس میں مباحثے ہو رہے ہیں،لیکن ستم تو یہ ہے کہ آج کوئی اس بات کو قبول کرنے کو تیار نہیں ہے کہ تانیثیت کی تمام تحریکوں اور تمام مطالبات کا واحد حل اسلام ہے۔یہی نہیں بلکہ آزادی نسواں کے نام پر اسلامی قوانین کا مذاق بھی اڑایا جا رہا ہے۔آج کے دور کے بڑے بڑے فمینسٹ یہ بھول جاتے ہیں کہ جو آوازیں وہ آج اٹھا رہے ہیں اور جو

مطالبات وہ آج کر رہے ہیں اور جن حقوق کی باتیں آج کی جا رہی ہیں وہ اسلام آج سے چودہ سو برس پہلے عورت کو کہیں بہتر انداز میں دے چکا ہے یہ اور بات ہے کہ آج کا مسلمان نہ صرف یہ کہ ان قوانین پر عمل نہیں کرتا، ان حقوق کو ادا نہیں کرتا بلکہ ان سے ناآشنا بھی ہے تو اس میں اسلام کے قوانین کی کون سی خطا ہے؟

اور اسلام کی بات اگر مانی جائے تو یہ تانیثی نظریہ جس کی بنیاد عورت اور مرد کے مساوی حقوق کی ہے اسلام سے پہلے کا ہے بلکہ اس دن سے ہے جس دن باری تعالیٰ نے حضرت آدم وحوا کے پتلے کو وجود بخشا۔

قرآن کریم میں اس مرحلہ کو یوں ذکر کیا گیا ہے۔ جب کہا گیا:

''اور ہم نے کہا اے آدم! اب تم اپنی زوجہ کے ساتھ جنت میں ساکن ہو جاؤ اور جہاں چاہو رہو اور آرام سے کھاؤ اور صرف اس درخت کے قریب نہ جانا کہ اپنے اوپر ظلم کرنے والوں میں سے ہو جاؤ گے۔ پس شیطان نے ان دونوں کو فریب دینے کی کوشش کی اور انہیں نعمتوں سے باہر نکال لیا اور ہم نے کہا کہ اب تم سب زمین پر اتر جاؤ'' (۶)

مذکورہ بالا آیت میں جہاں جناب آدم کو جنت میں رہنے کا حق دیا گیا وہیں جناب حوا کو بھی اس نعمت سے بغیر کسی فرق کے سرفراز کیا گیا اور یہ وہی برابری ہے کہ آج کا فمینسٹ جس کا مطالبہ کر رہا ہے۔

بعض مذاہب جنت سے جناب آدم کے نکالے جانے کا ذمہ دار جناب حوا کو قرار دیتے ہیں جب کہ قرآن کریم کی مذکورہ بالا آیت میں ہے کہ شیطان نے ان دونوں کو فریب دینے کی کوشش کی اور آیت میں تمام صیغے تثنیہ کے استعمال ہوئے ہیں جس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ جنت سے نکالے جانے کا الزام کسی ایک پر نہیں لگایا جا سکتا۔

دوسرے مقام پر اس قصہ کو ذکر کرتے ہوئے باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''اے آدم تم اور تمہاری زوجہ جنت میں داخل ہو جاؤ اور وہاں جو چاہو کھاؤ لیکن اس درخت کے قریب نہ جانا کہ ظلم کرنے والوں میں شمار ہو جاؤ گے۔ پھر شیطان نے ان دونوں میں وسوسہ پیدا کیا کہ جن شرم کے مقامات کو چھپا رکھا ہے وہ نمایاں ہو جائیں اور کہنے لگا کہ تمہارے پروردگار نے تمہیں اس درخت سے صرف اس لئے روکا ہے کہ تم فرشتے ہو جاؤ گے یا تم ہمیشہ رہنے والوں میں سے ہو جاؤ گے۔ اور دونوں سے قسم کھائی کہ میں تمہیں نصیحت کرنے والوں میں ہوں، پھر ان دونوں کو

دھوکے کے ذریعہ درخت کی طرف جھکا دیا اور جیسے ہی ان دونوں
نے چکھا شرمگاہیں کھلنے لگیں اورانہوں نے درختوں کے پتے
جوڑ کر شرمگاہوں کو چھپانا شروع کردیا۔تو ان کے رب نے آواز
دی کہ کیا ہم نے تم دونوں کو اس درخت سے منع نہیں کیا تھا اور کیا
ہم نے تمہیں نہیں بتایا تھا کہ شیطان تمہارا کھلا ہوا دشمن
ہے۔''(۷)

مذکورہ بالا آیات میں بھی خطاب دونوں سے ہے لہٰذا ان میں سے صرف ایک کو (جناب حوا کو) مورد الزام نہیں ٹھہرایا جا سکتا ہے۔ کہ ان آیات میں بھی تمام صیغے تثنیہ کے استعمال ہوئے ہیں اور دوسری بات یہ کہ جن حقوق ومراعات سے آدم کو سرفراز کیا گیا ہے انھیں حقوق ومراعات کی سزاوار حوا بھی ہیں۔یعنی خداوند متعال کی نظر میں مرد وعورت میں کسی قسم کا فرق نہیں ہے۔تو آج کے سماج کو کون ساحق بنتا ہے فرق کرنے کا اور اگر الٰہی قانون کو مورد عمل قرار دیا جاتا تو آج کی تمام تر تحریکوں کی کیا ضرورت تھی؟ گویا کہ جو نظریہ آج تانیثیت کا پیش کیا جا رہا ہے خداوند عالم نے اول خلقت سے پیش کر رکھا ہے۔اوراسلام نے صرف اسی الٰہی نظریہ کا اس زمانہ میں احیا کیا ہے،جب یہ نظریہ پامال ہو رہا تھا۔لہٰذا آج کے تمام فیمنسٹوں کو معلوم ہونا چاہیئے کہ آج عورت کی آزادی اور حقوق کی آدائیگی کی بلند ہونے والی آواز کوئی نئی نہیں ہے۔لوگوں نے وہ حق جو خدا نے عورت کو دیئے تھے وہ اس سے سلب کر لئے تھے ورنہ عورت ہمیشہ سے ہی مرد کے برابر رہی ہے اور تمام وہ حقوق جو ایک مرد کو حاصل ہیں عورت کو بھی حاصل تھے یہاں تک کہ جنت میں رہنے کا حق۔

اگر چہ بعض اسلامی فیمنسٹوں نے اس بات کا ادعا کیا ہے کہ اسلامی قوانین عورت کے ساتھ انصاف نہیں کرتے جس کی وجہ اجتہاد اور آئین اسلام کی غلط تفسیر ہے۔جس کی تفصیلات ہم اسی باب کے اواخر میں ذکر کریں گے لیکن حقیقت یہ ہے کہ قرآن واحادیث کی روشنی میں عورت کو اسلام نے جو حقوق دئے ہیں یا جو مراتب اسے دیئے ہیں وہ کسی بھی زمانہ کی عورت کو مطمئن کرنے کے لئے کافی ہیں اور جو مرتبہ اسلام نے عورت کو بخشا ہے اس میں کہیں بھی صنفی امتیاز کی بو تک نہیں آتی ۔یہ بات اور ہے کہ دور جدید کے بعض تانیثی نظریات کی اسلام تائید نہیں کرتا جس کی اس کے پاس دلیلیں بھی ہیں جس کا یہ ہرگز مطلب نہیں ہے کہ اسلام کے پاس کوئی تانیثی نظریہ نہیں ہے یا اسلام عورت کے خلاف ہے۔

حق تو یہ ہے کہ اسلامی تعلیم کو فراموش کیا گیا،اس پر عمل نہیں کیا گیا،حتی کہ مسلمانوں نے اس سے غفلت برتی اور عورت کے وہ حقوق جو اسلام نے مقرر کئے تھے اسے عطا نہیں کئے اور عورت پر ظلم وستم میں مسلمانوں نے بھی غیروں کی تقلید کی۔چنانچہ اس مسئلہ میں مسلمان اور غیر مسلمان متحد ہو گئے اور عالم انسانیت میں عورت حیثیت کے اعتبار سے مساوی ہو گئی اوراب عورت ،عورت ہو کے رہ گئی چاہے مذہب میں ہو یا جس ملت میں اور جب یہ پانی سر سے اونچا ہونے لگا تو اٹھارہویں صدی کے اواخر میں اس کی صدائے احتجاج بلند ہونے لگی اور رفتہ رفتہ ایک منظّم شکل اختیار کر گئی اور بالآخر اس کو

تانیثیت ،فمینزم (Feminism) کا نام دے دیا گیا۔

تانیثیت کے جھنڈے کے تحت بہت سے لوگ اکھٹا ہو گئے اور سب نے مل کر ایک آ واز ہو کر عورت کی آ زادی اور اس کے حقوق کی بازیابی کی صدا بلند کی اور جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا ہے ان مطالبات ،حقوق و آ زادی میں مختلف الفکر لوگوں کی شمولیت کی بنا پر مختلف نظریات بھی سامنے آئے جن کا مطمح نظر عورت کا مختلف زاویہ حیات تھا کہ جس کا مجموعہ عورت کی آ زادی یا اس کے حقوق کا مطالبہ ہوتا ہے۔

رفتہ رفتہ انیسویں صدی میں اس آ واز نے بہت زور پکڑا اور مغرب سے مشرق تک اس کی گونج سنائی دینے لگی، بہت سی تحریکیں سامنے آ ئیں ،قانون ساز اسمبلیوں میں بل پیش کئے گئے ، بہت سے قوانین میں ترمیمات ہوئے اور اب انیسویں صدی کے اختتام تک تانیثیت اپنے عروج پر تھی۔

ا۔حریت پسند تانیثیت کے اہم نظریات:

ا۔عورت کی کمزوری اور محرومیت کی اصل وجہ عورت کو شہریت کا حق نہ ملنا ہے،
۲۔تعلیم کا مساوی حق نہ ملنا،
۳۔مردسالاری نظام میں غلط افہام وتفہیم۔
۴۔بچپن سے ہی سماجیانہ میں صنفی تربیت ہے۔
۵۔عورت فطری طور پر کمزور پیدا نہیں کی گئی ہے بلکہ سماجیانہ اس کو اس مقام پر لا کھڑا کرتا ہے۔
٦۔سماج کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔خصوصی اور عمومی،اور عورت کو چاہئے کہ عمومی میدان میں آئے۔
۷۔قوانین کی اصلاح ضروری ہے تا کہ خواتین کو مساوی حقوق مل سکیں۔
۸۔ادبیات میں عبارتیں تبدیل کی جائیں تا کہ مردسالاری کا تصور ختم ہو۔
۹۔خانوادہ کی فضا میں برابر کے مواقع فراہم ہوں۔

ا۔حریت پسند تانیثیت :

تانیثیت کی تاریخ میں سب سے پہلا نظریہ جو سامنے آیا وہ حریت پسند تانیثیت کا تھا۔اٹھارہویں صدی کے آواخر میں اٹھنے والی خواتین کی آزادی کی آواز تانیثیت کی پہلی کڑی مانی جاتی ہے جس کی تفصیلات ہم پہلے بیان کر آئے ہیں۔اور جب یہ آواز اٹھی تو اس وقت مرکوزیت عورت کی آزادی کو تھی کہ عورت کو مختلف سماجی ،معاشی اور سیاسی قیود سے آزاد کیا جائے۔

آزادی،دنیا کی ہر موجود بالخصوص انسانوں کا حق ہے اس لئے کہ خدا نے ہر ایک کو آزاد پیدا کیا ہے لہٰذا کسی کو بھی بلاسبب قید کرنا،اس کے حقوق سے محروم کرنا یا اس کے حق پر تجاوز کرنا عقلاً ایک اخلاقی اور سماجی جرم ہے،اور یہ جرم صدیوں سے عورتوں پر ہوتا چلا آیا ہے اور عورت اسے برداشت کرتی رہی ہے۔

دنیا میں ہمیشہ مرد اور عورتیں تعداد میں برابر تھے اور کبھی کبھی عورتیں مرد سے زیادہ ہی ہو جاتی ہیں لیکن پوری تاریخ میں عورت مرد کے تسلط میں رہی ہے اور عورت ہمیشہ ایک ایسے معاشرہ میں زندگی بسر کرتی رہی ہے جہاں اس کے حقوق پامال کئے جاتے رہے۔یونان وروم میں عورتوں کی ابتری کے قصے مشہور ہیں جہاں لوگ عورت کو شیطان کا مکمل مظہر اور نقصاندہ ارواح میں سے جانتے تھے اور اسے عقل کی گمراہی کا مظہر جانتے تھے۔اس لئے وہ اسے اذیتیں پہونچاتے تھے۔در حقیقت رومی عورت کو انسان شمار ہی نہیں کرتے تھے۔

عورت کے متعلق یہ نقطۂ نظر مغربی تمدن کی پوری تاریخ میں ''رسانس'' کے دور تک جاری تھا جسے مغربی تمدن کی بیداری کا دور کہا جاتا ہے اور یہی سلوک دوسرے معاشروں اور سماجوں میں عورتوں کے ساتھ رکھا جاتا تھا بلکہ بعض مقامات پر تو اس سے بدتر حالات تھے۔

علامہ طباطبائی ماضی بعید کے اقوام میں عورتوں کی حالت کو یوں بیان کرتے ہیں:

> ''اس سلسلہ میں جو چیز قوموں کے درمیان مشترک تھی وہ یہ تھی کہ ان قوموں کی نظر میں عورت کو کسی قسم کی آزادی اور حریت کا حق نہیں تھا،نہ ارادہ میں اور نہ عمل میں،بلکہ زندگی کے ہر شعبہ میں مرد کی ولایت وسرپرستی میں ہوا کرتی تھی۔وہ نہ کسی کام کو اپنی

مرضی سے انجام دے سکتی تھی اور اجتماعی مسائل میں سے کسی ایک
میں بھی مداخلت کرنے کا اختیار نہیں رکھتی تھی، نہ حکومت میں نہ
عدلیہ میں اور نہ کسی اور شعبے میں۔ اب ہم ذرا دیکھتے ہیں کہ کسی
قسم کا حق نہ رکھتے ہوئے اس کی کون سی ذمہ داریاں تھیں؟
اولاً وہ سب ذمہ داریاں جو مرد پر تھیں حتی کہ کام کاج کرنا، کھیتی
باڑی اور لکڑیاں توڑنا وغیرہ اور ثانیاً: ان کاموں کے علاوہ گھر کا
نظم و نسق چلانا اور بچے پالنا بھی اسی کے ذمہ تھا اور اس کے علاوہ
جو کچھ مرد کہے اس پر عمل کرنا بھی اس کے ذمہ تھا۔(۸)

اسلام کے ظہور اور عورتوں کے حقوق کے ابلاغ کے بعد عورت کی تحقیر کرنے اور اسے پست سمجھنے کی فضا بدل گئی اور مسلمانوں پر فرض بن گیا کہ عورت کو محترم سمجھیں اور اس کے حقوق کی رعایت کریں اور اگر ایسا نہیں کریں گے تو ان کا مواخذہ کیا جائے گا اور بعض مواقع پر ان کو سزا ملے گی۔

بہر حال مغربی تمدن کے قرن وسطیٰ حتی کہ ''رسانس'' کے دوران بھی عورت نامناسب حالات سے دوچار تھی اور اسے صرف عورت ہونے کے جرم میں گونا گون مظالم سے دوچار ہونا پڑتا تھا۔ غرض، ازدواج، تعلیم و تربیت، ووٹ دینے، اجتماعی فیصلوں اور بعض مواقع پر مالکیت کے حق سے بھی محروم ہوتی تھی۔ مغرب میں ترقی پسند دور میں ۱۷۸۹ء میں جب فرانس میں حقوق انسانی کی قرارداد کو منظور کیا گیا تو اس میں بھی عورتوں کے حقوق اور ان کے مردوں کے مساوی ہونے کا کوئی ذکر نہیں کیا گیا۔(۹)

ایسے ظالمانہ حالات میں جب عورت کے لئے حتی کہ اپنے دانشوروں کی نظروں میں بھی کوئی پناہ گاہ موجود نہ تھی تو قدرتی بات ہے کہ وہ اپنے چھینے گئے حقوق کو پھر سے حاصل کرنے کے درپے ہو، تا کہ اپنے فطری حقوق سے بہرمند ہو جائے۔

مغربی دنیا میں شدت سے تبدیلیاں پیدا ہونے کے ساتھ ساتھ عورتوں کی طرف سے اپنے حقوق کی بحالی اور ان کے دفاع کے لئے تحریکیں شروع ہوئیں اور یہ تحریکیں ''فمنیزم'' کے نام سے مشہور ہوئیں۔ ان تبدیلیوں کی داغ بیل مغربی فلسفہ کی بنیادوں پر ڈالی گئی کہ یہ ''ہیومنیزم'' یا انسان محوری کا ایک اصول ہے جو انسان کا مطالبہ ہے اور اسی اصول کو بنیاد قرار دیا گیا ہے ''سیکولرازم'' کے معنی اس دنیا سے متعلق بننا ہے اس طرح کہ دین و دنیا کے حدود کو جدا کر کے دین کو انسان کے مختلف شعبوں سے الگ کر کے انفرادی زندگی تک محدود کرنا ہے۔ فرد پرستی کے یہ معنی ہیں کہ انسان اپنے جسم کا مالک ہے اور خود اپنے بارے میں فیصلہ کرتا ہے۔

ان ہی فلسفیانہ بنیادوں پر عورتوں نے مردوں کے مساوی حقوق حاصل کرنے کے لئے کئی تحریکوں کا آغاز کیا اگر

چہ عورتیں آزادی اور برابری کا حق حاصل کرنے کے لئے جدو جہد کر رہی تھیں لیکن اس کے باوجود مختلف اعتقادات رکھتی تھیں۔حتی کہ بعض عورتوں کے گروہ ایک دوسرے کو قبول نہیں کرتے تھے اس طرح فمینزم کی تحریکیں مختلف گروہوں میں تقسیم ہوتی رہیں، جن میں سے ایک ''لیبرل فمینزم'' یعنی حریت پسند تانیثیت ہے۔

حریت پسند تانیثیت نظریہ کا نقطہ آغاز عورت کی آزادی کو مانا جاتا ہے جہاں اس نے سب سے پہلے عورت کی ازادی کی بات کی اور یہ مطالبہ کیا کہ عورت کو تمام قیود سے آزاد ہونا چاہئے چنانچہ:

☆ حریت پسند تانیثیت کا نظریہ ہے کہ:

''عورت کو سماج میں اسی طرح آزاد ہونا چاہئے جس طرح مرد آزاد ہے''

خواتین کی آزادی کی تحریکوں کے اثرات پوری دنیا پر مرتب ہوئے اور مغرب سے لے کر مشرق تک تبدیلیاں آئیں۔خاص طور پر عالم مغرب میں لیکن سوال یہ ہے کہ اس وقت مغرب کی عورت جس مقام پر کھڑی ہے کیا اسے انفرادی و اجتماعی آزادی کے بعد اس کی شان اور انسانی تکریم کو تحفظ ملا ہے؟ یا کیا آج کی مغربی عورت کو سکون ملا ہے یا یہ کہ وہ اب بھی اضطراب اور بے چینی کی حالت میں ہے۔

جس کا جواب یہ ہے کہ مغربی دنیا میں ایک طولانی تحریک کے بعد عورتوں کی آزادی کا نتیجہ: حق رائے، اسقاط حمل کا حق ، بلا وجہ طلاق حاصل کرنا ، مالی آزادی ،جنسی آزادی ، سیاسی ، اجتماعی اور اقتصادی امور میں وسیع پیمانے پر شرکت ، ازدواج کی عمر کا بڑھنا، مجرد زندگی (غیر شادی شدہ) بسر کرنے والوں کی اعداد وشمار کی افزائش، خاندان کے نظام کی نابودی، طلاق کی کثرت، عورت و مرد میں لڑائی جھگڑے کا پیدا ہونا، نسوانیت کا تباہی سے دوچار ہونا، عورتوں میں شناخت کا بحران، مردانگی کو کمزور کرنا، خصوصی اور عمومی (گھر اور باہر) حدود کو پاٹنا، ہم جنس بازی کا رواج، عورتوں میں مختلف قسم کی بیماریوں جیسے روحانی، جسمانی بیماریوں کو بڑھاوا ملنا، اسقاط حمل کے ذریعہ عورتوں کا سرمایہ داروں کے منافع کے لئے وسیلہ بننا، جنسی قوا کا نابود ہونا، اور جنسی روابط میں کمزوری پیدا ہونا وغیرہ ہے۔

یہ نتائج اس بات کی علامت ہیں کہ تانیثیت نے عورت کی ایک جہت کے رشد و بالیدگی پر توجہ کر کے اس کے وجود کے دوسرے زاویوں کو ضائع کر کے رکھ دیا ہے۔اس تحریک کے قبل و بعد کے حالات پر تحقیق کرنے کے بعد خود تانیثیت کے طرفداروں کے اعتقاد کے مطابق اور تانیثیت پر تنقید کرنے والوں کے مطابق اگر چہ عورتوں نے مذکورہ مسائل میں آزادی حاصل کی ہے لیکن وہ اپنی فطرت سے بیگانہ بن گئی ہیں اور یہ مسئلہ عورتوں کے لئے عدم شناخت اور آخر کار مغربی عورتوں کے لئے اضطراب کا باعث ہے۔

''ڈاکٹر ٹائی گرنٹ'' کا کہنا ہے کہ:

''آج معلوم ہوتا ہے کہ عورتیں صرف آزاد ہوئی

ہیں لیکن جذبات کے لحاظ سے محتاج تر ، بے امن و متزلزل تر اور

اپنی ماؤں اور دادیوں کی نسبت بے چارہ تر اور تنہا تر ہوگئی ہیں
(۱۰)''

اگرچہ آزادی زن کی تحریک سے عورت کو بہت سی آزادی نصیب ہوئی اور کافی حد تک حقوق اسے مل گئے اور اگر یہ کہا جائے کہ اسے وہ حقوق بھی مل گئے جو نہیں ملنے چاہیئے تھے تو غلط نہ ہوگا۔لیکن اس آزادی کے نتائج آج پوری دنیا کے سامنے ہیں۔عورتوں کی آزادی کے اسباب وعلل کی اگر تحلیل کی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ آزادی حقیقی آزادی نہیں بلکہ آزادی کے نام پر عورتوں کا استحصال ہے۔

ہم اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ زمانہ قدیم سے اب تک عورت ظلم وستم کا شکار رہی ہے اور گونا گون مصائب اس کا مقدر رہے۔لیکن جب ہم عورت کے اندر آزادی کے جذبے کی بیداری اور اس کے حقوق کے مطالبے کے احساس کی بیداری کی داستان سے آشنا ہوتے ہیں تو آج کی آزاد عورت کے حال پر رحم ہی آتا ہے۔چنانچہ بعض محققین کا ماننا ہے کہ عورت کی آزادی کی تحریک خود عورت کی طرف سے نہیں ہے بلکہ بعض مفاد پرستوں نے اپنے مقصد کو حاصل کرنے کے لئے عورت کی آزادی کا کھیل کھیلا اور اس سے بھرپور افائدہ اٹھایا۔چنانچہ''ابن افضل محمدی''''عورت کی آزادی'' کے زیر عنوان مقالہ میں عورت کی آزادی کی کہانی اس طرح تحریر کرتے ہیں کہ:

''جب ۱۷۶۰ء میں برطانیہ میں پہلا صنعتی انقلاب شروع ہوا اور وہ اپنے عروج پر پہنچا تو انھیں ایک بہت بڑی مشکل کا سامنا کرنا پڑا اور وہ تھی کام کرنے والے لوگوں کی کمی۔اب ان کے پاس مشینیں بھی بے حساب تھیں اور وسائل بھی مگر ان کو چلانے اور ان وسائل کو بروئے کار لانے کے لئے لوگ موجود نہ تھے۔وہ پہلے ہی اپنے تمام لوگوں کو استعمال کر چکے تھے۔یہ انقلاب پوری دنیا میں پھیل رہا تھا اور ان کے پاس اتنے ٹھیکے تھے کہ ان کو پورا کرنا ان کے لئے ناممکن ہوگیا تھا۔اپنی پیداوار کی طلب کو پورا کرنے کے لئے انھوں نے ایک فیصلہ کیا کہ یہ جو عورتیں گھروں میں بیٹھی ہیں ان کو باہر لایا جائے اور ان سے کام کروایا جائے۔

مگر عورتوں کو ان کے گھروں سے باہر لانا آسان کام تو نہ تھا کیونکہ یہ لوگ دنیا کا نظام بدلنے چلے تھے اور تقریباً تمام مذاہب بھی اس بات سے سخت اختلاف رکھتے تھے کہ (عورتیں باہر نکلیں) تو ان کے لئے یہ ممکن نہ تھا کہ وہ براہ راست یہ بات لوگوں کو کہیں کہ وہ اپنی عورتوں کو کام کرنے کے لئے گھر سے باہر نکالیں۔ بلکہ یہ بات تو ان کو ان کے اس عمل پر اور مضبوط بھی کر دیتی اور وہ کبھی اپنی عورتوں کو گھروں سے نکلنے نہ دیتے۔تو انھوں نے ایک تدبیر اختیار کی کہ ہم عورتوں کو ان کی اپنی زبان میں سمجھائیں گے،عورت کی جذباتی فطرت سے فائدہ اٹھائیں گے اور ان کے حقوق کے نام پر اپنے مذموم مقاصد کو پورا کریں گے اور پھر ایسا ہی ہوا۔

سب سے پہلے انھوں نے ایک عورت کو اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ عورتوں کی آزادی پر ایک کتاب لکھے اس عورت کا نام''میری وولسٹن کرافٹ'' تھا اس نے ۱۷۹۲ء میں جو کتاب لکھی اس کا نام''عورتوں کے حقوق کی حمایت'' تھا۔ "A

"vindication of the rights of women"اس کتاب میں اس خاتون نے عورت کے گھر پر بیٹھنے کو ان کے لئے قید کا نام دیا اور یہ نظریہ بھی پیش کیا کہ عورت و مرد بالکل برابر ہیں۔عورت کو مردوں کے شانہ بشانہ کام کرنے کی آزادی ہو، وہ اپنے پیسے خود کما سکے اور بہت کچھ۔خلاصہ کلام یہ کہ یہ خاتون مجوزہ فرقہ ''تحریک نسواں'' کی بانی ہیں۔

اس کی اس کتاب کو عالمی سطح پر بڑی پزیرائی حاصل ہوئی اور اس سے معاشرہ بہت متاثر ہوا۔عورتوں نے گھروں سے باہر نکلنا شروع کر دیا، اس کتاب کا بہت پرچار کیا گیا جس کے نتیجے میں عورتوں کی بہت بڑی تعداد عورتوں کے حقوق کے نام پر گھروں سے نوکرانی بن کر باہر نکلنے لگیں۔جس سے صنعت کاروں نے بہت فائدہ اٹھایا اور اپنے اس خلا کو پر کیا جو لوگوں کی کمی کی وجہ سے پیدا ہو گیا تھا۔کیونکہ عورتوں نے کبھی نوکری نہیں کی تھی لہٰذا ان کو کم تنخواہوں پر نوکریوں پر رکھا گیا جو ان کو بہت زیادہ لگتی تھیں اور ان سے بے حساب کام لیا گیا۔اس طرح عورت آزاد ہو گئی۔(۱۱)

اور پھر عورتوں کے لئے راستے کھلتے چلے گئے اور آج وہ اس قدر آزاد ہے کہ اس کی بازار میں کوئی قیمت نہیں رہ گئی ہے اور نہ ہی کوئی حیثیت۔دس روپئے کے صابن کے لئے وہ اپنے جسم کی نمائش کرتی پھر رہی ہے تو ۲/روپئے کے قلم کے لئے اپنا سب کچھ دکھا رہی ہے اور آزادی کے نام پر اس نے سب کچھ جائز کر لیا ہے۔آج فلموں میں، اشتہارات میں گلیوں میں، باروں میں، سیاسی جلسوں اور سماجی تفریحی میدانوں میں، عورت کی غیر اخلاقی حاضری نے شاید عورت کو یہ باور کرا دیا ہے کہ وہ آزاد ہے۔لیکن اس کو ابھی تک یہ احساس نہیں ہو سکا ہے کہ اس آزادی میں اس کا فائدہ کم، سرمایہ داروں، عیاشوں اور استحصال کرنے والوں کا فائدہ زیادہ ہے۔

ناول ''تاثرات'' کے مصنف نے کیا اچھی بات لکھی اور مردوں سے مطالبہ کر ڈالا کہ:

تم آخر چاہتے کیا ہو؟
نامحرم عورتوں سے تعلق کے طریقے سکھاتے ہو۔
مخلوط ڈانس پر مبنی فلمیں اور اشتہارات چلا کر دونوں طرف جنسی آگ بھڑکاتے ہو، کبھی عورت یک مشت بکا کرتی تھی اب تم نے اسے قسطوں میں بیچنے کا ہنر سیکھ لیا ہے، مسکراہٹ الگ، ادائیں علیحدہ، آواز الگ اور جسم کو الگ نیلام کر کے پیسے کماتے ہو پھر گلا پھاڑ پھاڑ کر عورت اور عورت کے تحفظ و تقدس کی دہائیاں دیتے ہو۔
اور پھر انھیں اقدار کا حوالہ دے دے کر عورت کے تقدس کے علمدار بھی بنتے ہو تم کرنا کیا چاہتے ہو---عورت کا تحفظ---یا اس کی دلالی۔(۱۲)

اس طرح عورت آزاد ہوگئی اور اس نے کافی حد تک اپنی آزادی کا فائدہ خود بھی اٹھایا اور جن لوگوں نے اپنے فائدہ کے لئے اس آزادی کا نعرہ لگایا تھا وہ بھی اپنے مقصد میں کافی حد تک کامیاب رہے لیکن اس سلسلہ میں اسلام کا نظریہ مختلف ہے۔ اگرچہ اسلام اصل آزادی کے خلاف نہیں ہے اور اس نے عورت کو تمام سماجی، سیاسی، معاشی اور حقوقی معاملات میں آزاد رکھا ہے لیکن کچھ ایسے حدود و قیود کے ساتھ جس سے عورت کی عزت، عفت اور وقار محفوظ رہے۔

اسلام میں عورت کی آزادی:

اگرچہ اصل اسلام حضرت آدم علیہ السلام کے زمانہ سے ہے یعنی اصول دین اسلام، آدم سے خاتم تک اور خاتم سے قیامت تک قابل تبدیلی و تغیر نہیں ہیں۔ لیکن اس کے فروعات میں زمان و مکان کے لحاظ سے مختلف انبیاء کے دور میں تبدیلیاں آتی رہی ہیں اور شریعتوں کے احکام میں تبدیلیاں ہوتی رہی ہیں یہاں تک کہ ہمارے آخری نبی کے زمانہ تک احکام شریعت اس طرح مکمل ہو گئے کہ اب اس کے احکام ثوابت میں تبدیلی کی گنجائش ختم ہوگئی۔ چنانچہ باری تعالیٰ قرآن مجید میں خود اعلان کر رہا ہے کہ:

''آج میں نے دین کو کامل کر دیا اور اپنی نعمتوں کو تم پر تمام کر دیا'' (۱۳)

اس طرح ہمارے نبی کی شریعت وہ آخری شریعت ہے جو کامل ہے اور ہر زمانہ کے لئے مطابقت کے قابل ہے اسلامی فمینسٹوں کے نظریات کے برخلاف جو اس میں تبدیلی کے خواہاں ہیں جیسا کہ ہم نے پہلے ذکر کیا۔

اسلام کے ظہور کے زمانہ میں عورت کی حیثیت پورے عالم میں جو تھی اس سے دنیا بخوبی واقف ہے اور تمام مذاہب و اقوام عالم میں اس کی ابتری سے سب آگاہ ہیں۔ اور حق تو یہ ہے کہ اس زمانہ آخر میں عورت کی آزادی کے لئے جو آوازیں اٹھائی گئیں اور ان کے جن حقوق کا مطالبہ کیا گیا ان سے کہیں بہتر طریقہ سے صدیوں پہلے اسلام نے وہ آزادی اور حقوق عورت کو عطا کر دئے تھے اور اگر آج کے سماج کو اپنے مقاصد کے حصول کی غرض نہ ہوتی اور وہ خلوص سے عورت کی حیثیت، آزادی اور حقوق کے طالب ہوتے تو اس کے لئے اسلام بہترین راہ حل تھا۔ لیکن جب اپنا الو سیدھا کرنا ہو تو صحیح راہ حل کی کس کو تلاش ہوتی ہے؟ چنانچہ نتیجہ وہی ہوا جو آپ نے پہلے ملاحظہ فرمایا۔ لیکن اسلام نے عورت کو جو آزادی اور حقوق دیئے ہیں وہ عورت کے لئے ایک مکمل طرز حیات ہے۔

اس زمانہ میں مخالف شریعت آداب کے سماج پر غلبہ کی وجہ سے عورتوں پر مظالم اور زیادہ ہو رہے ہیں۔ لیکن جیسا کہ اسلام مخالف طاقتوں نے اس کی ذمہ داری شریعت پر تھوپ رکھی ہے ویسا نہیں ہے بلکہ شریعت ان تمام چیزوں سے یکسر بری الذمہ ہے۔ اسلام عورت کو ہر طرح کی قدرت سے آزاد تصور کرتا ہے چاہے وہ قدرت سیاسی ہو، خانوادگی ہو علمی ہو یا اور کوئی۔

چنانچہ ولی اور سرپرست کی قدرت سے عورت کی آزادی کے سلسلہ میں پیغمبر اسلام نے فرمایا:

''شادی کے وقت عورتوں سے اجازت لو، لوگوں نے کہا: لڑکی اظہار نظر میں شرم کرتی ہے تو آپ نے فرمایا: کہ

وہی اس کی خاموشی ہی اس کی اجازت ہے“ (۱۴)

حضور کا یہ فرمانا، ولی اور سرپرست کو ایک قسم کا حکم ہے کہ شادی کے وقت لڑکیوں سے پوچھو اور زبردستی نہ کرو اس کا عملی نمونہ ہمیں وہاں نظر آتا ہے جب ایک لڑکی حضور کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کی: میرے والد نے مجھے اپنے بھائی کے لڑکے سے بیاہ دیا ہے حالانکہ اس نے مجھ سے اس سلسلہ میں کوئی رائے نہیں لی۔ اور میں اس لڑکے کو پسند نہیں کرتی۔ آپ نے اس لڑکی کے باپ کو بلوایا اور شوہر کے انتخاب کو لڑکی پر ڈال دیا۔ اس لڑکی نے کہا: اے رسول خدا یہ اختیار میں اپنے باپ کو دیتی ہوں (کہ وہ میرے لئے شوہر انتخاب کریں) لیکن میں چاہتی ہوں کہ عورتیں یہ جان لیں کہ باپوں کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ اپنی بیٹیوں کو اس سے بیاہ دیں جس کو وہ پسند نہیں کرتیں۔ (۱۵)

اس طرح اور بہت سی روایات ہیں جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عورتیں اظہار نظر میں آزاد تھیں حتی کہ خود آنحضرت سے بحث کرلیا کرتی تھیں۔ یہ اس وقت اور اس ماحول کی بات ہے کہ جب عورتوں کو حتی کہ اپنے شوہروں کا جواب دینے کی بھی اجازت نہ تھی۔ چنانچہ حضرت عمر سے روایت ہے کہ ایک روز میں اپنی زوجہ پر ناراض ہوا تو اس نے میری بات کا جواب دیا اور مجھ سے بحث کرنے لگی، میں عربوں کی دور جاہلیت کی رسم کے مطابق کہ جہاں عورتوں کو بحث ومناقشہ کی اجازت نہیں تھی ناراض ہوگیا۔ میری زوجہ نے کہا برا کیوں مان رہے ہو خدا کی قسم رسول خدا کی ازواج بھی آپ سے بحث کرلیتی ہیں اور کبھی کبھی آپ کی بات کاٹ بھی دیتی ہیں۔ اور کبھی کبھی تو ان میں سے کوئی صبح سے شام تک آپ سے بات بھی نہیں کرتیں۔ حضرت عمر کہتے ہیں: میں اپنی بیٹی حفصہ کے پاس گیا اور اس سے پوچھا کہ کیا تم رسول خدا کی بات کو رد کردیتی ہو؟ ان سے بحث کرتی ہو؟ حفصہ نے کہا: ہاں حضرت عمر نے کہا: کیا کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ صبح سے شام تک تمہاری رسول خدا سے بات بندرہتی ہے؟ انھوں نے کہا: ہاں۔ (۱۶)

اس طرح اسلام نے عورت کو صدیوں پہلے وہ حق دے رکھا تھا جس کے لئے آج تحریکیں چلائی جارہی ہیں۔

اس کے علاوہ حق مالکیت، حق رائے دہی، شہری حقوق، اولاد کی تربیت کا حق وغیرہ اسلام نے عورت کو دے رکھا ہے اور اس میں عورت پر کسی کو مسلط نہیں کیا ہے جس کی تفصیلات ہم بعد میں ذکر کریں گے۔

رہی بات جنسی آزادی کی تو اس کی ہم اسی باب میں تفصیل سے گفتگو کریں گے لیکن اس موقع پر اتنا کہہ دینا ضروری ہے کہ اسلام نے مرد وعورت کے لئے جنسی مسائل میں کچھ اخلاقی وشرعی قوانین بنائے ہیں اس طرح کہ جنسی خواہش کو پورا کرنے کے لئے شادی کا نظام رکھا ہے اور اس کے علاوہ کسی طرح سے بھی جنسی خواہش کو تسکین دینے کو حرام قرار دیا ہے۔ اس لئے کہ جنسی آزادی ممکن ہے ایک فرد کی مشکل کو حل کردے لیکن خود اس کے لئے اور سماج کے لئے دوسرے اعتبارات سے سخت ترین مشکل پیدا کرتی ہے۔ (۱۷)

ہم آگے چل کر دیگر تانیثی نظریات کے مفہوم آزادی کی تحلیل کریں گے اور اس کے نتائج پر تفصیل سے روشنی ڈالیں گے اس مقام پر اتنا کہنا کافی ہے کہ حریت پسند تانیثیت عورت کی جس آزادی کا مطالبہ کرتی ہے اسلام نے اس کو چودہ

صدی پہلے عطا کر دیا ہے اس طرح ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ عورت کی آزادی کی علم برداری اسلام کو حاصل ہے کہ جب اس نے ایسے زمانہ میں جب عورت دبی، کچلی اور پست شمار کی جاتی تھی عورت کو حیوانی سطح سے انسانی سطح پر بلند کیا اور اس کو مرد کی طرح ایک انسان قرار دیتے ہوئے وہ تمام حقوق عطا کئے جو ایک مرد کو حاصل تھے۔ اور ان تمام قیود سے آزاد کیا جس کا مطالبہ آج کے حریت پسند تانیثیت کے حامی کرتے ہیں۔

☆ حریت پسند تانیثیت کا نظریہ ہے کہ:

"عورت و مرد کے درمیان مساوات ہونی چاہئے اور دونوں کو برابر کے حقوق ملنا چاہئے"

مساوات:

حریت پسند تانیثیت کا دوسرا مطالبہ عورت و مرد کے درمیان مساوات کا ہے وہ زندگی کے ہر شعبہ میں مرد وعورت کے درمیان مساوات کے طالب ہیں یہی وجہ ہے کہ انھوں نے حقوق مرد وزن میں مشابہت کا مطالبہ کیا اور اسی وجہ سے بیسویں صدی میں روابط اجتماعی میں بنیادی تغیرات کی کوششیں کیں۔ دور حاضر کے لیبرل فمینسٹوں کی ایک آرزو یہ بھی ہے کہ ایک ایسا سماج تشکیل دیا جائے جس میں کوئی چیز کسی خاص صنف سے مخصوص نہ ہو اور تمام اجتماعی مواقع عورت و مرد کے لئے برابر سے فراہم ہوں۔ نتیجۂ سنتی نظام خانوادہ (جس میں عورت کا بیوی اور ماں کا کردار ہوتا ہے) کی مخالفت ہوتی ہے۔(۱۸)

مساوات کے معنی:

ہم دیکھیں گے کہ مساوات کے کیا معنی ہیں؟ لغوی اور اصطلاحی اعتبار سے اور یہاں کون سے معنی مقصود ہیں؟ مساوات کے لغوی معنی برابری کے ہیں (فرہنگ معین) اگر چہ تمام لغات میں مساوات کے معنی برابری کے ہیں لیکن سوال یہ ہیکہ کیا حریت پسندوں کا مقصد مساوات سے وہی برابری ہے جو عام طور سے مفہوم ہے یا اس سے ہٹ کر کچھ اور ہے؟ جیسے کہ عدالت، اس لئے کہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ عدالت و مساوات میں اشتباہ ہو جاتا ہے اور عدالت کے مقصود کو مساوات کے الفاظ سے ادا کیا جاتا ہے۔ جب ہم اس نظریہ کی تحلیل کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ عدالت کے نہیں بلکہ مساوات کے طالب ہیں جب کہ یہ ایک غیر ممکن امر ہے۔

عدالت کے ایک معنی یہ ہیں کہ "کسی چیز کو اس کے اپنے مقام پر رکھنا" عدالت کے یہ معنی تمام عالم تخلیق میں کارفرما ہیں، نظام شمسی، ایٹم، انسان کے وجود کی ساخت اور تمام نباتات وحیوانات پر حکمران ہے۔ یہی وہ عدالت ہے جس کے سلسلہ میں رسول اکرم: فرماتے ہیں کہ:

"**بالعدل قامت السموات و الارض**" کہ عدل کے ذریعہ آسمان وزمین قائم ہے" (۱۹)

مثلاً اگر زمین کی قوت جاذبہ ودافعہ اپنے تعادل کو کھودے تو نظام درہم برہم ہو جائے گا۔

اورعدل کے دوسرے معنی ''افراد کے حقوق کی رعایت کے ہیں'' کہ جس کے مقابلہ میں ظلم ہے یعنی دوسرے کے حق کو چھین لینا، یا کسی کے حق کو لے کر کسی اور کو دے دینا یا امتیاز (عدم مساوات) کا قائل ہونا۔ یعنی بعض کو حق دینا اور بعض کو نہ دینا۔

واضح ہے کہ پہلے معنی عام اور درسرے معنی خاص ہیں'' خداوند عالم کے عادل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ نہ کسی کے حق کو تباہ کرتا ہے اور نہ کسی کے حق کو کسی درسرے کو دیتا ہے اور نہ ہی افراد کے درمیان امتیاز کا برتاؤ کرتا ہے وہ عادل تمام معنی ہے۔

ایک اہم نکتہ جس کی طرف اشارہ کرنا ضروری ہے وہ یہ ہے کہ کبھی کبھی عدالت اور مساوات میں اشتباہ ہوتا ہے اور خیال یہ کیا جاتا ہے کہ عدالت کے معنی یہ ہیں کہ مساوات سے کام لیا جائے حالانکہ ایسا ہرگز نہیں ہے۔

عدالت میں مساوات کی کوئی شرط نہیں ہے بلکہ استحقاق اور اولویت کو مدنظر رکھنا چاہئے ، مثلاً ایک کلاس میں عدالت کا مطلب یہ نہیں ہے کہ سب کو برابر سے نمبر دئے جائیں بلکہ عدالت کا مطلب یہ ہے کہ ہر طالب علم کو اس کی صلاحیت اور علم ولیاقت کے اعتبار سے نمبر دئے جائیں اور عالم تخلیق میں یہی عدالت کار فرماں ہے کہ اگر ایک شارک مچھلی جس کا وزن ایک ٹن ہوتا ہے، اس کا دل ایک چھوٹی چڑیا کہ جس کا وزن ۱۰۰/ گرام ہوتا ہے کے دل کے برابر ہوتو یہ عدالت نہیں ہے بلکہ عین ظلم ہے، بلکہ عدالت یہ ہے کہ ہر موجود اپنی صلاحیت ولیاقت کے اعتبار سے اپنا حصہ لے۔(۲۰)

اس وضاحت کے بعد لیبرال فمینسٹوں سے بلکہ تمام فمنسٹوں سے جو مرد وزن میں مساوات کے طالب ہیں سوال یہ ہے کہ ان کا مطلب مساوات سے کیا ہے؟

۱- کیا وہ چاہتے ہیں کہ عورتوں کو بھی مردوں کی طرح وہی بھاری بھرکم کام سپرد کیا جائے جو ان کی جسمانی ساخت کے مناسب نہیں ہے؟

۲- کیا عورتیں وہی کام کریں جو مرد کرتے ہیں؟

۳- کیا عورتیں ویسا ہی لباس پہنیں جیسا مرد پہنتے ہیں؟

۴- کیا عورتیں مردوں کے برابر ہوسکتی ہیں؟ جب کہ ان کی جسمانی ساخت وساز میں آپس میں فرق ہے؟

یہ بات نئی دنیا کے سامنے مسلم ہو چکی ہے کہ عورت کی جسمانی ساخت اور مرد کی جسمانی ساخت میں فرق ہے یہی نہیں بلکہ احساسات وجذبات بھی فطری طور پر فرق کرتے ہیں۔ جب فرق ہے تو صلاحیتیوں اور استعدادوں میں بھی فرق ہوں گا۔ پھر ان حالات میں مساوات کا مطالبہ عبث ہے۔

عورت ومرد کے اندر فرق ہے، یہ بات مسلم ہے لیکن بعض لوگ اس فرق کا غلط مطلب نکالتے ہیں چنانچہ شہید مطہری لکھتے ہیں کہ:

''بعض حضرات اس بات پر اصرار کرتے ہیں کہ جسمانی اور نفسیاتی صلاحیتوں کے لحاظ سے عورت ومرد کا فرق

عورت کے ناقص اور مرد کے کامل ہونے کی دلیل ہے۔اس کا اظہار یوں کرتے ہیں کہ قانون خلقت نے مصلحت کی بنیاد پر عورت کو ناقص پیدا کیا۔عورت کے ناقص الخلقت ہونے کی بات ہم مشرق کے رہنے والوں سے پہلے اہل مغرب میں چل چکی ہے وہاں مذہب وکلیسا کہتے ہیں:

’عورت کو عورت ہونے پر شرمندہ ہونا چاہیئے۔کبھی کہا جاتا ہے
کہ عورت وہ مخلوق ہے جس کی زلفیں بڑی اور عقلیں چھوٹی ہوتی
ہیں۔عورت آخری وحشی ہے جسے مرد نے رام کیا ہے‘‘

اس سے زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ آخری دور میں کچھ یورپ والے ایک سو اسی درجے کی گردش کے ذریعہ یہ بات ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ ایک ہزار ایک دلیلوں سے مرد کو مخلوق ناقص و پست وزبوں اور عورت کو مخلوق کل وکامل وبرتر ثابت کردکھائیں۔

مرد وعورت کا فرق تناسب ہے نہ نقص وکمال۔قانون خلقت چاہتا تھا کہ ان ختلافات سے عورت ومرد میں زیادہ مناسبت رہے۔کیونکہ دونوں بہر حال مشترک زندگی گزاریں گے۔الگ الگ زندگی گزارنا تو قانون خلقت سے انحراف ہے۔مرد وعورت میں جسمانی ،نفسانی اور احساسات کے اعتبار سے فرق ہے۔چنانچہ عورت و مرد کی دنیا اکثر مقامات میں الگ الگ ہے اور یہ فرق ایسے ہیں کہ جن کو ہر شخص تھوڑے سے مطالعہ اور تجربے سے دریافت کرسکتا ہے اور کچھ تو ایسے ہیں کہ جن کا انکار بھی ممکن نہیں ہے۔

مرد عام طور پر بھاری اور گٹھے بدن کا اور عورت چھوٹی اور زیادہ نازک اندام ہوتی ہے،مرد کا قد لمبا اور عورت کا قد چھوٹا ہوتا ہے،مرد میں کرختگی اور عورت کے جسم میں نرمی ولطافت ،مرد کی آواز موٹی اور بھاری اور عورت کی آواز نازک و دلکش ہوتی ہے،عورت کا بدن جلدی بڑھتا ہے،مرد کی جسمانی نش ونما سست ہوتی ہے،یہاں تک کہ کہا گیا ہے کہ شکم مادر میں لڑکی ،لڑکے سے زیادہ جلدی بڑھتی ہے،مرد کے رگ ،پٹھے اور جسمانی قوت عورت سے زیادہ ہوتی ہے،عورت میں بیماری سے مقابلہ کرنے کی قوت مرد سے زیادہ ہوتی ہے،عورت مرد سے پہلے بالغ ہوتی ہے،اس میں مرد سے پہلے تولید کی قوت آجاتی ہے اور پہلے ختم ہوجاتی ہے،مرد کے یہاں اس کے برعکس ہے،لڑکی ،لڑکے سے پہلے بولتی ہے،عورت کے متوسط مغز سے مرد کا متوسط مغز بڑا ہوتا ہے،مرد کے پھیپھڑے عورت کے پھیپھڑوں سے زیادہ ہوا کھینچتے ہیں،عورت کے دل کی دھڑکن مرد کے دل کی دھڑکن سے زیادہ تیز ہوتی ہے۔

مرد ورزش ،شکار اور دوڑ دھوپ کے کام سے عورت کی بنسبت زیادہ دلچسپی رکھتا ہے،مرد کے احساسات رزم ،مقابلہ وجنگجوئی ،عورت کے رجحانات بزم ،دوستی وصلح پسندی چاہتے ہیں،مرد حد سے آگے بڑھنے اور ہنگامہ آرائی پسند ،عورت پرسکون اور خاموش جذبات رکھتی ہے،عورت اپنے لئے اور غیروں کے لئے سخت رویے سے بچتی ہے اسی وجہ سے عورتوں کی خودکشی مردوں سے کم ہے،مرد خودکشی کے معاملے میں بھی عورت سے زیادہ سخت ہے۔

عورت کے نفسیات اور حساسات مرد کے مقابلہ میں زیادہ مشتعل ہو جاتے ہیں، عورت مرد سے جلدی جوش میں آ جاتی ہے یعنی عورت جن معاملات میں اسے خاص لگاؤ یا خطرہ ہو اس میں جلدی سے اپنے احساسات میں بہہ جاتی ہے، اور عورت کی بنسبت مرد زیادہ سرد مزاج ہے۔

عورت فطرتاً زیور و آرائش، جمال و زیبائش چاہتی ہے، اسے رنگا رنگ فیشن درکار ہیں اور مرد اس کے برخلاف ہے، مرد کے مقابلہ میں عورت کے احساسات زیادہ ناپائیدار ہیں، عورت، مرد سے زیادہ احتیاط طلب، زیادہ مذہبی، زیادہ باتونی، زیادہ ڈرپوک اور زیادہ تکلف پسند ہے، عورت نفسیاتی طور پر مادرانہ جذبات رکھتی ہے، یہ نفسیات اس میں فطری ہیں، اسے مرد کی بنسبت خاندان اور گھر سے زیادہ تعلق ہوتا ہے، عورت دلیل و استدلال اور خشک عقلی بحثوں میں مرد کے برابر نہیں ہے۔ ہاں ادب، نقاشی اور ذوق و نفسیات سے نازک تعلق رکھنے والوں میں مرد سے کم نہیں ہے، مرد راز کو چھپانے اور تکلیف دہ معاملات کو اپنے اندر محفوظ رکھنے کی زیادہ قوت رکھتا ہے اور اس دلیل راز داری کی بدولت پیدا ہونے والی، آزمائشیں مرد کو زیادہ جھیلنی پڑتی ہیں برخلاف عورتوں کے، خواتین مردوں سے زیادہ رحم دل ہیں فوراً انھیں رونا آتا ہے اور کبھی کبھی تو غش بھی کھا جاتی ہیں۔

مرد اپنی خواہشات کا غلام ہے، عورت محبت کی اسیر، مرد جس عورت سے محبت کرتا ہے اسے چنتا ہے اور پسند کرتا ہے، عورت اس سے محبت کرتی ہے جس کی قدر و قیمت جانتی ہے ہو اور جس نے اس سے محبت کا اظہار کر دیا ہو، مرد کی خواہش کہ عورت کے ساتھ رہے اور عورت بھی اس کا ساتھ دے اسے اختیار دے، عورت مرد کا دل موہنے والی اور دل کی راہ سے اس پر چھا جانے کی فکر میں رہتی ہے، مرد، عورت کے سر پر سوار ہونا چاہتا ہے، عورت مرد کے دل میں سما جانا چاہتی ہے، مرد عورت کو پکڑنا چاہتا ہے، عورت بھی مرد کو جذب کرنا چاہتی ہے، عورت، مرد میں دلیری و بہادری اور مرد، عورت میں دلربائی اور زیبائش دیکھنے کا خواہش مند ہوتا ہے، عورت کے نزدیک سب سے بڑی چیز یہ ہے کہ مرد اس کی حمایت کرے، عورت، مرد سے زیادہ خواہشات پر قابو رکھتی ہے، مرد کی خواہش حملہ آوار اور پہل کرنے والی ہے، عورت کی خواہش میں انفعال و تحریک ہے۔

پروفیسر ریگ نے عورت و مرد کے تقابلی مطالعہ میں جو اختلافات قلم بند کئے ہیں ان سے کچھ یہ ہیں:

(۱) مرد اپنی چاہنے والی عورت کے ساتھ ہمیشہ رہنے کے خیال سے اکتاہٹ محسوس کرتا ہے۔ لیکن عورت کے لئے اس سے بہتر کوئی لذت نہیں کہ وہ ہمیشہ ایک چاہنے والے مرد کے پہلو میں رہے۔

(۲) مرد کا دل چاہتا ہے کہ ہمیشہ ایک حالت میں رہے۔ عورت کی خواہش رہتی ہے کہ ہر آن نئی نویلی ہو، ہر صبح بستر سے نئے حلیے میں اٹھے۔

(۳) بہترین جملہ جو ایک مرد کسی عورت سے کہہ سکتا ہے وہ عام محاورہ میں ''پیاری میں تمھیں چاہتا ہوں''، خوبصورت ترین جملہ جو عورت اپنے چاہنے والے سے کہہ سکتی ہے وہ ہے۔ ''مجھے تم پر ناز ہے''

(۴) اگر کوئی شخص زندگی میں کئی محبوب عورتوں کے ساتھ رہ چکا ہو تو دوسری عورتوں کی نظر میں وہ جاذب توجہ ہوتا ہے، مرد کو وہ عورت بری معلوم ہوتی ہے جو کئی مردوں کے ساتھ زندگی گذار چکی ہو۔

(۵) مرد کو بڑھاپے میں بدبختی کا احساس ہوتا ہے کیونکہ اپنے روز آنہ کے مشغلہ یعنی کام سے سبک دوش ہو جاتا ہے مگر عورت بڑھاپے سے خوش ہوتی ہے کہ بہترین چیزیں اس کے سامنے ہوتی ہیں۔ گھر اور چند پوتے نواسے۔

(٦) مرد کی نظر میں خوش نصیبی یعنی معاشرے میں ایک شخصیت اور مقام حاصل کرنا اور عورت کے نزدیک خوش نصیبی یعنی ایک آدمی کے دل پر قابو اور اسے زندگی بھر کے لئے اپنا بنا لینا۔

(۷) مرد ہمیشہ یہ چاہتا ہے کہ محبوب عورت کو اپنے مذہب وقوم میں داخل کرے۔ عورت کے لئے شادی کے بعد خاندانی نام، دین وملت اپنے محبوب مرد کی خاطر بدل لینا آسان کام ہے۔ (۲۱)

اور اب ایک بار پھر میں سوال کرتا ہوں کہ مرد وعورت کے درمیان یہ فرق واختلافات، خاندانی ذمہ داریوں اور حقوق میں فرق پیدا کرتے ہیں یا نہیں؟ یہ حقیقت ہے کہ مرد کی جسمانی قوت کے لحاظ سے جو کام مرد کو دیا جا سکتا ہے وہ عورت کو نہیں دیا جا سکتا۔ نتیجہ میں جو مزدوری مرد کو دی جاتی ہے وہ عورت کو نہیں دی جا سکتی--؟ لہذا اس مساوات کا مطالبہ کرنا جو عدالت کے برخلاف ہو غیر فطری وغیر عقلی ہے۔

ہم جب دین اسلام کا مطالعہ کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اسلام نے مرد وعورت میں کسی قسم کا امتیاز نہیں رکھا ہے اور تمام حقوق میں مرد وعورت کو مساوی حق دیا ہے۔ تمام حقوق میں سے پہلا حق۔ حق حیات ہے۔ یعنی جینے کا حق۔ چنانچہ جس طرح ایک مرد کو اس دنیا میں زندگی گزارنے کا حق ہے اور اس کی زندگی چھیننے کا کسی کو حق نہیں ہے اسی طرح ایک عور کو بھی اپنی زندگی جینے کا حق ہے اور اس کی زندگی چھیننے کا کسی کو حق نہیں ہے اسی لئے خداوند عالم نے قتل کے سلسلہ میں لفظ نفس کا استعمال کیا ہے اور عورت بھی ایک نفس ہے۔ ارشاد ہوتا ہے: ''جس نے کسی ایک نفس کو قتل کیا گویا اس نے تمام انسانوں کا قتل کیا اور جس نے کسی ایک نفس کو زندگی دی گویا اس نے تمام انسانوں کو زندگی دی'' (۲۲)

یہاں قرآن کریم نے عورت ومرد کی تخصیص نہیں کی ہے گویا زندگی کا حق مرد وعورت کو برابر سے ہے اور دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے کہ دونوں نفس ہیں۔

انسانوں کے درمیان قرآن کریم جس مساوات کا قائل ہے اس کے دو قسمیں ہیں۔ ایک اصل انسانیت میں مساوات اور دوسرے حقوق وقوانین کی اجرائی اور احکام میں مساوات۔ جس کو ثابت کرنے کے لئے درج ذیل آیات کی طرف اشارہ کیا جا سکتا ہے۔

۱- سورہ حجرات۔ آیت ۱۳/ ''اے لوگو! ہم نے تم کو مرد وزن سے خلق کیا اور پھر تم میں شاخیں اور قبیلے قرار دئے تا کہ آپس میں ایک دوسرے کو پہچان سکو، بیشک تم میں سے خدا کے نزدیک زیادہ محترم وہی ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے''

۲- سورہ نساء۔ آیت ۵۸/ ''بیشک اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتوں کو ان کے اہل تک پہنچا دو اور جب کوئی فیصلہ کرو تو

انصاف کے ساتھ کرو‘‘

۳-سورہ شوریٰ۔آیت ۱۵/ ’’ہم تمہارے درمیان عدالت کے ساتھ حکم دینے کے لئے بھیجے گئے ہیں‘‘
بیان ہوا ہے کہ اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ میں عدل کے لئے بھیجا گیا ہوں یعنی سب کو ایک نگاہ سے دیکھوں ۔طاقتور کو کمزور پر، مالدار کو غریب پر، بڑے کو چھوٹے پر مقدم نہ کروں (فوقیت نہ دوں)، سفید کو سیاہ پر، عرب کو عجم پر، ہاشمی یا قرشی کو دوسروں پر برتری نہ دوں۔(۲۳)

ہم نے دیکھا کہ اسلام نے کس طرح سے عدالت اور مرد وعورت میں مساوات کی فکر کو حاکم رکھا ہے۔اور حق تو یہ ہے کہ قرآن کریم کا مطالعہ کرنے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ خداوند عالم نے کسی موقع پر مرد وعورت میں کسی امتیاز کی بات نہیں کی ہے۔اگر چہ آج کے دور جدید کے فمینسٹوں کی نظر میں بعض اسلامی احکام میں جانبداری نظر آتی ہے جس کی تفصیل ہم اسلامی تانیثیت کے باب میں ذکر کر آئے ہیں لیکن ان جانبداریوں کی حقیقت اس وقت سامنے آجاتی ہے جب ہم مرد وعورت کے درمیان تخلیقی، جذباتی، نفسیاتی، احساساتی فرق کا مطالعہ کرتے ہیں۔اور تب سمجھ میں آتا ہے کہ یہ قرآن کریم اور شریعت الٰہیہ کی جانبداری نہیں بلکہ عین عدل ہے جو دونوں کی صلاحیتوں اور استعداد کی بنیاد پر رکھی گئی ہے۔

قرآن کریم کی رو سے ہر فرد بشر اپنے اپنے کام وعمل کا خود ذمہ دار ہے اچھا کرے یا برا۔مرد ہو یا عورت، اور جزا و سزا میں دونوں برابر ہیں۔پس جب ہر شخص اپنے عمل کا ذمہ دار ہو گیا اور برتری اور فوقیت تقویٰ کے علاوہ اور کسی چیز کے ذریعہ نہیں رہ گئی اور اچھے اخلاق، ایمان کے مراتب، مفید علوم، سنجیدہ عقل اور صبر و رضا و بردباری، تقویٰ و پرہیز گاری کا سرچشمہ قرار پائے تو پھر وہ عورت جو ایمان کے درجات پر فائز ہے یا علوم مفیدہ سے سرفراز ہے یا زیور عقل سے آراستہ ہے اور اچھے اخلاق کی حامل ہے تو اسلام کی نگاہ میں وہ عورت ذاتاً ان تمام مردوں سے افضل و برتر ہے جو ان صفات حسنہ سے محروم ہیں یا اس مرتبہ تک نہیں پہونچ سکے ہیں۔اس لئے کہ اسلام میں برتری اور فضیلت کا معیار تقویٰ ہے وہ عورت ہو یا مرد۔

۱-جو بھی عمل صالح انجام دے وہ مرد ہو یا عورت اور ایمان درار ہو تو اسے ہم بہترین زندگی عطا کریں گے اور ان کے عمل کا بہترین اجر دیں گے۔(۲۴)

۲-جو بھی عمل صالح انجام دے وہ مرد ہو یا عورت اور ایماندار ہو تو وہی لوگ جنت میں داخل ہوں گے اور انہیں وہاں بغیر حساب رزق دیا جائے گا۔(۲۵)

۳-جو عمل صالح انجام دیتا ہے وہ مرد ہو یا عورت اور وہ ایماندار ہو تو وہی لوگ جنت میں داخل ہوں گے اور ان پر کسی طرح کا ظلم روا نہیں رکھا جائے گا۔(۲۶)

آپ نے ملاحظہ کیا کہ کس طرح سے قرآن کریم نے مرد وعورت کی صراحت کر کے ہر طرح کے فرق و امتیاز کو ختم کر دیا ہے اور یہاں سے بنی نوع انسان کے درمیان مساوات کا نظریہ واضح ہو جاتا ہے۔

ہمارے پچھلے بیان سے یہ بات واضح ہوگئی کہ عورت ومرد میں جسمانی لحاظ سے فرق پایا جاتا ہے اس لئے ان فطری اختلاف کے مدنظر اسلام بھی مساوات نہیں بلکہ مرد وعورت میں عدالت کی گفتگو کرتا ہے اس لئے کہ دونوں کی صلاحیتیں اور استعداد مختلف ہیں لہٰذا مساوات سے کام نہیں لیا جا سکتا۔ بطور مثال اگر ایک بچہ ۵ ؍سال کا ہو اور ایک ۱۵ ؍سال کا اور ہم چاہیں کہ دونوں کو کھانا دیں تو کیا دونوں کو برابر مقدار میں دیں گے؟ ہرگز نہیں۔ تو کیا برابر مقدار میں کھانا نہ دینا یہ امتیاز اور ظلم کہلائے گا؟ ہرگز نہیں۔ اسی طرح احکام شریعت میں خداوند عالم نے جو فرق رکھا ہے وہ عدالت کے مدنظر ہے اور خدا کسی پر ظلم نہیں کرتا۔ لہٰذا اگر مرد وزن کے احکام شریعت میں کوئی فرق نظر آتا ہے تو وہ فرق اس اختلاف کی بنیاد پر ہے جو ان دونوں کی خلقت اور جسمانی شرائط وفرائض میں پایا جاتا ہے۔ اور اس ظرفیت کے اعتبار سے ہے جو ان دونوں کے اندر پائی جاتی ہے، اس طرح عورت ومرد میں عدالت کارفرما ہے نہ کہ مساوات۔

اس نقطۂ نظر سے مرد کی بنسبت عورت کی میراث اور دیت کا نصف ہونا یا اس طرح کے دوسرے مسائل کا کوئی مقام نہیں رہ جاتا، حالانکہ ان مسائل کا عورت کی شخصیت اور اس کے مقام ومنزلت سے کوئی تعلق نہیں ہے یہ صرف اقتصادی پہلو پر ناظر ہے۔(۲۷)

لہٰذا عورت ومرد میں عدالت برقرار رہنی چاہیئے اور وہ اس طرح سے ہوگی کہ ہر ایک اپنی صلاحیت وطاقت وقوت کے حساب سے اپنا حصہ حاصل کریں۔ اور ہر ایک اپنی خلقت کے اعتبار سے اپنے فرائض کو انجام دے۔ لہٰذا وہ مساوات جس کا فمینسٹ ڈھنڈورا پیٹتے ہیں وہ مساوات نہیں بے عدالتی اور ظلم ہے۔

مرد وعورت کے درمیان مساوات ظلم ہے۔ اس لئے کہ عورت ومرد نظام تکوینی وتخلیق میں دو الگ مخلوق ہیں اور ہر ایک کے جداگانہ فرائض ہیں اس کے باوجود ہر ایک، ایک مکمل مخلوق اور ایک دوسرے کو کامل کرنے والے ہیں۔ اصلاً قرآن کریم واسلام کی نظر میں عورت ومرد کے درمیان ذاتی مرتبہ ومقام میں کوئی فرق نہیں ہے۔ دونوں برابر ہیں صرف برتری اور فضیلت کا معیار تقویٰ وپرہیزگاری ہے اور اسی طرح معنوی اور اخلاقی فضائل کا حصول ہے جو فرد کی قیمت واہمیت کو معین کرتا ہے۔ عورتیں نہ صرف یہ کہ مردوں کی صف میں ہیں بلکہ بعض مواقع پر تو مردوں پر سبقت لے جاتی ہیں۔ قرآن کریم میں جہاں بافضیلت انسانوں کا تعارف ہوا ہے وہیں پیغمبروں کے نام کے ساتھ عورتوں کا نام بھی روشن ہے۔ اور یہ مسلم ہے کہ دینی اعتبار سے ذاتی اہمیت اور حصول فضائل کے سلسلہ میں مرد وعورت میں سے کسی کو کسی پر فوقیت حاصل نہیں ہے۔

خاص طور سے زندگی کے بہت سے اسلامی قوانین ایسے ہیں کہ اس کے باوجود کہ اسلام نے مرد وعورت میں فرق رکھا ہے پھر بھی بہت سے ایسے قوانین بنائے گئے ہیں جو عورت کی حمایت کی حکایت کرتے ہیں اور سماج کی اس فرد پر وارد ہونے والی مشکلات کا سدباب کرتے ہیں، خانوادہ کا اقتصادی بار مرد کے کاندھوں پر قرار دینا (وجوب نفقہ) اور اس پر بیوی بچوں کے خرچ کو فرض کرنا، انھیں میں سے ایک ہے۔ اگر چہ عورت کو کام کرنے سے منع نہیں کیا گیا ہے، اگر چہ بہت سی عورتیں مردوں کے شانہ بشانہ کام کرتی ہیں اور اقتصادی میدان میں اتر گئی ہیں لیکن عورت کو کام کرنے کی اجازت دینا ایک

چیز ہے اور مرد پر نفقہ کو واجب قرار دینا ایک اور ہی چیز ہے۔ اسلام عورت پر سے ایسی ذمہ داری کو اٹھا کر عورت پر اپنے لطف وکرم اور کام کی مشکلات سے اسے محفوظ رکھنے کا اظہار کرتا ہے۔

عورت کا نفقہ (خرچ) اور مہر مرد کے ذمہ ہے۔ مشترک زندگی میں دونوں برابر زحمتیں اٹھاتے ہیں اور برابر سے لطف اندوز ہوتے ہیں تو پھر عورت کا خرچ اور مہر مرد کے ذمہ ہو؟ کیوں مرد کا خرچ عورت پر نہ ہو؟ یا دونوں مل کر زندگی کو نہ چلائیں؟ اگر عورتیں اس سوال کا جواب دیں تو مرد بھی اس سوال کا جواب دے دیں گے کہ مردوں کو میراث میں عورتوں کی نسبت دوہرا حصہ کیوں ہے؟

کیا کچھ ایسا ہے کہ اسلام ہر جگہ عورتوں کی طرفداری کرے؟ کیا یہ خلاف عدل نہیں ہے کہ اسلام ہمیشہ عورتوں کی طرفداری کرے یا ہمیشہ مردوں کی طرفداری کرے؟ لیکن اگر بعض مواقع پر عورت کا طرفدار ہو اور بعض مواقع پر مرد کا طرفدار ہو تو سب اس سے راضی وخاموش ہو جائیں گے اور عدالت برقرار رہے گی۔

اور یہ کہ ایسا کیوں ہے کہ اسلام بعض مواقع پر مردوں کا اور بعض جگہوں پر عورتوں کا طرفدار ہے؟ اس مسئلہ کا سرچشمہ علم الٰہی ہے۔ خداوند عالم ان مصالح ومفاسد سے آگاہ ہے جن تک عقل بشر نہیں پہونچ سکتی۔ لیکن پھر بھی ہم اتنا جانتے ہیں کہ احکام اسلامی نہ صرف عورتوں کے طرفدار ہیں اور نہ صرف مردوں کے۔ لہٰذا اسلام نے مرد وعورت میں کوئی فرق نہیں رکھا ہے بلکہ عدل کے پہلو کو ہمیشہ مدنظر رکھا ہے، کہیں مرد کی طرفداری کرتا ہے، جیسے میراث اور دیت کا مسئلہ اور کہیں عورت کی طرفداری کرتا ہے جیسے نفقہ ومہر اور یہی عین عدالت اور حکمت الٰہی ہے۔ (۲۸)

خالق کائنات نے جہاں بھی گفتگو کمال اور حیثیت کی کی ہے مرد وعورت دونوں کو یکساں خطاب کیا ہے اور لفظ "یا ایھا الناس، یا ایھا الذین آمنوا" کے ذریعہ سب کو مخاطب کیا ہے۔ اور برتری کا معیار صرف اور صرف تقویٰ کو قرار دیا ہے۔

سورہ احزاب کی آیت ۳۵/۳۶ کو تو ملاحظہ کریں جہاں ارشاد ہوتا ہے:

''بیشک مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں اور مومن مرد اور مومن عورتیں، اور اطاعت گزار مرد اور اطاعت گزار عورتیں، اور سچے مرد اور سچی عورتیں، اور صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں، اور فروتنی کرنے والے مرد اور فروتنی کرنے والی عورتیں اور صدقہ دینے والے مرد اور صدقہ دینے والی عورتیں، روزہ رکھنے والے مرد اور روزہ رکھنے والی عورتیں اور اپنی عفت کی حفاظت کرنے والے مرد اور عورتیں اور خدا کا بکثرت ذکر کرنے والے مرد اور عورتیں اللہ تعالی نے ان سب کے لئے مغفرت اور عظیم اجر مہیا کر رکھا ہے۔

قرآن کریم کی یہ تصریحات اس بات کی گواہ ہیں کہ اسلام، مرد وعورت میں کسی قسم کے امتیاز کا قائل نہیں ہے، اور مساوات کی جگہ مساوات اور عدالت کی جگہ عدالت کی بھرپور رعایت کرتا ہے۔

یہاں اس بات کی یاددہانی ضروری ہے کہ حقوق میں مساوات جن معنوں میں مغرب میں رائج ہے یعنی: ''تمام

عورت و مرد کے حقوقی مقامات پر مکمل مشابہت'' نظام اسلام میں اس کے یہ معنی ہرگز نہیں ہیں۔ بلکہ مساوات، برابری کے معنی میں اہم اور قابل تائید ہے، لیکن عورت و مرد اس اعتبار سے کہ ایک دوسرے سے مشابہ ہیں ان کے حقوق بھی ایک دوسرے سے مشابہ ہیں لیکن اس اعتبار سے کہ ان میں ایک دوسرے میں فرق ان کے حقوق مختلف بھی ہیں اور اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ ایک جنس کی اہمیت کم اور دوسرے کی زیادہ ہے۔

ہم یہاں قرآن کی ان آیات کو فہرست وار ذکر کر رہے ہیں جن میں عورت و مرد میں مساوات کا ذکر ہے۔

۱- سورہ حجرات، آیت/۱۳، عورت و مرد کے درمیان معیار شرافت و بزرگی صرف تقویٰ ہے۔

۲- سورہ احزاب، آیت/۳۵، مومن اور مسلمان عورتیں مومن اور مسلمان مردوں کے برابر ہیں۔

۳- سورہ محمد، آیت/۱۹، پیغمبر اسلام مومن مرد اور مومن عورت دونوں کے لئے برابر سے طلب مغفرت کرتے ہیں۔

۴- سورہ توبہ، آیت/۷۱، عورتیں اور مرد اجتماعی فرائض کی انجام دہی میں برابر ہیں۔

۵- سورہ نساء، آیت/۷، عورتیں اور مرد اقتصادی معاملات میں ایک جیسے ہیں۔

۶- سورہ بقرہ، آیت/۲۲۸، عورتیں بھی مردوں کی طرف شائستہ حقوق رکھتی ہیں۔

۷- سورہ بقرہ، آیت/۱۸۷، عورت و مرد ایک دوسرے کو کامل کرنے والے ہیں۔

۸- سورہ نور، آیت/۲۶، پاک عورتیں پاک مردوں کے لئے اور پاک مرد پاک عورتوں کے لئے ہیں۔

۹- سورہ بقرہ، آیت/۲۲۱، جن شادیوں سے منع کیا گیا ہے ان میں عورت و مرد برابر شامل ہیں۔

۱۰- سورہ احزاب، آیت/۵۸، مومن عورتوں کو تکلیف پہونچانا مومن مردوں کو تکلیف دینے کے برابر ہے اور گناہ دونوں کا ایک ہے۔

۱۱- سورہ بروج، آیت/۱۰، مثل سابق۔

۱۲- سورہ فتح، آیت/۵، عورتوں اور مردوں کے گناہوں کی معافی یکساں ہے۔

۱۳- سورہ آل عمران، آیت/۱۹۵، سورہ احزاب، آیت/۷۳، عورتیں اور مرد خداوند عالم کی مغفرت میں برابر ہیں اور کسی کا عمل ضائع نہیں ہوتا۔

۱۴- سورہ نحل، آیت/۹۷، عورتیں اور مرد سعادت مند زندگی گزارنے میں برابر ہیں۔

۱۵- سورہ غافر، آیت/۴۰، عورتیں و مرد جنت میں داخل ہونے میں برابر ہیں۔

۱۶- سورہ حدید، آیت/۲۱، باایمان عورتیں باایمان مردوں کی طرح منور ہیں۔

اسی طرح قرآن کریم میں عورتوں کے صفات کی طرف بھی اشارہ کیا گیا ہے اور ان کے سماج میں حقوق کی طرف بھی مثلاً۔

۱-سورہ قصص، آیت ۲۳/، اسلامی شریعت کی رعایت کے ساتھ عورتیں سماج واجتماع میں فعال ہوسکتی ہیں۔ جہاں جناب شعیب کی لڑکیوں کا ذکر ہے جو اپنی بکریوں کو پانی پلانے کے لئے کنوئے پر لے گئیں۔

۲-سورہ نور، آیت ۳۱/، سورہ احزاب، آیت ۵۹/، حجاب اوراس کا فلسفہ۔

۳-سورہ نساء، آیت ۳۲/، عورتوں کا اقتصادی استقلال۔

۴-سورہ نور، آیت ۳۲/، پاک عورتوں پر تہمت لگانے کی سزا۔

۵-سورہ نساء، آیت ۱۹/، عورتوں کے ساتھ نیک برتاؤ کرنے کا حکم۔

قرآن کریم کی سیکڑوں آیتوں میں سے یہ ایک گوشتہ تھا جو ہم نے ذکر کیا۔ جو عورتوں کے ساتھ مساوات کے حقوق اور آزادی کے متعلق تھا۔ اور یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم صرف ایک موعظہ کی کتاب نہیں ہے بلکہ اس نے نمونہ خواتین کی بھی نشان دہی کی ہے۔(۲۹)

اب ہم آخر میں اس سوال کی طرف اشارہ کرتے ہیں جو عام طور سے قرآن کریم پر اعتراض کرنے والے کرتے ہیں۔ اور وہ یہ کہ:

''سورہ بقرہ، آیت ۲۲۸/ میں خداوندمتعال نے فرمایا ہے کہ ''للرجال علیھن درجہ'' یعنی مردوں کو عورتوں پر برتری حاصل ہے۔ اس طرح مردوں کی برتری کا اعلان کیا گیا ہے کیا یہ خداوند عالم کی عدالت کے منافی اور خلاف نہیں ہے اور یہاں مساوات کہاں ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ مذکورہ بالا آیت طلاق رجعی کے متعلق ہے۔ اوراس آیت میں جس بات کی طرف اشارہ ہوا ہے وہ ایک مہم اصل ہے، وہ یہ کہ اسلام کی نظر میں عورتوں کے حقوق وفرائض ایک دوسرے کے مناسب ہیں جس طرح مردوں کے حقوق اوران کے فرائض ایک دوسرے کے ساتھ مناسبت رکھتے ہیں۔ یعنی عورتوں کے حقوق اوران کے فرائض کے درمیان مساوات ہے۔ البتہ اس کے برعکس بھی صحیح ہے یعنی اگر کسی کے لئے کوئی حق قرار دیا جائے تو اس کے مقابلہ میں اس پر فرائض بھی اس حد تک اس کی گردن پر ڈالے جائیں گے چنانچہ اگر مرد پر فرائض زیادہ ہیں تو حق بھی زیادہ ہے جو درجہ کے معنی کو واضح کرتا ہے۔ یہی اصل عورت ومرد کے درمیان عدالت کا سر چشمہ ہے۔

اسلام مرد وعورت کے درمیان عدالت کا مدعی ہے۔ اس لئے کہ اس بات کا انکار نہیں کیا جا سکتا کہ مرد وعورت کے درمیان جسمانی اور روحانی فرق موجود ہے۔ اور یہی فرق باعث ہوتا ہے کہ دونوں کے فرائض بھی ایک دوسرے سے الگ ہوں۔ اور یہی عین عدالت ہے۔ اور اگر فرق کے باوجود دونوں سے ایک ہی جیسے فرائض کا مطالبہ کیا جائے تو یہ خلاف عدل ہے۔

اس بات کے پیش نظر کہ ایک کامیاب ونیک بخت خانوادہ ایک ایسے فرد کا مطالبہ کرتا ہے جو قدرت مند ہو تمام محاسبات میں کسی تعصب سے کام نہ لے۔ لہٰذا عورت کی کمزور حالت اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ خانوادہ کو ادارہ کرنے والا

مرد ہو۔

لہٰذا اگر چہ اس اعتبار سے مرد کو عورت پر برتری دی گئی ہے لیکن یہ برتری اور درجہ اس بات کا باعث ہوا کہ ان پر کچھ فرائض عائد ہوں جن کا عورتوں سے مطالبہ نہیں ہے۔

خلاصہ یہ کہ سباق آیت کے پیش نظر اور دیگر آیات کو مدنظر رکھتے ہوئے کہ جہاں ارشاد ہے کہ:

''عمل صالح کے اجر کے اعتبار سے عورت و مرد میں کوئی فرق نہیں ہے'' سورہ نحل، آیت ۹۷

تقویٰ برتری کا معیار ہے۔ سورہ حجرات، آیت ۱۳۔

اس اعتبار سے مرد و عورت میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اس آیت میں مرد کی برتری صرف اور صرف خانوادہ کے ادارہ و سرپرستی کے اعتبار سے ہے اور آیت کے معنی یہ ہرگز نہیں ہے کہ مرد کلی طور پر عورت پر برتری رکھتا ہے۔ (۳۰)

اسلام اپنی آسمانی تعلیمات کے ساتھ خواتین کے حقوق کو زندگی عطا کرتا ہے، خاص طور سے قرآن نے اپنے نزول کے زمانہ میں عورتوں کے فائدے اور ان کے حقوق کے لئے بنیادی اور بلند قدم اٹھائے ہیں لیکن اس وقت بھی اس نے عورت کے عورت ہونے یا مرد کے مرد ہونے سے چشم پوشی نہیں کی۔ بلکہ عورت کو اسی نگاہ سے دیکھا جیسی اس کی فطرت ہے۔ قرآن میں عورت وہی فطری عورت ہے کتاب تشریع (قرآن) اور کتاب تکوین (فطرت) نے ایک مفہوم پیش کیا ہے۔ قرآن میں حقوق خواتین کے سلسلہ کی بلندی گفتار ہی انطباق اور ہماہنگی ہے۔

یہاں مسئلہ یہ پیدا ہوتا ہے کہ عورت و مرد کے حقوق برابر ہیں یا مثل؟ (مساوی یا مشابہ)

قرآن سے عورت کی بنسبت حقوقی نظریہ کے متعلق جو سوالات کئے جاتے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ:

''اگر قرآن (اسلام) عورت کو ایک مکمل انسان سمجھتا تو اس کے لئے مردوں کے برابر و مشابہ حقوق وضع کرتا۔ لیکن اسلام عورت کے لئے مرد کے برابر یا مشابہ حقوق کا قائل نہیں ہے لہٰذا اسلام عورت کو ایک حقیقی انسان تصور نہیں کرتا؟

اس سوال کے جواب کے لئے ہمیں دیکھنا پڑے گا کہ عورت و مرد کی انسانی حیثیت سے یا ان کی حقوق کے اعتبار سے برابری کیا مشابہت کے معنی میں ہے یا مشابہت کے علاوہ مساوات ایک الگ چیز ہے۔

اس سلسلہ میں شہید مطہری فرماتے ہیں:

''مساوات الگ ہے اور مشابہت الگ۔ مساوات برابری ہے اور مشابہت ایک جیسا ہونا ہے۔ ممکن ہے باپ اپنے بچوں میں اپنے سرمایہ کو مالیت کے اعتبار سے برابر تقسیم کردے لیکن مشابہت کے اعتبار سے تقسیم نہ کرے۔ مثلاً اس باپ کے پاس کئی طرح کی جائداد ہو، تجارت بھی ہو، کھیتی بھی ہو اور کارخانہ بھی لیکن اس بات کے پیش نظر کہ اس نے پہلے سے اپنے بچوں کی صلاحیتوں اور رجحانات کو سمجھ رکھا ہے اور ایک میں تجارت کا ذوق اور دوسرے میں زراعت سے دلچسپی اور تیسرے میں کارخانہ میں رجحان پایا ہے۔ تو جب وہ اپنی جائداد کو تقسیم کرنا چاہے گا تو اس اعتبار سے کہ وہ جو کچھ اپنے بچوں کو

دے وہ اہمیت کے لحاظ سے ایک دوسرے کے برابر ہواور اس میں کسی قسم کی ترجیح یا امتیاز نہ ہو اپنے ہر بچہ کو ان کے ذوق کے اعتبار سے اسی سرمایہ کو دے گا اور یہی قانون عدالت ہے جو عالم فطرت میں رائج ہے اور اسی کی بنیاد پر عورت و مرد کے حقوق و فرائض کو معین کیا گیا ہے۔

خلاصہ بحث یہ ہے کہ خداوند عالم نے مرد و عورت کی تخلیق میں مکمل مساوات کا لحاظ رکھا ہے لیکن دونوں کے درمیان جسمانی اور روحانی فرق کے اعتبار سے الگ الگ حقوق اور الگ الگ فرائض معین کئے ہیں لہٰذا یہ بات بالکل ممکن نہیں کہ دونوں کے درمیان مساوات و مشابہت کا قانون جاری کیا جائے۔ بنا بریں حریت پسند تانیثیت کے عورت کی آزادی کے مطالبہ کو جس میں مساوات و مشابہت کارفرما ہے اسلام یکسر مسترد کرتا ہے اور قانون عدالت کو نافذ کرتا ہے۔ یعنی اسلام کی نظر میں مرد و عورت کے درمیان مساوات و مشابہت۔ نہیں---اور مساوات و عدالت۔ ہاں---

☆ حریت پسند تانیثیت کا نظریہ ہے کہ:

''عورت کی کمزوری اور محرومیت کی اصل وجہ عورت کو شہری حق نہ ملنا ہے۔ چنانچہ اگر عورت کو مردوں کی طرح بھی شہری حق مل جائے تو ان کی محرومی دور ہو جائے گی''

شہری حقوق جس کو انگلش میں (civil law) اور فارسی میں حقوق مدنی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے سابق الایام میں عورتوں کو حاصل نہ تھا۔

ظہور اسلام سے پہلے عورتیں اپنے نفس و مال کی مالک نہ تھیں اور انھیں تجاری سامان کی طرح خریدا اور بیچا جاتا تھا۔ انھیں شوہر کے انتخاب کا حق اور مال میں وراثت کا حق نہ تھا بلکہ وہ خود مال کی طرح میراث میں رکھی جاتی تھیں۔ مذہبی رسومات میں ان کے لئے کوئی مقام نہ تھا اور بات یہاں تک پہونچ گئی تھی کہ عورتوں کو قتل کر دینا اور اور انھیں زندہ درگور کر دینا عام تھا۔ اور اس عمل کو عزت و شرافت کی علامت شمار کیا جاتا تھا۔ جیسا کہ قرآن کریم نے ان کے اس برے عمل کا ذکر کیا ہے۔

''اور جب ان میں سے کسی کو لڑکی کی (پیدائش) کی بشارت
دی جاتی ہے تو اس کا چہرہ سیاہ ہو جاتا ہے اور وہ خون کے گھونٹ
پینے لگتا ہے۔ قوم سے منہ چھپاتا ہے کہ بہت بری خبر سنائی گئی
ہے۔ اب اس کی ذلت سمیت زندہ رہے یا خاک میں ملا دے
یقیناً یہ لوگ بہت برا فیصلہ کر رہے ہیں''(۳۱)

وہ اموال جو عورتوں کو جہیز، مہر یا تحفہ کے عنوان سے ملا کرتے تھے انہیں اس میں تصرف کا حق نہ تھا بلکہ ان کے شوہر کے خاندان والے اس میں تصرف کرتے تھے۔

جو عورتیں مالدار ہوتیں انہیں شادی کرنے کی اجازت نہ تھی یہاں تک کہ وہ اپنے سرپرستوں کی ماتحتی میں مرجائیں اور وہ مال ان لوگوں کو مل جائے۔

کبھی کبھی اگر عورت و مرد میں اختلاف ہو جاتا تو مرد عورتوں کو معلق کر دیتے یعنی نہ ان کا خرچ دیتے اور نہ ہی انھیں طلاق دیتے یہاں تک کہ وہ مجبوراً اپنے زیور و مال کو شوہروں کو دے کر نجات حاصل کرتیں۔

جب کہ شوہر انتقال کر جاتے انہیں دوسرے نکاح کی اجازت نہ دی جاتی وہ بھی یا جاہلانہ شرمندگی کی وجہ سے یا مال کی لالچ میں۔

یہ وہ حالات تھے جو ایام جاہلیت میں عورتوں پر روا رکھے گئے تھے۔(۳۲)

لیکن اسلام ایک سماجی مذہب ہے اور عورت کو سماج کی ایک فرد تصور کرتا ہے لہٰذا عورت کو بھی ایک انسان کا درجہ دیتا ہے اور تخلیقی مراحل میں مرد کے مساوی تصور کرتا ہے اس لئے ظہور اسلام کے ساتھ ہی عورت کو اس کے تمام حق مل گئے جس میں ایک شہری حق بھی ہے۔

اسلام عورت کو ایک آزاد انسان ہونے کے ناتے خود مختار، اپنے اموال میں پوری طرح تصرف کرنے کا حق دیتا ہے اس کے علاوہ مردوں کو تاکید کرتا ہے کہ عورتوں سے محبت، اخلاق اور نیکی سے پیش آئیں۔ ہم قرآن کریم میں دیکھتے ہیں کہ ایک طولانی سورہ بنام ''سورہ نساء'' اور ایک دوسرا سورہ ''سورۂ مریم'' کے نام سے ہے۔

اسلام نے عورت کو شوہر کے انتخاب میں پوری طرح آزاد رکھا ہے اور جبری نکاح کو منع کیا ہے چنانچہ پیغمبر اسلام نے فرمایا:

''بیوہ عورتوں کا نکاح ان کے مشورہ کے بغیر نہ کیا جائے اسی
طرح لڑکیوں کا نکاح ان کی اجازت کے بغیر نہ کیا جائے''

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں اور لڑکیوں کو اپنے شوہر کے انتخاب کا پورا حق اسلام دیتا ہے۔

اسلام عورت کے لئے ہر قسم کے حق مالکیت کو ثابت کرتا ہے اور ہر طرح جائز تصرف کو خواتین کا حق تصور کرتا ہے۔ مردوں کی طرح انہیں وصیت اور میراث کا حق دیا، خرید و فروش کا اختیار انہیں دیا۔ اسی طرح عورتوں کو اجارہ، ہبہ، وقف، صدقہ، کفالت، حوالہ، رہن وغیرہ کا حق دیتا ہے۔

قرآن کریم میں عورتوں کے لئے مال کی ملکیت اور وراثت کے حق کو اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ:

''مردوں کے لئے ان کے والدین اور اقرباء کے ترکے میں ایک حصہ ہے اور عورتوں کے لئے بھی ان کے والدین اور اقرباء کے ترکہ میں سے ایک حصہ ہے وہ مال بہت ہو یا تھوڑا یہ حصہ بطور فریضہ ہے''(۳۳)

اسلام نے عورت کے لئے مہر کو حق مسلم قرار دیا اور مردوں کو تاکید کی ہے کہ عورتوں کا یہ حق خوشی خوشی ادا کریں اور مہر ادا کرنے کے سلسلہ میں عورتوں پر زیادتی نہ کریں اور یہ وہ حق ہے جس میں عورت کے علاوہ کسی کو بھی تصرف کا حق نہیں ہے۔(۳۴)

جن حقوق کا مطالبہ حریت پسند فمینسٹ کر رہے ہیں اسلام وہ حقوق صدیوں پہلے عورت کو دے چکا ہے۔ لیکن ایک

بار پھر ہم یاد دلا دیں کہ عدل کے پیرائے میں نہ کہ مشابہت کے طور پر۔

اسلام نے عورت کو مالکیت کا حق دیا، سیاسی امور میں دخالت کا حق دیا، آزادی انتخاب شوہر کا حق دیا، اپنی ذاتی زندگی میں فیصلہ کرنے کا حق دیا، مذہبی امور میں اس کو دخالت کا حق عطا کیا، کام کرنے اور اس سے حاصل ہونے والے فائدہ کی ملکیت اور اس میں تصرف کا حق دیا، بچے کی تولید اور پرورش کا حق دیا، شوہر سے طلاق خلع لینے کا حق دیا، ان حقوق کی تفصیلات اگر یہاں کی جائے تو بات شاید موضوع و محور سے خارج ہو جائے لیکن چونکہ دور حاضر میں لیبرل فمینزم کے مطالبات بھی کچھ اسی قسم ہیں اس لئے مختصر وضاحتیں ضروری ہیں۔

۱) مذہبی امور میں عورت کی دخالت:

تاریخ گواہ ہے کہ حضور اکرم کے زمانہ میں اور آپ کی وفات کے بعد خاندان رسالت میں ایسی عورتیں رہی ہیں جو نہ صرف یہ کہ دین مبین اسلام کی مبلغہ رہی ہیں بلکہ وہ اپنے زمانہ کی عورتوں کی مذہبی ضروریات کو پوری بھی کرتی رہی ہیں، ان کے دینی مسائل کا جواب دیتی رہی ہیں، چنانچہ حضور اکرم کے زمانہ میں حضرت فاطمہ زہرا کا نام سرفہرست ہے کہ جو مدینہ کی عورتوں کے مذہبی مسائل کو حل کیا کرتی تھیں اس کے علاوہ آپ کے وصال کے بعد آپ کی ازواج خصوصاً حضرت عائشہ لوگوں کے دینی مسائل کا جواب دیا کرتی تھیں۔

اس سے آگے بڑھ کر بعض عورتیں سابقین اسلام میں شمار ہوتی ہیں جن میں حضرت خدیجہ اور حضرت سمیہ کا نام سر فہرست ہے اور یہ شرف بھی ایک خاتون کو حاصل ہے کہ جس نے اسلام کے نام پر سب سے پہلے اپنی جان کی قربانی پیش کی وہ حضرت سمیہ ہیں۔

۲) نماز میں شرکت:

اسلام نے عورتوں کو نمازوں میں شرکت کا حکم دیا، یہاں تک کہ عیدین کی نمازوں میں بھی۔ اور اس وقت جب نماز کا وجوب بھی نہیں آیا تھا تو مکہ مکرمہ میں خانہ کعبہ کے جوار میں حضور اکرم کے ساتھ نماز ادا کرنے والی عورت یعنی حضرت خدیجہ موجود تھیں۔

ام عطیہ سے روایت ہے کہ پیغمبر اسلام عید کے دن فرماتے تھے ''عورتیں اور لڑکیا سب نماز عید کے لئے شہر سے باہر جائیں اور اگر کسی کو نماز ادا کرنے میں کوئی عذر ہے تو ایک گوشہ میں بیٹھ کر خطبے سنیں یہاں تک کہ اگر کسی عورت کو حجاب کا مناسب انتظام نہ ہو تو وہ دوسروں سے مانگ لے'' (۳۵)

۳) تجارت:

ایک تجارت پیشہ خاتون نفیس جنھوں نے رسول اکرم سے تجارت کے احکام معلوم کئے اور آپ نے ان کو معاملات کے صحیح و غلط ہونے کی طرف راہنمائی کی۔

''ریطہ'' قبیلہ ثقیف کی عورتوں میں سے تھیں اور عبداللہ ابن مسعود کی زوجہ تھیں جو صنعت گری کرتی تھیں

اوراپنے نابیناشوہراور بچوں کا خرچ چلاتی تھیں''

''سلامہ'' بھیڑ، بکریاں چراتی تھیں اوراس طرح اپنی زندگی کے خرچ کو پورا کرتی تھیں۔(۳۶)

۴)سیاسی معاملات میں عورتوں کی دخالت :

کا اندازہ اس وقت ہوتا ہے جب ہم دیکھتے ہیں کہ ایسے معاملات میں عورتوں کو واسطہ قرار دیا جاتا تھا۔مثلاً فتح مکہ سے پہلے ابوسفیان جس نے صلح حدیبیہ کے معاہدہ کو توڑ دیا تھا مدینہ آیا تا کہ مسئلہ ان کے فائدہ میں حل ہو جائے اس وقت وہ مدینہ کے بزرگوں کے پاس گیا تا کہ امان نامہ حاصل کرلے لیکن کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔راوی کہتا ہے کہ رسول خدا سے ملاقات کرنا چاہی اس میں بھی اسے کامیابی نہیں ہوئی پھر وہ حضرت فاطمہ کے پاس گیا لیکن وہاں بھی اس کا مسئلہ حل نہ ہوا ۔(۳۷)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا بھی اجتماعی وسیاسی امور میں دخالت رکھتی تھیں اس لئے ابوسفیان نے آپ کی طرف واسطہ بننے کے لئے رجوع کیا۔

فتح مکہ کے سال'' حارث بن ہشام'' نے ابو طالب کی بیٹی''ام ہانی'' کی پناہ لی اور انہوں نے اس کو پناہ دی حضرت علی اپنی بہن کے گھر گئے اور حارث کو سزا دینی چاہی تو ام ہانی نے آپ کی تلوار پکڑ لی اور کسی صورت چھوڑ نہیں رہی تھیں کہ اسی اثنا میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آ گئے اور جب ام ہانی کو غصہ میں دیکھا تو فرمایا''علی کو غصہ نہ دلاؤ کہ علی کے غضب سے خدا غضبناک ہوتا ہے''تم جسے بھی پناہ دو ہمیں قبول ہے پھر آپ مسکرائے اور فرمایا:

اگر ابوطالب کے ہزاروں اولاد ہوتی تو سب کے سب شجاعت میں بےنظیر ہوتے''(۳۸)

اس دور میں مدینہ میں وہ مقام جہاں مساجد سبع کے نام سے مشہور ہے یہ وہ مقام ہے جہاں جنگ خندق ہوئی تھی۔ان سات مساجد میں ایک مسجد علی اور ایک مسجد فاطمہ ہے۔یہ وہ مقام ہیں جہاں حضرت فاطمہ نماز ادا کیا کرتی تھیں۔ اوران کا خیمہ وہیں تھا اس سے اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ میدان جنگ میں خواتین کی حاضری پر کوئی پابندی نہ تھی اور اسلام اس کی تائید کرتا ہے۔

مسجد نبوی کی تعمیر کے بعد مرد حضرات مسجد کے اندر آنخضرت کی امامت میں اور مسجد کے باہر خواتین کسی بھی صحابی کی امامت میں نماز جماعت ادا کرتی تھیں اور حضور بعض جنگوں میں بعض جہاد کے قابل خواتین کو اپنے ہمراہ لے جایا کرتے تھے۔(۳۹)

۵)حق طلاق:

''ثابت ابن قیس'' رسول اکرم کے زمانہ میں تھا اور صفائی کا خیال نہیں رکھتا تھا جس کی وجہ سے اس کے بدن سے بدبو آتی تھی اس کی زوجہ نے رسول اکرم کے حضور اس کی شکایت کی آپ نے اس کا مہر واپس کر کے زوجہ کی رضامندی کے ساتھ اس کے نکاح کو باطل کر دیا۔(۴۰)

۶) کاروبار میں مرد وعورت کو برابر کا حق:

اس کا مطلب یہ ہے کہ عورتوں کو ایک قسم کا استقلال حاصل ہے جس کو خودمختاری سے تعبیر کیا جا سکتا ہے جس کا مطالبہ حریت پسند فمینسٹ کرتے ہیں۔خداوند عالم قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے:

''مردوں کے لئے وہ حصہ ہے جو انھوں نے کمایا ہے اور
عورتوں کے لئے وہ حصہ ہے جوانھوں نے حاصل کیا ہے۔(۴۱)

لہٰذا عورتیں بھی مردوں کی طرح تجارت کی آمدنی کا حق رکھتی ہیں اور ملکیت کا بھی۔اوران دونوں میں اس اعتبار سے کوئی فرق نہیں ہے۔

۷)وہ اپنے بچے کو دودھ پلائیں دوسال مکمل اور جس کے بچے کو دودھ پلا رہی ہے اس پر فرض ہے کہ وہ بچہ کی ماں کے کھانے کا ذمہ دار ہو۔

۸)قرآن مجید نے پاک دامن عورتوں پر تہمت زنا لگانے والوں کو سخت سزا کا اعلان کیا ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

''جولوگ پاک دامن عورتوں پر زنا کی تہمت لگاتے ہیں اور
چار گواہ نہیں لا سکتے تو انہیں اسی کوڑے مارو اور پھر ان کی کبھی
گواہی قبول نہ کرو اور یہی لوگ فاسق ہیں''۔(۴۲)

''اور وہ لوگ جو برے کاموں سے بے خبر مومن عورتوں پر
تہمت لگاتے ہیں ان پر دنیا وآخرت میں لعنت ہے اوران کے
لئے عذاب عظیم ہے۔(۴۳)

اس طرح قرآن کریم پاک دامن عورتوں کا دفاع کرتا ہے۔(۴۴)

اس طرح اسلام عورت کو وہ تمام شہری حقوق دیتا ہے جوایک مرد کے لئے ہے البتہ کچھ ایسے شرائط کے ساتھ جن میں اخلاقی فساد نہ پھیلنے پائے اور خود عورت کی عفت و پاکدامنی اور وقار محفوظ رہے۔

☆حریت پسند تانیثیت کا نظریہ ہے کہ:

''مردسالاری نظام میں غلط افہام وتفہیم عورتوں پر ظلم وستم کا سبب ہے''

جہاں تک بات ہے تمدن وثقافت میں مردسالاری کی غلط افہام وتفہیم کی۔تو یہ مسئلہ اصل واصول اسلام سے بالکل الگ ہے اس لئے کہ اسلام نے اپنے اصول قرآن کریم اور حضور اکرم کے ذریعہ لوگوں تک پہونچا دئے یہ اور بات ہے کہ آج کا مسلمان ان اصولوں پر نہ صرف یہ کہ گامزن نہیں ہے بلکہ ان کو پامال بھی کر رہا ہے ورنہ جیسا کہ ہم نے پہلے ذکر کیا اسلام کی نظر میں عورت ومرد میں کوئی فرق نہیں ہے صرف نظام انسانیت کو متعادل رکھنے کے لئے مرد وعورت کی فطرت کو اس طرح بنایا گیا ہے کہ انسانیت کا کاروان بحسن وخوبی اپنی تکاملی سیر کو طے کرتا رہے۔

خداوند عالم نے فکر وفہم کی قوت مرد وعورت دونوں میں برابر سے عطا کی ہے اور اسلامی نقطہ نظر سے گھر کے اندر زن سالاری نظام کارفرما ہونا چاہئے اور گھر کے باہر مرد سالاری نظام، تا کہ سماج کی ثقافت کا تعادل برقرار رہے اس لئے کہ یہ عدالت کا تقاضہ ہے کہ ہر کوئی اپنے فرائض کو انجام دے تا کہ وہ اپنے جائز حقوق سے بہرور ہو۔ معاملہ اس وقت بگڑتا ہے جب عورت و مرد اپنے محور سے باہر آ جائیں اور اپنے فرائض کی انجام دہی میں کوتاہی کریں۔ اس لئے اسلام میں نہ مرد سالاری کا تصور ہے اور نہ زن سالاری کا بلکہ اسلام انسان اور انسانیت کی سالاری کا پیغام دیتا ہے کہ جس سماج میں انسانیت کی سالاری ہوگی وہاں ظلم، ستم، تشدد وغیرہ بالکل نہیں ہوں گے۔ اس لئے کہ انسان سالاری کا مطلب یہ ہے کہ ہر انسان مرد ہو یا عورت اپنے فرائض انجام دے اور جب ایسا ہوگا تو تصادمی کیفیت پیدا نہیں ہوگی۔

☆ حریت پسند تانیثیت کا نظریہ ہے کہ:

''خواتین کو مردوں کے مساوی تعلیم کا حق ملنا چاہئے کیوں کہ تمام انسان اپنی عقلی و اخلاقی صلاحیتوں میں اضافے کا مساوی حق رکھتے ہیں تا کہ اپنے اندر کے انسان کو باقی رکھ سکیں''

لیبرل فمینسٹ عوتوں کی تعلیم کے مساوی حق کا آج مطالبہ کرتے ہیں جب کہ دین اسلام جس کی بنیاد ''اقراء'' پر ہے یہ حق صدیوں پہلے مرد وعورت دونوں کو دے چکا ہے اور حق تعلیم میں کسی قسم کے امتیاز کا قائل نہیں ہے چنانچہ رسول اکرم کی مشہور حدیث ہے:

''طلب العلم فریضة علی کل مسلم و مسلمة''

علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد وعورت پر فرض ہے۔

اگر چہ حدیث میں بات صرف مسلمانوں کی کی گئی ہے لیکن اس سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام مرد و عورت دونوں کو علم حاصل کرنے کی تاکید کرتا ہے اور حد تو یہ ہے کہ اس امر کو ایک فریضہ کے عنوان سے یاد کرتا ہے۔

اسلام میں حصول علم کے لئے شدت سے تاکید کی گئی ہے اور اسے زندگی کے سب سے ضروری امور میں شمار کیا گیا ہے۔ حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

''اے لوگو! جان لو کہ دین اس وقت کامل ہے اور درست ہے جب علم حاصل کرو اور اپنے علم کا استعمال کرو۔ یاد رہے کہ علم حاصل کرنا مال حاصل کرنے کی بنسبت زیادہ واجب ہے (۴۵)''

اسلام میں تعلیم کی اہمیت کا اندازہ اس وقت ہوتا ہے جب ہم دیکھتے ہیں کہ وحی کا پہلا کلام علم سے شروع ہوتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

''اس خدا کا نام لے کر پڑھو جس نے پیدا کیا ہے، جس نے

انسان کو جمے ہوئے خون سے پیدا کیا ہے، پڑھواور تمہارا پروردگا
بڑا کریم ہے۔ جس نے قلم کے ذریعہ تعلیم دی، اور انسان کو وہ
سب کچھ بتایا ہے جو اسے نہیں معلوم تھا'' (۴۶)

اسلام میں حصول علم کو بے پناہ اہمیت حاصل ہے نتیجہ میں علماء کو بھی بہت زیادہ اہمیت حاصل ہے اس سلسلہ میں بے پناہ روایات مختلف کتابوں میں بھری پڑی ہیں۔ حد تو یہ ہے کہ تاریخ انسانیت میں پہلی اور آخری بار رسول اکرم کے حکم سے تعلیم دینے کو جنگی غنیمت کے بجائے قبول کیا گیا۔

رسول اکرم نے گھر والوں کی تعلیم کو بھی بہت اہمیت دی ہے ایک عورت ''الشفا'' نام کی جس نے جاہلیت کے زمانہ میں لکھنا پڑھنا سیکھ رکھا تھا پیغمبر اسلام کے گھر آتی تھی اور ان کی عورتوں کو لکھنا پڑھنا سکھاتی تھی۔ (۴۷)

اور آج پورے عالم میں خواتین کی تعلیم حاصل کرنے کی آزادی عملی طور سے کسی پر پوشیدہ نہیں ہے۔ دنیا کے ہر کونے میں مسلمان خواتین تعلیم حاصل کر رہی ہیں اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام نے حصول تعلیم کے حق کو کسی خاص جنس سے مخصوص نہیں کر رکھا ہے بلکہ مرد وعورت حصول تعلیم میں آزاد ہیں۔

البتہ اسلام چونکہ ایک سماجی مذہب ہے اس لئے اس کو سماج کی پاکیز گی اور اخلاقی اقدار کا بھی خیال ہے لہذا اسلام نے عورت کی تعلیم کی آزادی کے ساتھ عورت کے لئے جو حدود معین کئے ہیں اس کی پاسداری ضروری ہے چنانچہ ایک عورت اپنی عفت و پاکدامنی اور حجاب کے مسائل کو مدنظر رکھ کر اور اسلامی قوانین کی حدود کے اندر رہ کر علم کے بلند مراتب پر فائز ہوسکتی ہے لہذا عورت کا ڈاکٹر، انجینیر، ٹیچر ہونا یا دیگر تعلیمی مراتب کو حاصل کرنا اسلام میں ممنوع نہیں ہے۔

چنانچہ آج پوری دنیا میں مسلمان عورتیں تعلیم کے بڑے مراتب کو حاصل کرنے میں پیش پیش ہیں۔ آج کون سی ڈگری ہے جو مسلمان عورت کے پاس نہیں ہے اور کون سا علمی میدان ہے جہاں مسلمان عورت نے اپنے وجود کو نہیں منوایا ہے؟ یہ اسلام میں عورت کی تعلیم کی آزدی کا ہی نتیجہ ہے۔

اسلام نہ صرف یہ کہ تعلیم کی آزادی دیتا ہے بلکہ اس کی تشویق بھی کرتا ہے اس لئے کہ ایک تعلیم یافتہ خاتون جو تربیت اپنے بچوں کی کرسکتی ہے ویسی تربیت ایک جاہل عورت نہیں کرتی اسلام چاہتا ہے کہ عورتیں تعلیم یافتہ ہوں تا کہ سماج کو ایسی اولاد سپرد کرسکیں جو پوری انسانیت کے لئے مفید ہوں۔

علاوہ ازایں علم کا ہونا ایک فضیلت ہے اور جس کے پاس علم ہے اس کا مرتبہ بلند ہے جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے کہ:

''کیا جاننے والے اور نہ جاننے والے یکساں ہوسکتے ہیں'' (۴۸)

اس آیت سے اسلام کا نقطہ نظر بالکل واضح ہے کہ اسلام کی نظر میں تعلیم یافتہ کو جاہل کی بنسبت زیادہ اہمیت حاصل ہے چاہے ہو عورت ہو یا مرد۔ اسی طرح ایک اور مقام پر خداوند عالم نے انسان کی تعلیم کی بات کی ہے کہ:

''اس نے انسان کو اس چیز کی تعلیم دی جو وہ نہیں جانتا تھا'' (۴۹)

اور ہم یہ بات پہلے ثابت کر آئے ہیں کہ اسلام کی نظر میں عورت اور مرد دونوں انسان ہیں اور اسلام عورت کی انسانی حیثیت کو اسی طرح قبول کرتا ہے جس طرح مرد کی لہٰذا تعلیم کے مسئلہ میں اسلامی نقطہ نظر سے مرد و عورت دونوں برابر ہیں اور دونوں آزاد ہیں۔

☆ حریت پسند تانیثیت کا نظریہ ہے کہ:

''مخلوط اسکولس اور تعلیم کے تمام شعبوں میں لڑکوں اور لڑکیوں کو یکساں مواقع حاصل ہوں''

اسلام لڑکے اور لڑکیوں کی مخلوط تعلیم کی اجازت نہیں دیتا۔ اصلاً نہ یہ کہ مخلوط تعلیم بلکہ اسلام کلی طور پر مرد و عورت کے اختلاط کی اجازت نہیں دیتا۔ چاہے وہ تعلیم میں ہو یا دوسرے مواقع پر، مگر یہ کہ عورت کی عفت، عصمت اور حجاب محفوظ رہے اور اسی شرط کے ساتھ اسلام عورت کو آزاد قرار دیتا ہے۔

یہ مسئلہ اسلام کا کلی اور مسلمہ مسئلہ ہے کہ جس پر تمام اسلامی فرقوں کا اتفاق ہے اور شاید ہی کوئی فرقہ ہو جو اس سے اختلاف کرتا ہو۔ چنانچہ فتوی ڈاٹ کام پر پوچھے گئے ایک سوال کے جواب میں لکھا گیا کہ:

سوال: میں میڈکل کا طالبعلم ہوں بسا اوقات مجبوراً مخلوط طور پر پڑھنا پڑتا ہے کیا اس کی اجازت ہے؟

محمد علی پاکستان

جواب: مغرب میں مخلوط تعلیم کا بنیادی تصور یہ ہے کہ عورت اور مرد میں ہر طرح کی صلاحیتیں بالکل ایک جیسی پائی جاتی ہیں۔ معاشرہ کا ہر وہ کام جو مرد کر سکتا ہے وہ عورت بھی کر سکتی ہے۔ بلکہ اسے کرنا چاہیئے۔ عورت کسی بھی حد میں مرد سے کم نہیں ہے اور اسے کسی میدان میں بھی مرد سے پیچھے نہیں رہنا چاہیئے۔ مساوات کے اس نام نہاد تصور نے اصل میں مخلوط نظام تعلیم کو جنم دیا ہے۔ مخلوط تعلیم طالبات میں جس شخصیت، صلاحیت اور ذہنیت کی تشکیل کرتے ہیں وہ مخصوص فرائض ادا کرنے کی تربیت کی نہیں ہوتی بلکہ ہر میدان میں مردوں سے مسابقت، برابری اور مردوں کے دائرہ کار میں اپنی صلاحیتوں کا جوہر دکھانے کی ذہنیت ہے اس تعلیم کے نتیجہ میں مجموعی طور پر ایک طالبہ مرد بن کر کچھ کرنے میں تو ناکام رہتی ہے ساتھ ساتھ اپنے مدار حیات سے بھی ٹوٹ جاتی ہے نتیجۃً خاندانی نظام کی بنیادیں ہل جاتی ہیں۔

نصاب اور ماحول کو مخلوط بنانے کی کوشش نے نہ صرف یہ کہ معاشرتی نظام کو کھوکھلا کر دیا ہے بلکہ اخلاقی گراوٹ میں اضافہ، اساتذہ کی عزت و احترام میں کمی، مذہبی اور ملی اقدار کی تضحیک اور ثقافتی اقدار کو مٹانے کی رفتار بھی تیز کر دی ہے۔ اعلی تعلیمی اداروں پر جو دولت خرچ ہو رہی ہے اس کا نصف طالبات پر خرچ ہوتا ہے لیکن میدان کار کے بے میل جوڑ ہونے کی وجہ سے ایسی خواتین کی بہت بڑی تعداد علمی میدان میں پیشہ ورانہ خدمات انجام دینے سے قاصر رہتی ہیں۔ نتیجۃً وہ نظام تعلیم جو بنیادی طور پر طلبہ کی ضروریات کو پیش نظر رکھ کر چلایا جا رہا ہے وہ طالبات کے لئے ہرگز سودمند ثابت نہیں ہوتا۔

اس لئے ضروری ہے کہ طالبات کے لئے پرائمری سے لے کر یونیورسٹی کی سطح تک جداگانہ نظام تعلیم ہونا چاہیئے۔

جہاں صرف خواتین اساتذہ تدریس کے فرائض انجام دیں۔اس سے وہ مرد کے تسلط میں رہنے کے بجائے نہ صرف آزادانہ تعلیم حاصل کرسکیں گی بلکہ معاشرہ میں موثر کردار بھی ادا کرسکیں گی۔اگر طالبات کے لئے الگ اسکولز، کالجز اور یونیورسٹیز بنائی جائیں تو وہ طلبہ کے مقابلہ میں کئی گنا بہتر نتائج دے سکتی ہیں۔

ہمارے یہاں چونکہ وسائل کی کمی کی وجہ سے طلبہ اور طالبات کے ادارے الگ الگ نہیں ہیں تو ایسے میں لڑکوں اور لڑکیوں کو ایک ہی ادارے میں پڑھنا پڑتا ہے۔جن اداروں میں مخلوط نظام تعلیم ہے ان میں طلبہ و طالبات کو صرف کلاس یا لیکچر سننے کی حد تک ہی اکٹھے بیٹھنے کی اجازت ہونی چاہیئے کلاس کے اختتام کے ساتھ ہی لڑکے، لڑکوں کے ساتھ اور لڑکیاں ،لڑکیوں کے ساتھ بیٹھ کر پڑھیں۔اگر بالفرض کوئی چیز ایسی ہے جو آپس میں ڈسکس کرنا ضروری ہے تو یہ ڈسکشن بھی کلاس میں ہی ہونی چاہیئے اگر لڑکا اور لڑکی کلاس کے علاوہ اکیلے میں ڈسکشن کریں گے تو اس سے خرابیوں کا خدشہ ہے۔

واللہ ورسولہ اعلم بالصواب (۵۰)

یہ تو تھا علامہ طاہر القادری کا فتوی۔اب ہم یہاں مولوی نایاب حسن قاسمی۔اسکالر شیخ الہند اکیڈمی دار العلوم دیوبند کی ایک مفصل تحریر کا کچھ حصہ اس سلسلہ میں پیش کرتے ہیں۔انھوں نے سب سے پہلے اسلام میں حصول علم کی اہمیت پر روشنی ڈالپھر تعلیم نسواں کی اسلام میں آزادی کا ذکر کرتے ہوئے خود حضور کے دور میں متعدد صحابیات کی علم دوستی کا تذکرہ کرتے ہوئے موجودہ نظام تعلیم میں مخلوط نظام کے سلسلہ میں تحریر کرتے ہیں:

''جہاں تک بات ہے خواتین کے موجودہ نظام تعلیم کی جسے (co-education) کہتے ہیں۔جو مغرب سے درآمد (import) کردہ ہے اور جو دراصل مغرب کی فکر گستاخ کا عکاس، خاتون مشرق کو لیلائے مغرب کی طرح ہوس پیشہ نگاہوں کی لذت اندوزی کا سامان بنانے کی ہمہ گیر اور گھناؤنی سازش اور اس کی چادر عصمت وعفت کو تار تار کرنے کی شیطانی چال ہے اس کی مذہب اسلام تو کبھی بھی حوصلہ افزائی نہیں کرسکتا نیز عقل داناں بھی اس سے پناہ مانگتی ہوئی نظر آتی ہے۔

مخلوط تعلیم کے حوالے سے دو پہلو نہایت ہی توجہ اور انتہائی سنجیدگی سے غور کرنے کی دعوت دیتے ہیں۔

۱- یہ کہ لڑکوں اور لڑکیوں کا نصاب تعلیم ایک ہونا چاہیئے یا جداگانہ۔؟

۲-لڑکوں اور لڑکیوں کی تعلیم ایک ساتھ ہونی چاہیئے یا الگ

الگ؟

جہاں تک نصاب تعلیم کی بات ہے تو اگر چہ کچھ امور ایسے ہیں جو دونوں کے مابین مشترک ہیں اور ان کا نصاب لڑکوں اور لڑکیوں کے لئے یکساں رکھا جا سکتا ہے ۔ مثلاً زبان و ادب ، تاریخ ، معلومات عامہ (General Knowledge) جغرافیہ، ریاضی ، جنرل سائنس اور سماجی علوم (social seinece) وغیرہ لیکن کچھ مضامین ایسے ہیں جن میں لڑکوں اور لڑکیوں کے درمیان فرق کرنا ہوگا مثلاً انجیرنگ کے بہت سے شعبے، عسکری تعلیم ،اور ٹیکنیکل تعلیم ۔کیونکہ ان کی لڑکیوں کو قطعا ضرورت نہیں ہے البتہ میڈکل تعلیم کا اچھا خاصہ حصہ خواتین سے متعلق ہے اس لئے ''امراض نسواں'' ایک زمانے سے طب کا مستقل موضوع رہا ہے۔ یہ لڑکیوں کے لئے نہایت ضروری ہے۔اسی طرح لڑکیوں کی تعلیم میں امور خانہ داری کی تربیت بھی شامل ہونی چاہیئے ۔ کہ یہ ان کی معاشرتی زندگی میں انتہائی اہمیت رکھتے ہیں، سلائی ، کڑھائی ، پکوان کے مختلف اصول اور بچوں کی پرورش کے طریقے بھی ان کے نصاب تعلیم کا حصہ ہونا چاہیئے ۔ ان سے نہ صرف یہ کہ لڑکیاں گھریلو زندگی میں بہتر طور پر متوقع رول ادا کرسکتی ہیں بلکہ ازدواجی زندگی کی خوشگواری، اہل خانہ کی ہر دل عزیزی اور مشکل اور غیر متوقع صورت حال میں اپنی کفالت کے لئے آج بھی بہترین وسائل ہیں۔ ساتھ ہی لڑکیوں کے لئے ان کے حسب حال آداب معاشرت کی تعلیم بھی ضروری ہے کیونکہ ایک لڑکی اگر بہترین ماں اور فرمانبردار بیوی نہ بن سکے تو سماج کو اس سے کوئی فائدہ نہیں۔

غور کیجئے کہ جب قدرت نے مردوں اور عورتوں میں تخلیقی اعتبار سے فرق رکھا ہے، اعضاء کی ساخت میں فرق، رنگ وروپ میں فرق، قوائے جسمانی میں فرق، مزاج و مذاق حتی کہ دونوں کی پسند و ناپسند میں بھی تفاوت ہے۔ پھر اسی طرح افزائش نسل اور اولاد کی تربیت میں بھی دونوں کے کردار مختلف ہیں تو یہ کیونکر ممکن ہوسکتا ہے کہ معاشرے میں دونوں کے فرائض اور ذمہ داریاں بھی الگ الگ نہ ہوں؟ اور جب دونوں کی ذمہ داریاں علیحدہ ٹھہریں تو ضروری ہے کہ اسی نسبت سے دونوں کے تعلیمی اور تربیتی مضامین بھی ایک دوسرے سے مختلف ہوں۔ اگر تعلیمی نصاب میں دونوں کے فطری اختلاف کو ملحوظ نہ رکھا جائے اور تعلیم کے تمام شعبوں میں دونوں صنفوں کو ایک ہی قسم کے مضامین پڑھائے جائیں تو جہاں یہ طریقہ تعلیم انسانی معاشرے پر منفی اثر ڈالے گا وہیں خود عورت کے عورت پن کے رخصت ہونے کا بھی انتہائی منحوس سبب ہوگا۔ لہٰذا صنف نازک کی فطری نزاکت کے لئے یہی زیب دیتا ہے کہ وہ وہی علوم حاصل کریں جو اسے زمرۂ نسواں ہی میں رکھے اور اس کے فطری، تشخص کی محافظت کرے نہ کہ وہ ایسے علوم کی دلدادہ ہوجائے جو اسے زن سے نازن بنا دے۔

قرآن کریم کا ارشاد ہے:

''اللہ تعالی نے تم میں سے ایک دوسرے کو جو فطری برتری عطا
فرمائی ہے اس کی تمنامت کرو، مردوں کے لئے ان کے اعمال
میں حصہ اور عورتوں کے لئے ان کے اعمال میں اور اللہ تعالی سے

اس کے فضل کے طلبگار رہو، بیشک اللہ ہر چیز سے واقف ہے

(۵۱)''

اس آیت میں یہ حقیقت سمجھائی گئی ہے کہ اللہ نے انسانی سماج کو اختلاف اور رنگارنگی پر پیدا کیا ہے۔ کسی بات میں مردوں کو فوقیت حاصل ہے تو کسی معاملے میں وہ عورتوں کے تعاون کا دست نگر ہے۔

یہ مغربی ہوس کاروں کی خودغرضی اور دنائت ہے کہ انھوں نے عورتوں سے ''حق مادری'' بھی وصول کیا اور ''فرائض پدری'' کے ادا کرنے پر بھی ان بے چاریوں کو مجبور کیا۔ پھر جب انھوں نے اپنی ذمہ داری کا بوجھ عورتوں پر لاڈالنے کی ٹھان لی تو ایسا نظام تعلیم وضع کیا جس میں عورتوں کو مرد بنانے کی پوری صلاحیت موجود ہو۔ پیغمبر اسلام نے خود ارشاد فرمایا کہ:

تین افراد ایسے ہیں جو کبھی جنت میں داخل نہ ہوں گے اور ان تینوں میں سے ایک کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ''الرجلۃ من النساء''یعنی عورتوں میں سے مرد۔ دریافت کیا گیا عورتوں میں سے مرد سے کون لوگ مراد ہیں تو آپ نے فرمایا :وہ عورتیں جو مردوں کی مماثلت اختیار کریں'' (۵۲)

اس فرنگی اور مخلوط نظام تعلیم پر اقبال اور اکبر جیسے شعراء کو تشویش ہے۔ علامہ اقبال کی نظر میں مغربی آزادی اور مخلوط تعلیم کے نعروں سے ان کا مقصد یہ تھا کہ مشرقی خاتون کو بھی یورپی عورتوں کی طرح بے حیائی اور عصمت باختگی پر مجبور کردیا جائے اور مسلم قوم بھی مجموعی طور پر عیش ونوش اور عریانیت کی بھینٹ چڑھ جائے۔

چنانچہ علامہ اقبال کہتے ہیں:

جس علم کی تاثیر سے زن ہوتی ہے نازن
کہتے ہیں اسی علم کو ارباب نظر موت
بیگانہ رہے دیں سے اگر مدرسہ زن
ہے عشق و محبت کے لئے علم و ہنر موت

اور تہذیب مغرب نے جس طرح عورت کو اس کے گھر سے زبردستی اٹھا کر بچوں سے دور کارخانوں اور دفتروں میں لا بٹھایا ہے اس پر ''خردمندان مغرب'' کو اقبال یوں شرمندہ کرتے ہیں۔

کوئی پوچھے حکیم یورپ سے
ہند و یوناں ہیں جس کے حلقہ بگوش
کیا یہی ہے معاشرت کا کمال
مرد بے کار زن تہی آغوش

مخلوط تعلیم کا دوسرا پہلو لڑکوں اور لڑکیوں کی مشترک تعلیم گاہ ہے اس سلسلہ میں یہ امر ملحوظ خاطر رہے کہ ابتدائی عمر

جس میں بچے صنفی جذبات سے عاری ہوتے ہیں اور ان میں ایسے احساسات پیدا نہیں ہوتے۔ وہاں مخلوط تعلیم کی گنجائش ہے اور آٹھ نو سال کی عمر تک ابتدائی درجات کی تعلیم میں تعلیم گاہ کا اشتراک رکھا جا سکتا ہے۔ اسی لئے اسلام نے بے شعور بچوں کو نامحرم عورتوں کے پاس آمد و رفت کی اجازت دی ہے لیکن جب بچوں میں جنسی شعور پیدا ہونے لگے اور ایک حد تک بھی ان میں صنفی جذبات کی پہچان ہو جائے تو ایک ساتھ ان کی تعلیم آگ اور بارود کو ایک جگہ جمع کرنے کی مانند ہے اور اس کا اعتراف گو دیر سے سہی آج یورپ و امریکہ کے بڑے بڑے ماہرین نفسیات (psychology) و حیاتیات بشر (Humanbiology) کر رہے ہیں۔ چنانچہ انھوں نے لکھا کہ عورت و مرد میں کشش جنسی بالکل فطری اور طبعی ہے اور دونوں جب باہم ملیں گے اور کوئی مانع نہیں ہوگا تو رگڑ سے یکبارگی بجلی پیدا ہو جانا یقینی ہے۔

اور اسلام کا نقطہ نظر اس حوالے سے بالکل واضح ہے کہ ایک مرد یا عورت کے لئے کسی نامحرم کے ساتھ مل بیٹھنا کجا ایک دوسرے کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھنے کی بھی قطعاً گنجائش نہیں ہے۔ اور اسلام کا یہ نظریہ کسی خاص شعبہ حیات سے متعلق نہیں ہے بلکہ سن شعور کو پہونچنے کے بعد سے تا حیات اس کا یہی حکم ہے۔

لہٰذا اسلام نے جہاں عورتوں کو تعلیم و تربیت کے حصول کی پوری آزادی دی ہے وہیں اس کے نزدیک مرد و عورت کے درمیان اختلاط کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ موجودہ دور میں جب کہ مشرق سے مغرب اور شمال سے جنوب تک مخلوط تعلیم کی فحش کاریاں اور زیاں کاریاں ظاہر و باہر ہو چکی ہیں اور خود یورپ و امریکہ کی تعلیم گاہوں کے ماہرین تعلیم و سماجیات و عمرانیات کی رپورٹس اس کا بین ثبوت ہیں۔

چنانچہ مشہور فرانسوی عالم عمرانیات ''پول بیورو (poul bureou) اپنی کتاب To wards moral bankruptcy میں لکھتے ہیں کہ:

> ''فرانس کی متوسط طبقہ کی تعلیم یافتہ لڑکیاں جو کسی فرم میں کام کرتی ہیں اور شائستہ سوسائٹی میں اٹھتی بیٹھتی ہیں ان کے لئے کسی اجنبی لڑکے سے مانوس ہو جانا کوئی تعجب خیز امر نہیں ہے۔ اول اول اس طرز معاشرت کو معیوب سمجھا جاتا تھا مگر اب یہ اونچے طبقے میں بھی عام ہو گیا ہے اور اجتماعی زندگی میں اس نے وہی جگہ حاصل کر لی ہے جو کبھی نکاح کی تھی'' (۵۳)

امریکہ کی تعلیم گاہوں کے نوجوان طبقے کے بارے میں جج ''بن لنڈسے'' (Benlindsey) جس کو ڈنور (Denver) کی عدالت جرائم اطفال (juvenile court) کا صدر ہونے کی حیثیت سے امریکہ کے نوجوانوں کی حالت سے واقف ہونے کا بہت زیادہ موقع ملا وہ اپنی کتاب (Revolt of modern youth) میں لکھتا ہے کہ:

''امریکہ میں ہائی اسکول کی کم از کم ۴۵٪ فیصد لڑکیا اسکول سے
الگ ہونے سے پہلے ہی خراب ہو چکی ہوتی ہیں اور بعد کے تعلیمی
مدارج میں اوسط اس سے کہیں زیادہ ہے۔ لڑکیاں خود ان لڑکوں
سے اس چیز کے لئے اصرار کرتی ہیں جن کے ساتھ وہ تفریحی
مشاغل کے لئے جاتی ہیں اور اس قسم کے ہیجانات کی طلب ان
میں لڑکوں سے کہیں زیادہ ہوتی ہے۔ اگر چہ زنانہ فطرت ان
اقدامات پر فریب کاری کے پردے ڈالتی ہے'' (۵۴)

لندن کے ایک سماجی کارکن نے اپنی مطالعاتی رپورٹ میں وہاں کی مخلوط تعلیم گاہوں کی صنفی آوارگی اور جنسی انارکی (Anarchy) کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

''اسکول میں آج کل چودہ برس کے لڑکے اور لڑکیاں عام طور پر
مانع حمل کی اشیا اپنے اپنے بیگ میں لئے پھرتے ہیں کہ جانے
کب کہاں ضرورت پڑ جائے۔ اس معاملے میں وہ اپنے ماں
باپ سے زیادہ ہوشیار ہیں۔'' (۵۵)

خیر یہ تو مغربی تہذیب وتمدن کی بات ہے۔ خود مشرق میں بھی مخلوط تعلیم کے انتہائی مضرت رساں نتائج مشاہدہ میں آئے ہیں۔ غور کیجئے کہ مخلوط تعلیم گاہوں میں جہاں لڑکے اور لڑکیاں دونوں ایک ساتھ تعلیم حاصل کر رہے ہوں پھر دونوں کی نشست گاہیں بھی ایک ساتھ ہوں اور ان سب پر طرفہ یہ کہ عریاں و نیم عریاں بازو، لبہائے گلگوں، چمکتے ہوئے عارض، چشم ہائے نیم باز، بکھری ہوئی زلفیں، بلکہ سارا سراپا ''انا البرق'' کا منظر پیش کر رہا ہو تو فریق مقابل اپنے ذوق دید اور شوق نظارہ کو صبر وشکیبائی کا رہین رکھے گا یا بے تابانہ اپنی نگاہوں کی تشنگی دور کرنے کی سوچے گا؟ پھر جب جمال جہاں آرا پوری تابانیوں کے ساتھ دعوت نظارہ دے رہا ہو تو اس کی دید کی پیاس بجھے گی کیوں؟ وہ تو اور تیز تر ہو جائے گی۔

پس خواتین کو تعلیم دی جائے۔ اسلام قطعاً اس کی مخالفت نہیں کرتا بلکہ وہ تو اس کی حد درجہ تاکید کرتا ہے لیکن یہ ملحوظ رہے کہ ان کی تعلیم وہی ہو جو ان کی فطرت، ان کی لیاقت اور ان کی قوت فکر اور ادراک کے مناسب ہو اور ان کی عفت کی حفاظت میں مدد ومعاون ہو، نہ کہ ایسی تعلیم جو انہیں زمرہ نسواں سے خارج کر دے'' (۵٦)

☆ حریت پسند فمینسٹوں کا یہ نظریہ ہے کہ:''

سماج کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ عمومی اور خصوصی اور عورت کو چاہئے کہ عمومی میدان میں آئے''

ہمارے پچھلے بیان سے اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ اسلام خواتین کو عمومی میدان میں آنے کی پوری اجازت دیتا ہے مثلاً سماجی، سیاسی، اجتماعی میدانوں میں جس کے لئے ہم نے بعض مثالیں بھی ذکر کیں۔ اور آج دنیا میں وہ ممالک

جہاں مسلمانوں کی اکثریت ہے اس کی شاہد ہیں کہ پارلیمنٹ میں خواتین کی نمائندگی ہے اور وہ بڑے بڑے سیاسی واجتماعی عہدوں پر فائز ہیں، سرکاری اور غیر سرکاری اداروں میں مردوں کے ساتھ مشغول کار ہیں اور زمینوں کی کیا بات ہے آسمانوں کی بھی سیر کر رہی ہیں اور ہوائی جہاز تک اڑا رہی ہیں۔

لیکن جیسا کہ ہم نے عرض کیا اسلام عورتوں کو عمومی میدانوں میں آنے کا مخالف نہیں ہے مگر اس کی مسلمہ شرط حفظ عفت و پاکدامنی ہر مقام پر مقدم ہے چنانچہ عورت اپنے شرعی حدود میں رہ کر عمومی میدان میں وہ تمام امور انجام دے سکتی ہے جو ایک مرد انجام دے سکتا ہے۔

صدر اسلام میں بھی عورتیں عمومی میدان میں حاضر تھیں اور اجتماعی، سیاسی اور جنگی، میدانوں میں وہ اپنی ذمہ داریاں پوری کرتی تھیں۔ جیسے زخمیوں کی دیکھ بھال، بیماروں کی تیمارداری۔ جنگی مورچہ پر وسائل کا مہیہ کرنا، فوجیوں کے لئے کھانا پکانا، دوا مہیا کرنا، خراب ہونے والی چیزوں کی مرمت کرنا، شہیدوں اور زخمیوں کو محفوظ مقامات پر پہنچانا وغیرہ۔

چنانچہ ''ام عطیہ'' کہتی ہیں:

''میں نے پیغمبر اسلام کے ساتھ سات جنگوں میں شرکت کی اور گوڑاؤن کی حفاظت کے علاوہ جنگی زخمیوں کا علاج بھی میرے ذمہ تھا'' (۵۷)

سماعہ امام محمد باقر و امام جعفر صادق سے نقل کرتے ہیں کہ:

''رسول اسلام زخمیوں کے علاج کے لئے عورتوں کو بھی جنگ میں ساتھ لے جاتے تھے'' (۵۸)

اس طرح کی بہت سی روایات ہیں جن سے اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ اسلام نے عورتوں کو عمومی میدان میں آنے سے روکا نہیں ہے اور ان کو ان مقامات پر فعالیت کی پوری آزادی ہے۔

☆ حریت پسند فمنسٹوں کا یہ نظریہ ہے کہ:

''قوانین میں اصلاح ہونی چاہئے تاکہ خواتین کو مساوی حق مل سکیں''

اسلام ایک مکمل سماجی مذہب ہے اور اس نے جو قوانین بنائے ہیں چاہے وہ سماجی ہوں، سیاسی ہوں یا معاشی ہوں اس میں تمام انسانوں کی فلاح اور وقار کو مدنظر رکھا ہے اور چونکہ اسلام کا قانون الٰہی قانون ہے اس لئے اس میں کوئی تبدیلی ممکن نہیں ہے اور وہ ہر زمانہ پر منطبق ہوسکتا ہے۔ اس لئے اگر اس الٰہی قانون کے علاوہ کوئی بھی قانون بنایا جاتا ہے تو اسلام اس کی اسی حد تک تائید کرتا ہے جب تک اس میں کسی کی حق تلفی، کسی پر ظلم و ستم نہ ہو اس لئے کہ اسلام مذہب عدل ہے اور قانون عدل کی تائید کرتا ہے لہٰذا اگر کسی قانون سے خواتین کی حق تلفی ہو رہی ہے تو اسلام اس نظریہ میں حریت پسندوں کی تائید کرتا ہے اور قوانین کی اصلاح کا مطالبہ کرتا ہے۔

☆ حریت پسند تانیثیت کا نظریہ ہے کہ:

''ادبیات میں عبارتیں تبدیل کی جائیں تاکہ مردسالاری کا تصور ختم ہو''

اسلام کا نظریہ سماج کی فلاح و بہبود، علمی ترقی اور فکری بلندی پر استوار ہے لہٰذا اسلامی نقطہ نظر سے ادبیات ہوں یا نصاب تعلیم ان سب میں ان عبارتوں کا استعمال ہونا چاہئے کہ جس سے کسی صنف، فرد یا جنس کی توہین اور حق تلفی نہ ہو اور ان سے کسی کی بلندی اور کسی کی پستی کا تصور نہ ہونے پائے۔ (البتہ مرد سالاری کی گفتگو ہم بعد میں کریں گے)

اسلام کا ادبی نمونہ قرآن مجید ہے جس کی عبادتوں میں عمومیت کا عنصر اور غیر جانبداری کا اسلوب پایا جاتا ہے اور عقائد کی گفتگو ہو یا اعمال کی ہر مقام پر ان الفاظ اور ایسی عبارتوں کو استعمال کیا ہے کہ جس سے کسی صنف کی برتری یا کسی جنس کی ابتری کا تصور نہ آنے پائے اسی لئے قرآن کریم میں خطابات عام ہیں۔ جیسے: اے ایمان والو، اے لوگو، اے بنی آدم وغیرہ۔ ایسی عبارتیں جس میں مرد وعورت دونوں شامل ہیں ایسے الفاظ جن سے کوئی خاص صنف مراد نہیں ہے ہاں اگر کہیں کوئی خاص موقع آیا تو مرد وعورت دونوں کا ذکر کیا جیسے کہ ارشاد ہے کہ:

''میں کسی مرد وعورت کے عمل کا اجر ضائع نہیں کرتا'' (۵۹)

''جو بھی نیک عمل انجام دے چاہے وہ مرد ہو یا عورت وہی
لوگ جنت میں داخل ہوں گے'' (۶۰)

''مرد وعورت میں سے جو بھی نیک عمل انجام دے گا اسے ہم
حیات طیبہ عطا کریں گے'' (۶۱)

اور اس طرح کی بہت سی آیات جن میں مرد وعورت کی تصریح کی گئی ہے جس سے کسی کی سالاری کا تصور نہیں ہوتا۔ لہٰذا ادبیات میں اسلامی نظریہ کے مطابق انھیں عبارتوں اور الفاظ کو استعمال کیا جانا چاہئے جن سے سماج میں کوئی غلط پیغام نہ پہنچے، کسی کی حق تلفی نہ ہو اور کسی کی تحقیر و تذلیل نہ ہو تا کہ نظام عدل و مساوات برقرار رہے۔

۲۔ مارکسی تانیثیت کے اہم نظریات:

۱-عورت کی کمزوری اورمحرومی کی اصل وجہ سرمایہ داری، مالکیت خصوصی اور بورژوا تہذیب ہے۔
۲-شادی کا نظام مردوں نے عورتوں سے خدمت کے لئے بنایا ہے۔
۳-مردوعورت کی سماج میں برابری کے لئے سماج سے نظام طبقہ کوختم کر دینا چاہیئے تاکہ تمام انسانوں کو مساوی حقوق حاصل ہوسکیں۔
۴-برگشتگی کا تصوریعنی اشیا پیدا کرنے والے اور اشیاء کو الگ الگ دیکھنے کی وجہ سے برگشتگی۔(۶۲)

۲۔ مارکسی تانیثیت :

جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ مارکسزم ایک سیاسی نظریہ ہے اور یہ نظریہ لیبرلزم سے بالکل مختلف ہے۔ لیبرلزم کا تعلق سرمایہ داری سے ہے جب کہ مارکسیزم اس کے برخلاف ہے۔ مارکسیزم کا نظریہ یہ ہے کہ:

''سرمایہ داری ہی عوتوں پر ظلم کی اصل وجہ ہے''

حریت پسند تانیثیت کے نظریہ کے سامنے آنے کے کچھ ہی عرصہ بعد عورتوں کے حقوق کے دفاع کی مغرب میں ایک اور ہوا چلی یہ سلسلہ جرمنی سے شروع ہوا اور اس نے مکمل طور پر اقتصادی نظریہ سے عورت پر ظلم وستم کے وجوہات کو دیکھا۔ کارل مارکس اور اس کے بعد انگلس اپنے دوست مارکس کے نوٹس سے استفادہ کرتے ہوئے اپنی کتاب ''منشاء خانوادہ مالکیت خصوصی و دولت'' کے ذریعہ اس نظریہ کی بنیاد رکھنے والے ہیں۔

ہم باب سوم میں اس نظریہ کے متعلق تفصیلی گفتگو کر آئے ہیں یہاں ان نظریات کا اسلامی تناظر میں مطالعہ در پیش ہے۔ چنانچہ

☆ مارکسی تانیثیت کے حامیوں کا ماننا ہے کہ:

''عورت کی کمزوری اور محرومی کی اصل وجہ سرمایہ داری، مالکیت خصوصی اور بورژوازی تہذیب ہے''

(بورژوازی تہذیب یعنی سرمایہ داری کو وہ طبقہ جو تولیدی وسائل اور سرمایہ پر قبضہ کرنے کی وجہ سے خوش حال زندگی گزارتے ہیں)

مارکسیزم کا یہ نظریہ کہ ''عورت کی محرومی کا ذمہ دار سرمایہ دار نظام ہے'' اگر چہ ظاہراً لگتا ایسا ہی ہے لیکن یہ نظام کس کا بنایا ہوا ہے؟ یہ نظام انسانوں کا ہی بنایا ہوا ہے اور اسلام اس نظام کی ہرگز تائید نہیں کرتا ہے۔

اسلام ایک آفاقی مذہب اور الٰہی دین ہے اور اس کے قوانین الٰہی قوانین ہیں جو خالق بشر کی طرف سے مرتب کئے گئے ہیں جو تمام انسانوں کے مصالح ومفاسد سے بخوبی آگاہ ہے۔ لہٰذا اس نے انسانوں کے انفرادی، اجتماعی، سیاسی، معاشرتی اور اقتصادی قوانین کچھ اس طرح سے بنائے ہیں کہ سرمایہ داری نظام کے ذریعہ کوئی کسی کا استحصال نہ کر سکے ۔اقتصاد اسلامی اور اقتصاد سرمایہ داری میں فرق ہے۔

(ا) اسلامی نظام اقتصاد میں صرف اقتصادی مشکل کا حل مقصد نہیں ہے بلکہ اقتصاد اسلامی سماج کے بلند مقاصد تک پہونچنے کا ایک وسیلہ وذریعہ ہے۔ وہ سماج جس کے تمام افراد خود کو ایک خانوادہ کا عضو یعنی امت اسلامی سمجھتے ہیں۔

لیکن سرمایہ داری اقتصاد میں مال کی افزائش اور سرمایہ اندوزی مقصد ہے۔

(۲) اسلامی اقتصاد میں عدالت اور خیر خواہی بنیاد ہے۔ مسلمان صرف فائدہ ہی کی نہیں سوچ سکتا کہ وہ عدل و اسلامی انفاق کو بھول جائے۔ اسلام انسان کی فطرت کو خود پسند و خود پرست نہیں مانتا۔

لیکن سرمایہ داری اقتصاد، زیادہ سے زیادہ فائدہ حاصل کرنا۔ لوگوں کی کوششوں کا تنہا محرک ہوتا ہے۔

(۳) اسلامی نقطہ نظر سے مالکیت کا مفہوم اجتماعی عدالت سے وابستہ ہے۔ مالکیت پوری طرح نظام سے ہماہنگ ہے اور اس طرح سے منظّم ہے کہ جس میں کسی قسم کا بھی استحصال، ذخیرہ اندوزی کی گنجائش نہیں ہے۔ اسلام میں مالکیت کی بنیادی کئی قسمیں ہیں (خصوصی، عمومی، حکومتی) اس کے باوجود کہ اسلام خصوصی مالکیت کا احترام کرتا ہے لیکن لوگوں کو یاد دلاتا ہے کہ وہ خدا، سماج، قوم اور تہی دستوں کے سامنے جوابدہ ہیں۔

لیکن سرمایہ داری اقتصاد، سرمایہ داری نظام میں خصوصی مالکیت ایک اصل اور قانون ہے اس نظام میں لوگ ہر چیز کے مالک ہوسکتے ہیں جیسے آلات تولید وغیرہ کے۔

(۴) اسلامی اقتصاد میں اجرائی قدرت (حکم کو نافذ کرنے والے) افراد یا حکومت سے تشکیل نہیں پاتی بلکہ وہ مختلف اداروں کا ایک مجموعہ ہوتی ہے کہ جس میں اسلامی حکومت، خیریے اور خصوصی ادارے شامل ہیں۔ یہ حکومت کا فرض ہے خیریے کے ذریعہ غیریبی کو دور کرے اور اجتماعی و اقتصادی، بے عدالتی کو دور کرے اور مکمل روزگار، مطلوب ترقی، امن و امان، اجتماعی سکون اور درآمد کی عادلانہ تقسیم کو انجام دے۔

لیکن نظام سرمایہ داری میں اقتصاد اور بنیادی فیصلہ کرنے کی طاقت خریدنے اور بیچنے والوں پر منحصر کرتی ہے اور وہ لوگ اشیاء کی کیفیت، قسم، مقدار اور طریقے کو مارکیٹ میں ڈیمانڈ کے اعتبار سے فیصلے کرتے ہیں۔

(۵) اسلام میں ایک دوسرے کی مدد کرنے، بھائی چارگی، سماجی اقتصادی منافع کو اجتماعی مفاد کے لئے ہونے پر تاکید ہے۔ اسلامی اقدار کا محرک کسی بھی ایسے محرک کا مخالف ہے جو استحصال، بربادی اور کمزوری کا سبب بنے۔ اسلام تعاون، اخوت اور ہم دلی کی تاکید کرتا ہے۔

لیکن سرمایہ داری نظام میں تولیدی کام میں مشغولیت کا اصل محرم انفرادی و شخصی فائدہ ہے یعنی کسی بھی قسم کا اقتصادی فیصلہ فائدہ کے محور پر استوار ہے۔

(۶) اسلامی اقتصاد میں حکومت ایسی شرائط کو ایجاد کرتی ہے کہ جس کے ذریعہ لوگ اسلام کے بلند مقاصد کے مطابق زندگی گذار سکیں۔ حکومت اسلامی کے ایک اہم مقاصد میں سے یہ ہے کہ وہ اقتصادی معاملات میں اخلاق اور معنویت کو موثر بنائے اور پھر اسے سماج میں جاری کرے۔

لیکن سرمایہ داری اقتصاد میں حکومت کا رول کم سے کم ہونا چاہیئے اور اقتصادی فعالیت کی رہبری اقتصادی کارفرما کی طرف سے ہو۔

(۷) اسلامی اقتصاد میں سماج کی سہولیات، و بہبود کے لئے جو اخراجات ہوتے ہیں وہ سب جائز ہیں اور وہ خرچ جو سماج کے نقصان کا سبب بنے حرام ہے۔ اسلامی سماج کا خرچ صرف مادی پہلو نہیں رکھتا بلکہ ایک اجتماعی اور اخلاقی مسئلہ بھی ہے۔

جب کہ سرمایہ داری اقتصاد میں خرچ صرف ایک مادی مسئلہ ہے۔

(۸) اسلامی اقتصاد میں اقتصادی ترقی اور پھیلاؤ کا مقصد ایک ایسے سماج کی تشکیل ہے کہ جس میں اقتصادی عدالت برقرار رہے اسلام میں اقتصادی ترقی اصل مقصد نہیں ہے بلکہ یہ وسیلہ ہے اس بات کے لئے کہ سماج کو اس کے ذریعہ اقتصادی عدالت تک پہونچایا جائے۔

لیکن سرمایہ داری نظام میں اقتصادی فعالیت کا اصل مقصد مال وثروت میں ترقی اور وسعت ہے جو اس کی تقسیم کو مد نظر رکھے بغیر انجام پاتی ہے۔

شہید محمد باقر الصد کے مطابق اس پوری بحث کا نتیجہ یہ ہے کہ:

تمام اسلامی نظام اقتصاد میں حکومت کا فرض ''تامین اجتماعی اور حفظ توازن اجتماعی'' ہے۔ تامین اجتماعی میں حکومت سماج کے تمام لوگوں کی زندگی کے وسائل کو فراہم کرے اور حکومت اس ذمہ داری کو دو طرح سے انجام دیتی ہے۔ یا تو خود وہ اقتصادی ادارے قائم کر کے لوگوں کے لئے اقتصادی فعالیت میں مفید و موثر طریقے سے شریک ہونے کا امکان فراہم کرے تا کہ وہ لوگ کام وکوشش کے ذریعہ اپنی زندگی کو چلاسکیں۔ یا سرمایہ گذاروں کو مالی امکانات اور سرمایہ فراہم کرے اور وہ اس کام کو انجام دیں۔ یہ اس وقت ہوگا جب حکومت کسی خاص مجبوری کی وجہ سے خود بلا واسطہ یہ کام انجام نہ دے سکے۔

اور ''توازن اجتماعی'' یعنی لوگوں کی ضرورتوں کو پورا کرنا اور سماج کے افراد میں توازن برقرار رکھنا، ان کی زندگی کی سطح کے اعتبار سے اور زندگی کی سطح کا مطلب یہ ہے کہ لوگوں کی دسترس میں اس قدر سرمایہ ہو کہ جس کے ذریعہ زمانہ کے حالات کے اعتبار سے زندگی کی سہولیات فراہم کرسکیں۔

اسلامی حکومت ایسے قوانین بنا کر جو فقہ وشریعت میں صریحا نہیں آئے ہیں لوگوں کے اقتصادی مسائل کو حل کرنے میں کلیدی کردار ادا کرسکتی ہے۔ اور اس کو ''قانونی آزادی'' کہتے ہیں جو اسلامی نظام اقتصاد میں جاری وساری ہے اور یہ بات تو واضح ہے کہ بینک کا نظام جن مواقع پر شریعت کا صریح حکم نہیں ہے نیا قانون نہیں بنا سکتا۔ (۶۳)

گزشتہ بحث سے یہ اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اسلام کا نظام اقتصاد انسانوں کے لئے ہے اور اس میں کسی مذہب و ملت سے اختصاص نہیں ہے اور یہ ایسا قانون ہے کہ جس سے سب کو برابر فائدہ پہنچے اور کسی کا استحصال نہ ہو یا کسی کی محرومیت کا سوال نہ پیدا ہو لہٰذا اگر سرمایہ دارانہ نظام ایسے قوانین مرتب کرے جن میں کسی صنف کی حق تلفی اور محرومیت نہ ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

چنانچہ اسلام میں احتکار، زخیرہ اندوزی، عوام کی مجبوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے قیمتوں میں اضافہ کرنا، ملاوٹ، دھوکا دھڑی، معاملات میں جھوٹ بولنا یا جھوٹی قسم کھانا وغیرہ یہ سب چیزیں حرام ہیں۔

رہی بات مالکیت خصوصی کی تو پچھلی بحث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ مالکیت خصوصی اسلامی اعتبار سے کسی کی محرومیت کا سبب نہیں ہے اس لئے کہ جس سماج میں غریبوں کی ضرورت امیروں کے ذریعہ پوری ہو جارہی ہو اور کمزور طبقہ کی مالی امداد ہو رہی ہو اور حکومت ایسے پروگرام بنا رہی ہو جس کے ذریعہ کوئی محروم نہ رہ جائے تو پھر وہاں کسی کی محرومی کا کیا سوال ہوسکتا ہے اور اسلام اپنے نظام اقتصاد میں زکات، فطرہ، خمس، صدقہ وانفاق جیسے پروگرام کو اسی لئے واجب العمل قرار دیتا ہے تاکہ سماج کی کوئی فرد محرومیت کا شکار نہ ہو اور یہیں سے بورژوا تہذیب کا مسئلہ بھی حل ہو جاتا ہے کہ اسلامی نظام اقتصاد میں مالک کوئی بھی ہو لیکن فائدہ سب کو پہونچتا ہے تو پھر مالکیت کسی کی بھی ہو محرومیت کسی کے لئے نہیں ہوگی۔

☆ مارکسی تانیثیت کا ایک نظریہ ہے کہ:

''شادی کا نظام مردوں نے عورتوں سے خدمت لینے کے لیے بنایا ہے''

چونکہ ماکسزم کا نظریہ پوری طرح مادی ہے اور وہ ماورائے مادہ کسی حقیقت کا تصور نہیں کرتے اس لئے ان کے افکار بھی مادی ہونے کی وجہ سے بہت سی باتیں جو خود ان کے ذہن اور تخیلات کی دین ہیں اس پر یقین رکھتے ہیں جن کی کوئی سند نہیں ہوتی۔

چنانچہ انگلس (Friedrich Engels) اپنی کتاب ''منشأ خانوادہ، مالکیت خصوصی و دولت'' (The Origin of the Family ,Private Property and the State) میں لکھتا ہے کہ:

''نظام خانوادہ کے رونما ہونے سے پہلے جنسی مسائل عام وآزاد تھے۔ اور یہ آزادی سب کے لئے تھی کہ کوئی عورت بھی کسی مرد کا جوڑا ہوسکتی ہے اور اس کے برعکس یعنی کوئی مرد بھی کسی عورت کا جوڑا ہوسکتا ہے (یعنی جنسی عمل انجام دے سکتا ہے) اصل میں سارے مرد، ساری عورتوں کے جوڑے تھے (جنگل کے جانوروں کی طرح)۔ انگلس کے حساب سے فطری انتخاب کی بنیاد پر آہستہ آہستہ مختلف قسم کے خونی رشتوں کی وجہ سے شادی کے لئے مشروع جوڑے بنا لئے گئے۔ قبیلوں میں عورتوں کی روز افزوں کمی کی وجہ سے جو مردوں کی دست رس میں تھیں آہستہ آہستہ مرد کسی عورت کو حاصل کرنے کے لئے طاقت کا استعمال کرنے لگے اور نتیجہ میں خانوادہ وجود میں آ گیا جس میں ایک مرد ایک عورت سے شادی کرتا ہے''
(۶۴)

مندرجہ بالا باتوں کا مطلب یہ ہے کہ انسان نظام خانوادہ کے تشکیل پانے سے پہلے جانوروں کی طرح زندگی گذارتا تھا اور کسی بھی قسم کے شعور سے بے بہرہ تھا۔ اور پھر آہستہ آہستہ اس کو سمجھ آئی۔ یا یوں کہا جائے کہ اس نے مجبورا خانوادگی نظام کو اختیار کیا۔ جب کہ قرآن کریم اس کے بالکل برخلاف نظریہ رکھتا ہے۔ قرآن کریم کی نظر میں انسان وہ مخلوق ہے جس کو خداوند عالم نے تمام مخلوقات میں افضل واشرف بنایا ہے اور علم وشعور واحساسات مثبت اس کی فطرت میں ودیعت

کئے ہیں۔ چنانچہ جب خلقت آدم کی بات کرتا ہے تو ارشاد ہوتا ہے کہ:

''(خداوند عالم نے) تمام اسماء کا علم عطا کیا'' (۶۵)

اور اسی علم کی بنیاد پر ان کو فرشتوں پر فوقیت و برتری عطا فرمائی۔ لہٰذا قرآن کی رو سے انسان اول علم وشعور لے کر اس دنیا میں آیا اور اس کے اندر ایک خانوادہ کی تشکیل کا شعور روز اول سے ہی رہا ہے۔ کیونکہ قرآن کریم نے پہلے ہی روز ایک خانوادہ کا تعارف کرایا ہے کہ جب جناب آدم کی تخلیق کا مرحلہ طے ہو گیا تو خداوند عالم نے جناب آدم سے فرمایا:

''اور ہم نے آدم سے کہا (اے آدم) تم اور تمہاری زوجہ جنت میں رہو اور جو چاہو اس میں کھاؤ'' (۶۶)

تم اور تمھاری زوجہ کا مطلب خلقت کے پہلے ہی روز خانوادہ کی تشکیل ہوگئی۔ بنابریں اسلامی نقطۂ نظر سے خانوادہ کوئی انسانوں کا بنایا ہوا نظام نہیں بلکہ خداوند عالم نے اس کو تشکیل دیا ہے اور یہ بعد میں نہیں بلکہ شروع سے ہے اور آدم و اولاد آدم میں اس کا شعور رہا ہے۔

رہی بات یہ کہ نظام خانودہ میں عورت، مرد کی خدمت کے لئے ہوتی ہے۔ یہ بات موجودہ اور گذشتہ ادوار کے سماجی نظام سے تو بالکل ہماہنگ ہے کہ لوگ عورت کو خدمت گار سمجھتے تھے اور ابھی بھی بہت لوگوں کا شاید تصور یہی ہے (غیروں کی کیا بات ہے بہت سے مسلمانوں کا تصور آج بھی ہے البتہ وہ مسلمان جو قانون اسلام سے بے بہرہ ہیں) اس لئے کہ جس نظام میں مہر ونفقہ، مزدوری اور اجرت تصور کی جائے گی وہاں عورت خادمہ ونوکر ہی سمجھی جائے گی۔ لیکن ----اسلام کے نظام حقوق میں بات اس کے برعکس ہے کہ عورت نہ یہ کہ خادمہ ونوکر نہیں ہے بلکہ مرد پر خود اس کی حفاظت، روٹی، کپڑے اور مکان کی ذمہ داری ہے۔

اسلام نے عورت کو فرد کا مقام دیا ہے وہ بھی فرد برابر با مرد، نہ کہ ''صنف دوم'' اور اس کو تمام معاملات میں آزاد رکھا ہے، اس کو اپنے مال کا مالک اور اس میں تصرف کا حق دیا ہے۔ ہاں رشتہ ازدواج میں بندھنے کے بعد اگر کچھ حقوق مرد پر واجب ہوتے ہیں تو متقابلا کچھ عورت پر بھی واجب ہوتے ہیں۔ اگر مرد پر مہر ونفقہ واجب ہوتا ہے تو عورت پر شوہر کی اطاعت اور جنسی تمکین۔ اس کے علاوہ اسلام کا کوئی قانون نہیں کہتا کہ عورت:

۱- مرد کے کپڑے دھلے۔
۲- اس کے لئے کھانا بنائے۔
۳- اس کے گھر کی صفائی کرے۔
۴- اس کے لئے دولت کمائے۔
۵- مرد کے والدین اور اعزاء وخاندان والوں کی خدمت کرے۔
۶- اس کے بچوں کو دودھ پلائے۔

۷-اس کے بچوں کی پرورش کرے وغیرہ----لیکن----جب خانودہ کی تشکیل ہوتی ہے اور فطری عدالت و تقاضے برسرکار آتے ہیں تو اگر چہ دین وشریعت نے مطالبات نہیں کیئے ہیں لیکن نظام زندگی کو متعادل بنانے کے لئے مرد و عورت میں سے ہر ایک کو اپنی استعداد وصلاحیت اور اپنے جسمانی وروحانی تقاضوں کی مناسبت سے اپنے اپنے کام انجام دینے چاہئیں تا کہ ہر فرد اپنی جگہ پر اپنا کام انجام دیتا رہے اور آپس میں میل ومحبت برقرار رہے۔

یہی نہیں بلکہ گھر میں مردوں کو اپنے فارغ اوقات میں چھوٹے موٹے گھریلو کام کو انجام دینے کے سلسلہ میں ایسی بہت سی روایتیں ہیں جو مرد کو اس بات کا شوق دلاتی ہیں کہ وہ اپنی بیویوں کی مدد کیا کریں۔ چنانچہ ارشاد رسول کرم ہے:

اے علی:

۱-وہ مرد جو گھر میں اپنی بیوی کی مدد کرے خداوند عالم اسے ایک سال کی ایسی عبادت کا ثواب عطا کرے گا جس کے دنوں میں روزے رکھے گئے ہوں اور راتوں کو نمازیں قائم کی گئی ہوں۔

۲-اسے خداوند عالم صابروں کا ثواب بھی دے گا اور یعقوب وداؤد وعیسیٰ علیہم السلام کا ثواب عطا کرے گا۔

۳-اے علی: جو بھی گھر کے اندر اپنی بیوی کی مدد کرے اور اس کو تنگ نہ جانے خداوند عالم اس کا نام شہداء میں لکھے گا۔اور ہر روز وشب اس کو ہزار شہید کا ثواب عطا کرے گا۔(۶۷)

ایسی بہت سی روایتیں احادیث کی کتابوں میں درج ہیں لیکن-----اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ مرد سارا کام چھوڑ کر بس بیوی کے ساتھ گھر کے کام میں لگا رہے۔ایسی احادیث ان افراد کے لئے ہیں جو گھر کے اندر اپنے فارغ اوقات میں بھی کچھ نہیں کرتے اور خود کو فرعون زمانہ تصور کرتے ہیں۔

لہٰذا اسلامی نقطہ نظر سے شادی نہ یہ کہ اس لئے نہیں ہوتی کہ عورت کو مرد کی خدمت کا ذریعہ بنایا جائے بلکہ شادی وہ مقدس پیوند ہے جو افراد بشر کے درمیان محبت والفت اور ایثار وقربانی کے جذبہ کو فروغ دیتا ہے۔

عورت ومرد کو شادی کے بعد سب کا خیال رکھنا چاہیئے اور صرف اپنی ہی فکر میں نہیں رہنا چاہیئے۔اس لئے کہ میاں بیوی کا آپس کا رابطہ دو پڑوسیوں یا دو دوستوں جیسا نہیں ہے بلکہ اس سے بہت بلند ہے اس سلسلہ میں قرآن کریم نے بہت اچھی بات کہی ہے:

''خداوند عالم کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ اس نے تم ہی
میں سے تمہارے لئے جوڑے پیدا کیئے تا کہ اس سے تم سکون
حاصل کرو اور اس نے تمہارے درمیان محبت والفت قرار دیا اور
اس میں صاحبان عقل کے لئے نشانیاں ہیں''(۶۸)

ایک دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے:

''عورتیں تمہارے لئے اور تم ان کے لئے لباس ہو''(۶۹)

عورت و مرد دونوں کو برابر سے ایک دوسرے کے لئے لباس ہونے کا مطلب دونوں کا ایک دوسرے کے ساتھ شدید رابطہ ہے۔اس لئے کہ لباس انسان کے جسم سے سب سے نزدیک ترین چیز ہےاوراس کی ہر وقت اسے ضرورت ہے ۔سردی ہو یا گرمی، وہ انسان کی حفاظت کرتا ہے،اس کے عیبوں کی پردہ پوشی کرتا ہےاوراس کو حسن وسکون عطا کرتا ہے،میاں اور بیوی بھی ایک دوسرے کے لئے اسی طرح ہیں۔

اسلام نے میاں اور بیوی دونوں کے لئے حقوق مقرر کئے اوران حقوق کو دوحصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

ا-وہ حقوق وذمہ داریاں جو دونوں میں مشترک ہیں۔

۲-مخصوص حقوق وذمہ داریاں۔

ا۔مشترک ذمہ داریاں:

وہ حقوق جن کی زوجہ وشوہر دونوں کو رعایت کرنا ضروری ہے:

ا-حسن معاشرت: زوجہ وشوہر دونوں کا ایک دوسرے سے برتاؤ اچھا ہونا چاہیئے۔چنانچہ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

''عورتوں کے ساتھ نیکی کے ساتھ زندگی گزارو''(۷۰)

زوجہ وشوہر ایک دوسرے کے ساتھ مہربانی،خوش اخلاق،اچھا برتاؤ،ایک دوسرے کے ساتھ غم خوار و مددگار باادب وانصاف، سچے اور رازدار،امین ووفادار اور خیرخواہ ہوں۔اس سلسلے میں پیغمبر اسلام کی روایت ہے کہ:

''ایمان کے اعتبار سے کامل تر وہ شخص ہے جس کا اخلاق اچھا ہو''

تمھارے بہترین لوگ وہ ہیں جو اپنی بیویوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرتے ہیں''(۷۱)

۲-ایک دوسرے کے لئے جاذب ہونا: زوجہ وشوہر دونوں کا فرض ہے کہ صفائی،لباس پہننے،سروصورت کی اصلاح اور ایک دوسرے کی پسند کی رعایت کریں۔اسلام عورتوں کو تاکید کرتا ہے کہ گھر میں اپنے شوہروں کے لئے میکپ کریں اور اپنے بہترین لباس کو پہنیں، پاک وصاف رہیں اور خوشبو لگائیں۔امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

''ایک عورت رسول خدا کی خدمت میں آئی اور سوال کیا: مرد کا عورت پر کیا حق ہے؟

آپ نے فرمایا: عورت کا فرض ہے کہ بہترین خوشبو لگائے، بہترین لباس پہنے، بہترین زیور سے خود کو آراستہ کرے اوراس

طرح سے خود کو اپنے شوہر کے لئے آمادہ ہو، اور مرد کے فرائض
اس سے زیادہ ہیں'' (۷۲)

مرد پر بھی یہی فرائض ہیں کہ اپنی زوجہ کے لئے پاک و پاکیزہ رہے، اچھے لباس پہنے، بہترین خوشبو لگائے، داڑھی و بال کو ٹھیک سے رکھے اور گھر کے اندر اچھی زندگی گزارے۔

۳-استمتاع: اگر چہ صرف جنسی خواہش کو پورا کرنا ہی شادی کا مقصد نہیں ہوتا لیکن شادی کے ایک اہم اور اولین محرک کے عنوان سے جانا جاتا ہے۔ لہٰذا جنسی خواہشات کو پورا کرنا، زوجہ و شوہر کے فرائض میں سے ایک ہے۔ زوجہ و شوہر دونوں کو ایک دوسرے سے لطف اندوز ہونے اور ایک دوسرے کی جنسی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے تیار رہنا چاہیئے۔ جب بھی ان دونوں میں سے کوئی ایک اس ضرورت کا اظہار کرے، دوسرے کو چاہیئے کہ بہانے نہ بنا کر اس کی خواہش کو پورا کرے۔ چنانچہ پیغمبر اسلام عورتوں سے فرماتے تھے:

''اپنی نمازوں کو اس قدر طولانی نہ کیا کرو کہ اپنے شوہروں کی
خواہش پوری نہ کر سکو'' (۷۳)

۴-بچوں کی تربیت وحفاظت: بچوں کی تعلیم وتربیت اور ان کے جسم و جان کی حفاظت زوجہ و شوہر دونوں کی مشترک ذمہ داری ہے اور اس سلسلہ میں دونوں کا کردار اہم ہے لیکن ماں کا کردار زیادہ حساس ہے۔ اس سلسلہ کی تفصیلی گفتگو اسی باب کی آئندہ فصل میں آئے گی۔

شادی چونکہ ایک رشتہ ہے، ایک پیوند ہے جہاں اسلامی نقطہ نظر سے ایک مرد اور ایک عورت کی مشترک زندگی کا آغاز ہوتا ہے اس لئے دونوں پر کچھ ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں جن میں سے کچھ شوہر اور بیوی میں مشترک ہیں اور شوہر سے مخصوص ہیں اور کچھ بیوی سے۔ انھیں ذمہ داریوں کو بطور احسن انجام دینا ہی شادی کا اصل مقصد اور سماج میں طہارت ، محبت اور شر و فساد سے تحفظ کی ضمانت ہے۔

۲۔مخصوص ذمہ داریاں:

ا۔۲-شوہر کی ذمہ داریاں:

ا۔ا۔۲۔مہر:

اسلام میں مہر عورت کا وہ حق ہے جو شوہر اپنی ملکیت ، مال یا املاک میں سے کچھ لڑکی کو دے۔ اور جب تک میاں بیوی کے تعلقات باقی رہیں، شوہر، بیوی بچوں کے تمام اخراجات پورے کرے۔

اس رسم کی بنیاد کیا ہے؟ یہ رسم کیوں اور کیسے شروع ہوئی ؟ یہ مہر کی مد کیا ہے؟ عورت کو نفقہ دینے کا کیا مطلب کیا ہے؟ کیا اگر عورت و مرد اپنے فطری و انسانی حقوق سے بہرور ہوں اور ان میں عادلانہ و انسانی رشتے برقرار ہوں، بیوی سے

انسان جیسا سلوک کیا جائے تب بھی مہر و نان ونفقہ کا سوال پیش آ سکتا ہے؟ ایسا تو نہیں کہ مہر و نان ونفقہ اس زمانے کی یادگار ہو جس وقت بیوی شوہر کی مملوک ہوا کرتی تھی؟

عدل اور حقوق انسانی کی برابری - خصوصاً بیسویں صدی کا - تقاضا یہ ہے کہ مہر و نان ونفقہ کا سسٹم ختم کیا جائے۔ شادیاں بلا مہر ہوں، نفقہ کا مسئلہ ختم کیا جائے اور عورت خود اپنی مالی و اقتصادی ذمہ داری برداشت کرے۔ اولاد کے معاملات میں بھی دونوں برابر کے کفیل ہوں۔

البتہ مہر کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ:

''قبل از تاریخ، انسان وحشیانہ زندگی گزارتا تھا، قبیلوں کی صورت میں رہتا اور نامعلوم اسباب کی بنا پر اپنے خون شریک سے شادی کرنا ناجائز جانتا تھا۔ شادی کے خواہش مند جوان مجبوراً دوسرے قبیلہ سے معشوقہ و شریک زندگی مانگنے جاتے تھے۔

ان دنوں مرد اولاد کی پیدائش میں اپنا کردار نہیں جانتا تھا اسے واقفیت نہ تھی کہ جنسی عمل اولاد کی پیدائش میں موثر ہے۔ اولاد کو بیوی کی اولاد سمجھتے تھے اپنی اولاد نہیں جانتے تھے۔ نسب، باپ کے بجائے ماں سے منسوب کرتے تھے۔ بچوں میں باپ سے مشابہت محسوس تو کرتے تھے مگر اس کی وجہ معلوم نہ تھی ان کے نزدیک مرد قوت تولید سے محروم مخلوق تھی، شادی کے بعد شوہر ایک ضمنی شخصیت کے طور پر بیوی کے ساتھ اسی کے قبیلے میں رہتا اور بیوی اس کی جسمانی قوت اور رفاقت سے فائدہ اٹھاتی تھی۔ اس عہد میں ماں کی حکومت کا دور تھا۔ (زن سالاری)

جلد ہی مرد کو عمل تولید میں اس کا حصہ معلوم ہو گیا اور اب وہ فرزند کا اصل مالک بن گیا۔ اسی وقت سے اس نے عورت کو اپنا تابع بنالیا اور خود گھر کا سربراہ بن گیا اور یہاں سے باپ کی حکومت کا عہد شروع ہوا'' (مرد سالاری)

آہستہ آہستہ جنگ کے بجائے صلح کا راج ہوا اور مختلف قبائل مل جل کر جینے کے ڈھنگ سیکھ گئے۔ اب لڑکی کو بھگا کر لے جانے کی ضرورت نہ رہی۔ لڑکا اپنی پسندیدہ لڑکی حاصل کرنے کے لئے دوسرے قبیلے میں جا کر لڑکی کے باپ کی خدمت، مزدوری کرتا، باپ اس کی محنت مزدوری کے بجائے اسے اپنا داماد بنالیتا اور لڑکا اس لڑکی کو اپنے قبیلے میں لے جاتا۔

دولت میں اضافہ ہوا تو مردوں نے سوچا مدتوں منگیتر کے باپ کی خدمت کرنے سے بہتر یہ ہے کہ مناسب ہدیہ اسے پیش کر کے منگیتر لے لی جائے اور اس طرح ''مہر'' ایجاد ہوا''

دراصل مہر جیسی چیز اور نان ونفقہ کے نام پر جو اخراجات ہوتے تھے اس کے صلہ میں بیوی سے یک جائی کے زمانے تک جو محنت و مزدوری لیتی تھی وہ اس کا عوضانہ تھا۔

یہ ساری باتیں نظام اسلام کے ظہور کے پہلے کی ہیں۔ لیکن اسلامی نظام قانون میں مہر کا تصور اور ہے اور ساتھ ہی عورت کے لئے اسلام نے سب سے الگ اقتصاد کا قانون معین کیا۔

اس نظام کو قرآن کریم نے قبول کیا۔ اس نے شادی کی بنیاد یہی مانی۔ قرآن کریم میں متعدد آیتیں بتائی ہیں کہ

''مہر'' عورت کا مال ہے اور اس پر کسی کا حق نہیں ہے۔

مہر کا عورت کی حیا اور پاکدامنی سے گہرا رشتہ ہے، عورت اپنے فطری الہام سے یہ جان چکی ہے کہ اس کی عزت و حرمت اس پر موقوف ہے کہ وہ اپنے تئیں گر پڑ کے مرد کے اختیار میں نہ دے۔ یہی اسباب ہیں کہ عورت باوجود جسمانی نزاکت کے مرد کو درخواست گذار کے طور پر اپنے آستانے پر کھینچ لاتی ہے۔ مردوں کو رقابت میں برسر پیکار کھڑا کرتی ہے اور خود رومانس اور عشق کے بہانے مرد کے پنجے سے نکل جاتی ہے۔

چنانچہ مہر وہ عمومی آئین کی قانونی شق ہے جس کی تحریریں متن تخلیق میں قلم قدرت نے فطرت کے قلم سے لکھی ہے ۔قرآن نے مہر کے تصور کو سماجی آلودگیوں سے پاک وصاف کر کے فطرت کا صحیح روپ نکھار دیا۔قرآن کریم اپنی بے مثال لطافت اور خوش اسلوبی کے ساتھ کہتا ہے:

''عورتوں کا مہر، جوانھیں کا ہے (باپ یا بھائی اس سے کوئی تعلق نہیں) عطیہ وپیش کش کے طور پر خود ان کو دے دو'' (۷۴)

قرآن مجید نے چھوٹے سے جملے میں تین نکتوں کی طرف اشارہ کیا ہے۔

۱- مہر کو مہر کے بجائے ''صَدُقَۃ'' کے نام سے یاد کیا ہے۔ اور مہر کو صدقہ اس لئے کہا کہ وہ مرد کے رشتے کو سچا قرار دیتا ہے۔ کشاف نے اپنی تفسیر میں اس نکتہ کی تشریح کی ہے۔

۲- صدقات میں ''ھنَّ'' کی ضمیر اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ مہر براہ راست عورت کا حق ہے ماں باپ کا اس میں کوئی حصہ نہیں ہے کہ انھوں نے دودھ پلایا، پالا پوسا، بڑا کیا، پڑھایا لکھایا، لہٰذا اس کا عوض قرار پائے ہرگز نہیں۔

۳- آیت میں نحلہ کے لفظ سے مزید وضاحت ہوگئی کہ مہر ہدیہ وپیش کش کے علاوہ کوئی نام نہیں قبول کر سکتا۔ (۷۵)

۲۔۱۔۲۔ نفقہ:

معلوم ہونا چاہیے کہ اسلامی قوانین میں نفقہ بھی مہر کی طرح ایک خاص نہج اور انداز کی چیز ہے اس کو ان معنوں میں نہ سمجھنا چاہیئے جو غیر اسلامی دنیا میں تھے یا آج بھی اس کا کوئی مفہوم کہیں مراد لیا جاتا ہے۔

اگر اسلام نے مرد کو یہ حق دیا ہوتا کہ عورت کو اپنی خدمت گذاری کے لئے رکھو، بیوی کی محنت، کاروبار اور اس کی دولت کو اپنا مال سمجھو، تو نفقہ دینے کے معنی عیاں تھے۔ ظاہر سی بات ہے جب انسان کسی جانور یا آدمی سے اقتصادی فائدہ اٹھائے گا تو اس کی زندگی کے اخراجات بھی پورے کرے گا۔ گھوڑے کا مالک اپنے گھوڑے کو دانا پانی نہ دے گا تو جانور بھی گاڑی نہ کھینچے گا۔

اسلام مرد کے اس حق کو نہیں مانتا اس نے عورت کو حق ملکیت دیا ہے، وہ دولت کما سکتی ہے، مرد کو حق نہیں کہ بیوی کی خاص دولت میں تصرف کرے اور لازم قرار دیا کہ گھر کا بجٹ پورا کرے، بیوی بچوں کا خرچ نوکر چاکر، کام کاج اور گھر وغیرہ

کے اخراجات ادا کرے کیوں-----؟

افسوس تو یہ ہے کہ مغرب نواز افراد ایک لمحہ کے لئے بھی ان معاملات پر ذرا بھی توجہ نہیں دیتے۔ آنکھیں بند کر کے وہی اعتراض کرتے ہیں جو یوروپ والے اپنے قانونی سسٹم پر کرتے ہیں--اور یہ صحیح بھی ہیں اور یہ لوگ انھیں اعتراضات کو اسلامی قوانین پر دہراتے ہیں۔

اگر کوئی کہتا ہے کہ مغرب میں بیوی کا نان ونفقہ انیسویں صدی سے وظیفہ خوری وتنخواہ داری اور کنیزی کی علامت تھی تو غلط نہیں کہتا کیونکہ ایک عورت بلا معاوضہ پابند ہوکر مرد کی گھریلو زندگی کی دیکھ بھال کرے اور ملکیت سے محروم بھی ہو تو جو دو نوالے اسے دئے جائیں گے وہ تنخواہ و وظیفہ سے زیادہ اور کیا ہو سکتے ہیں؟ جیسے قیدی یا بارکش جانور کو دئے جاتے ہیں۔

ڈاکٹر شائیگان نے ''شرح قانون مدنی ایران'' کے صفحہ ۳۶۲ پر لکھا ہے:

> ''عورت اپنی ملکیت میں جو خود مختاری رکھتی ہے وہ فقہ شیعہ میں ابتدا سے تسلیم شدہ ہے۔ یونان، روم، جاپان اور کچھ عرصہ پہلے اکثر ممالک کے قوانین میں یہ بات مذکورہ نہ تھی۔ یعنی بیوی، نابالغ اور دیوانے کی طرح اپنی ملکیت سے مجبور تھی۔ انگلستان میں ایک زمانہ وہ تھا کہ بیوی کی حیثیت شوہر کے وجود میں محو تھی۔ ۱۸۷۰ء اور ۱۸۸۲ء میں باری باری دو قانون بنائے گئے جن کا نام شوہر رکھنے والی خواتین کا قانون ملکیت رکھا گیا۔ جس کی وجہ سے کورٹ آف وارڈس سسٹم کا خاتمہ ہوا۔
>
> اٹلی میں یہ قانون ۱۹۱۹ء میں، ۱۹۰۰ء میں جرمن کے قانون مدنی (سول لا) میں اسی طرح ۱۹۰۷ء میں سویڈزر لینڈ کے قانون نے بیوی کی اہلیت وحق ملکیت وتصرف کو تسلیم کیا۔ جس طرح شوہر کو حق حاصل تھا۔
>
> لیکن پرتگال اور فرانس میں شوہر دار بیوی مجبور ہوتی ہے۔ اگر چہ ۱۹۳۸ء کی ۱۸ر فروری کو فرانس میں حجر (کورٹ آف وارڈس) کے ضابطے کو ہموار کر دیا گیا۔

اس طرح بیوی کو شوہر کے مقابلہ میں حق ۱۸۸۲ء میں ملا۔ وہ بھی انگلستان میں۔

اب سوال یہ ہے کہ آخر میں یہ انقلاب کس طرح آ گیا۔ یہ عورتوں کے خلاف ظالمانہ رویے میں تبدیلی کیسے آ گئی اور عورتوں کو آزادی وملکیت جیسے اہم حقوق کس طرح مل گئے۔ ''ول ڈیورانٹ''(Will Durant) نے اپنی کتاب''

لذات فلسفہ' (The Story of Philosophy) میں اس کے وجوہ کی تفصیلات بیان کی ہیں۔ جس کا ماحصل یہ ہے کہ عورت کی آزادی اور حق ملکیت مشینوں کی مرہون منت ہے۔ عورتوں کو مشینوں کا شکر گزار ہونا چاہئے نہ کہ سنتوں کا۔ انھیں بڑی بڑی مشینوں کے سامنے جھکنا چاہئے، مردوں کے سامنے نہیں۔ یہ تو کارخانہ داروں کی حرص تھی کہ انھوں نے عورت سے زیادہ فائدہ اٹھانے کے لئے مزدوری کم اور کام زیادہ کے نقطہ نظر سے انگلستان کی قانون ساز اسمبلی میں مسودہ قانون آزادی اقتصادی زن کا بل پیش کر دیا۔

ادھر اسلام نے چودہ سو برس پہلے ایک قانون دیا:

''مرد جو کچھ کماتے ہیں وہ ان کا حصہ ہے اور عورتیں جو کماتی ہیں وہ ان کا حصہ ہے'' (٦٧)

یعنی مردوں کی طرح عورتوں کو بھی اپنی کمائی پر حق ملکیت ہے، ایک جگہ ارشاد ہوتا ہے:

''جو مال باپ یا قرابت داروں نے مرنے کے بعد چھوڑا ہے اس میں عورتوں کا حصہ ہے۔'' (٧٧)

اس سے خواتین کے وارث ہونے کی حیثیت بھی ثابت ہوتی ہے۔

الغرض اسلام نے ایک طرف عورت کو حق مالکیت عطا کیا اور وہ جو کچھ کسی طرح بھی حاصل کرے وہ اس کی مالک ہے، دوسرے طرف شوہر پر اس کا نفقہ واجب رکھا کہ شوہر اس کی زندگی کے اخراجات کو ادا کرے اور اس میں اس بات کی کوئی شرط نہیں ہے کہ بیوی کے پاس مال ہو یا نہ ہو۔ یعنی اگر بیوی صاحب مال وملکیت ہے پھر بھی شوہر پر اس کا خرچ ادا کرنا واجب ہے۔

یہاں سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ شادی اس لئے نہیں کہ عورت مرد کی خدمت کرے اس کا مقصد مرد وعورت کی زندگی میں ایک تعادل برقرار کرنا ہے۔

اسلام میں نفقہ کی تین قسمیں ہیں:

١- مملوک کو مالک کی طرف سے دیا جانے والا نفقہ۔ یعنی وہ اخراجات جو حیوانات کے مالک ان جانوروں پر کرتے ہیں اس نفقہ کی بنیاد مالکیت ومملوکیت ہے۔

٢- وہ نفقہ جو کم سن اور محتاج اولاد کو دیا جاتا ہے یا وہ اخراجات جو غریب ماں باپ پر ہوتے ہیں۔ اس نفقہ کی بنیاد مالکیت ومملوکیت نہیں ہے۔ اس کی بنیاد وہ فطری حقوق ہیں جو اولاد اپنے وجود میں لانے والوں پر رکھتی ہے۔ اور والدین کے وہ حقوق ہیں جو تولید میں شرکت اور بچے کی پرورش میں تکالیف برداشت کرنے کی بنا پر پیدا ہوتے ہیں۔ اس نفقہ کے واجب ہونے کی شرط یہ ہے کہ واجب النفقہ عاجز وغریب ہو۔

٣- وہ نفقہ جو شوہر اپنی بیوی کو دیتا ہے۔ اس نفقہ کی بنیاد بھی مالکیت ومملوکیت نہیں ہے اور نہ ہی فطری حق جو دوسری قسم میں تھا۔ اور نہ ہی اس کی شرط بیوی کے غریب وعاجز ہونے کی ہے۔

بیوی کروڑوں کی مالک اور بے حد وحساب دولت رکھتی ہو اور شوہر کی آمدنی کم ہو پھر بھی گھر کے اخرجات جن میں

بیوی کا نجی خرچ بھی شامل ہے شوہر کے ذمہ ہے۔

پہلی اور دوسری قسم میں اگر انسان نفقہ نہ ادا کرے تو شرعاً گناہگار ضرور ہے لیکن قانونی حیثیت نہیں رکھتا۔ لیکن اگر شوہر بیوی کا خرچ ادا نہ کرے تو شرعاً گناہگار ہونے کے ساتھ ساتھ قانوناً بھی مجرم ہے اور اس کے خلاف قانونی کارروائی کی جاسکتی ہے اور عورت دعوی کر کے عدالت کے ذریعہ اپنا حق وصول کرنے کا حق رکھتی ہے۔

مغرب پرست لوگ جب خواتین کی حمایت کے نام پر اس قانون پر اعتراض کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ: نفقہ کا فلسفہ ہے مرد کا اپنے تئیں عورت کا مالک سمجھنا اور اس سے اپنی خدمت لینا۔ جس طرح جانور کا مالک اپنے مملوکہ جانوروں کا خرچ برداشت کرنے پر مجبور ہے تاکہ وہ چوپائے اپنی سواری دے سکیں، اس کے لئے بار بری کر سکیں اسی طرح خواتین کے نفقہ کا قانون ہے یعنی کھاؤ، مرو نہیں۔

کچھ وہ ہیں جو اسلامی قانون پر دوسری جہت سے اعتراض کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ اسلام نے حد سے زیادہ عورت پر نوازش کی ہے اور مرد پر دباؤ ڈالا ہے۔ اسے بیگار میں پکڑ کر عورت کی مزدوری (خدمت) کروائی ہے۔

اور حقیقت تو یہ ہے کہ اسلام عورت کے مفاد اور مرد کے خلاف یا مرد کے مفاد اور عورت کے خلاف کوئی قانون نہیں بنانا چاہتا۔ بلکہ ایسا قانون بناتا ہے جس سے میاں، بیوی اور ان کی آغوش میں پرورش پانے والے بچے خوش وخوشحال رہیں۔ اسلام کی نظر میں میاں بیوی اور اولاد کی فلاح و بہبود کا راستہ یہ ہے کہ فطرت نے جو قوانین، رویے اور طریقے خالق کائنات سے حاصل کئے ہیں ان سے چشم پوشی نہ کی جائے۔

مرد پر عورت کا نفقہ اس لئے بھی فرض ہے کہ فطرت کی طرف سے تولید نسل کی روح فرسا اور رنج وزحمت کشی کی ذمہ داری عورت پر رکھی گئی ہے اور اس سلسلہ میں مرد کا ایک آن کے لئے لذت بخش عمل ہے اور بس۔ لیکن عورت ہے کہ (کم سنی اور بڑھاپے کے علاوہ) ماہواری کی بیماری جھیلے، حمل کے دنوں کا بوجھ اٹھائے، پھر ان دنوں کی مخصوص بیماری سے گذرے، بچہ پیدا کرے اور اس کے عوارض ومشکلات سے دوچار ہو اور بچے کو دودھ پلائے اور اس کی دیکھ بھال کرے۔

ان مراحل میں جسمانی قوت صرف ہوتی ہے، کام کاج کے لئے توانائی میں کمی آتی ہے اس کے باوجود بھی اگر قانون عورت ومرد کو اخراجات زندگی میں مشابہ صورت حال میں قرار دے اور عورت کی حمایت نہ کرے تو خواتین کی حالت بڑی مظلومانہ ہو جائے گی۔

نیز عورت کو مرد سے کہیں زیادہ پیسے کی ضرورت ہے، زیب وزینت عورت کی زندگی کا حصہ ہے اور وہی اس کی اصل ضرورت ہے۔ ایک عورت اپنی عام زندگی میں اپنے سجاؤ سنگار میں خرچ کرتی ہے جو کئی مردوں کے خرچ کے برابر ہوتا ہے۔ ایک مرد کے لئے ایک جوڑا جب تک پہننے کے قابل ہو اور پھٹ نہ جائے قابل استعمال ہے مگر------؟ ایک عورت کے لئے؟ عورت کے لئے ایک جوڑا اس وقت تک قابل استعمال ہے جب تک کہ وہ اسے نئے لباس میں ملبوس دکھائے۔ بہت سے زیور عورت کے لئے ایک دفعہ سے زیادہ پہننے کے قابل نہیں رہتے، حصول دولت کے لئے عورت کی

محنت وکوشش مرد سے کم ہے مگر دولت کا استعمال مرد سے کہیں زیادہ ہے۔

اب اگر عورت اپنے اخراجات کو پورا کرنے کے لئے دن بھر کارخانوں اور دفتروں میں محنت ومشقت کرے گی اور پیسے کے پیچھے بھاگے گی تو وہ تھکن اور بے اطمینانی کا شکار ہوگی۔ پھر کس قدر بدنصیب ہے وہ شوہر جو تھکا ماندا گھر میں قدم رکھے اور اپنے سے زیادہ تھکی ہاری بیوی کا سامنا کرے۔

یہی وجہ ہے کہ مرد کے لئے ضروری ہے کہ اس کی بیوی صحت وسکون سے رہا کرے اور یہی وجہ ہے کہ مرد تیار رہتے ہیں کہ جان پر کھیل کر روپیہ کمائیں اور دونوں ہاتھوں پر دولت رکھ کر بیوی کی نذر کریں کہ وہ کھلے ہاتھوں اسے اپنے جسم وجان پر خرچ کرے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مرد کو اپنی روحانی طلب کا احساس ہے اور وہ سمجھ چکا ہے کہ اللہ نے عورت کو سرمایہ آرام وآسائش روح بنایا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

''اور اسی سے اس کا جوڑا بھی بنایا تا کہ وہ اس سے سکون حاصل کرے''(۷۸)

اور اس طرح اسلامی قانون اقتصاد نے نظام فطرت سے ہمآہنگی رکھتے ہوئے عورت ومرد کے درمیان نظام عدالت کو برقرار رکھا ہے اور عورت کو بھی محرومی سے آزاد۔(۷۹)

۳۔۱۔۲۔خانوادہ کی سرپرستی۔

اسلام میں خانوادہ کی سرپرستی مرد کے ذمہ ہے، چنانچہ خداوند متعال ارشاد فرماتا ہے:

''مرد اس اعتبار سے کہ خدا نے بعض لوگوں کو فوقیت عطا کی ہے اور اس اعتبار سے کہ اپنے مال سے نفقہ دیتے ہیں عورتوں پر سرپرستی رکھتے ہیں'' پس شائستہ عورتیں اپنے شوہروں کی نا موجودگی میں اپنی اور اپنی عفت کی حفاظت کریں۔''(۸۰)

مرد کی خانوادہ کے سلسلہ میں درج ذیل ذمہ داریاں ہیں۔

۱-خانوادہ کا خرچ پورا کرنا اور فیملی کی پروگرامنگ اور حساب کتاب۔

۲-خانوادہ کے افراد کی حفاظت، پاسداری اور دفاع۔

۳-خانوادہ کے مذہبی وتہذیبی مسائل پر نگرانی اور ان کی ہدایت کرنا اور ان کی جسمانی وروحانی ترقی میں کوشش کرنا اور اجتماعی و اخلاقی برائیوں سے بچانا۔

۴-خانوادہ کا خرچ پورا کرنا۔ اور اس کے علاوہ گھر کے اور زندگی

کے تمام اخراجات کا پورا کرنا مرد کے ذمہ ہے۔

۴۔۱۔۲۔عزت واحترام:

مرد کا فرض ہے کہ اپنی زوجہ کا قدر دان ہو اور اس کو اللہ کی طرف سے عطا کی ہوئی نعمت شمار کرے۔اس کے ساتھ اچھے سلوک کرے اور اس کی غلطیوں کو نظر انداز کرے۔اور ضدی پنانہ کرے اسلام ایسے رویے کو عورت کا حق اور مرد کا فرض سمجھتا ہے۔

چنانچہ پیغمبر اسلام ارشاد فرماتے ہیں کہ:

''یہ بات جان لو کہ یہ عورتیں اپنے شوہروں کے ہاتھوں خدا کی امانت ہیں اس لئے مرد حق نہیں رکھتا کہ انہیں کوئی ضرر یا نقصان پہنچائے اور ان کے حقوق کو پامال کرے''(۸۱)

۵۔۱۔۲۔دینی واخلاقی نگرانی:

مرد کا فرض ہے کہ زوجہ کے دینی،اخلاقی واعتقادی مسائل پر توجہ رکھے۔اور اس سلسلہ میں اس کی مدد کرے یا اس کے سیکھنے کے وسائل اس کے لئے فراہم کرے اور اس کے اخلاق و کردار کا دھیان رکھے۔اسے اچھے کاموں کا شوق دلائے اور بری باتوں سے روکے۔خلاصہ یہ کہ اس کو جہنم کی آگ سے بچائے اور جنت کی طرف لے جائے۔

یہ مرد کی برتری کے آثار میں سے ایک ہے جو مرد کے ذمہ ہے،قرآن کریم میں ارشاد ہے:

''اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو: خود کو اور اپنے اہل خانہ کو جہنم کی آگ سے بچاؤ۔ایسی آگ کہ جس کا ایندھن لوگ اور پتھر ہیں۔(۸۲)

۲۔۲۔زوجہ کی ذمہ داریاں:

زوجہ کے اوپر بھی شوہر کے لئے اہم فرائض ہیں اور ان تمام فرائض کو ایک بہت ہی مختصر اور خوبصورت جملہ میں سمو دیا گیا ہے اور وہ ہے۔

۱۔۲۔۲۔''بہترین شوہر داری''

حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

''عورت کا جہاد بہترین شوہر داری ہے''(۸۳)

خوب شوہر داری یعنی زوجہ:

۱۔شوہر کی قیومیت و سرپرستی کو قبول کرتی ہے اور اس کی پاسداری کرتی ہے۔

۲-شوہر کا مقام گھر میں اور بچوں میں محفوظ رکھتی ہے۔

۳-اہم کاموں میں اس سے مشورہ کرتی ہے۔

۴-اس کے حکم کی اطاعت کرتی ہے۔

۵-اگر کبھی گھر سے باہر نکلنا مناسب نہ ہو اور اس کی اجازت نہ ہو تو گھر سے باہر نہیں جاتی۔

٦-اپنے اچھے اخلاق ومحبت سے شوہر کو خوشنود اور گھر کے ماحول کو خوشگوار بناتی ہے۔

۷-مشکلات میں شوہر کی مددگار رہوتی ہے اور اس کی دلجوئی کرتی ہے۔

۸-اپنے شوہر کے اموال کی امانتدار ہے اور اسراف اور بلاوجہ کے خرچ سے پرہیز کرتی ہے۔

۹-کار خیر میں اس کی حوصلہ افزائی کرتی ہے۔

۱۰-اپنے بہترین کپڑوں کو اپنے گھر میں پہنتی ہے اور شوہر کے لئے سجتی سنورتی ہے۔اور ہمیشہ اس کے لئے تیار اور اس کے اختیار میں رہتی ہے۔

۱۱-خانہ داری اور بچوں کی پرورش میں کوشش کرتی ہے۔

۱۲-شوہر کی راز دار، امین اور دلسوز ہے۔(۸۴)

یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ شادی کا نظام نہ مردوں نے بنایا ہے اور نہ عورتوں نے۔ بلکہ شادی ایک ایسا نظام فطرت ہے جو مرد اور عورت دونوں کی شخصیت کی تکمیل کا نظام ہے۔جس کی صحیح ترجمانی دین اسلام کرتا ہے اور زوجہ وشوہر کے درمیان تعادل اور مساوات کے نظام کو کارفرما کر کے دونوں کی زندگی کو خوشگوار بناتا ہے اور یہ ثابت کرتا ہے کہ نظام خانوادہ، عورت سے خدمت لینے کے لئے نہیں بلکہ اس کے کمزور پہلو کو قوت عطا کرنے اور خود اس کی خدمت کے لئے بنایا گیا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ دوسرے اقوام و مذاہب میں زوجہ کے ساتھ برا سلوک کر کے اس نظام کو بدنام کیا جاتا ہے۔

☆ مارکسی تانیثیت کا ایک نظریہ یہ بھی ہے کہ:

''سماج میں مرد وعورت کی برابری کے لئے سماج سے طبقاتی نظام کو ختم کرنا ہوگا تا کہ تمام انسانوں کو مساوی حقوق مل سکیں''

''طبقہ بندی'' کوئی نظام نہیں ہے کوئی قانون نہیں ہے بلکہ طبقہ بندی ایک فطری سسٹم ہے پوری دنیا میں ہر شعبہ حیات میں رائج ہے جو از خود وجود میں آجاتا ہے اور پھر اس طبقہ کی بنیاد پر قوانین بنائے جاتے ہیں۔طبقہ انسانوں میں ہوتا ہے نہ کہ مردوں اور عورتوں کے درمیان۔اور انسان ہونے میں مرد وعورت دونوں برابر کے شریک ہیں۔لیکن اپنے فضائل و کمالات، استعداد وصلاحیت کے لحاظ سے ان میں فرق ہے۔اور بنی نوع انسان کی طبقہ بندی کی جائے گی تو جن اصولوں کی بنیاد پر طبقہ بندی کی جائے گی ان اصولوں میں مرد وعورت جو بھی پورے اتریں گے اس طبقہ میں شامل ہو جائیں گے اور پھر کسی قسم کا امتیاز باقی نہیں رہے گا۔

اگر کالج میں ایک پروفیسر ہے جو ۸/ گھنٹے کی ڈیوٹی کرتا ہے اور بچوں کو زیور تعلیم سے آراستہ کرتا ہے اور اپنے علم سے لوگوں کو فائدہ پہونچا تا ہے تو کیا آپ کہہ سکتے ہیں کہ اس شخص کو اتنی ہی تنخواہ ملنی چاہئے جتنی ۸/ گھنٹے ڈیوٹی کرنے والے ایک چپراسی یا کلرک کو ملتی ہے؟ اسی طرح اگر ایک عورت تعلیم یافتہ ہے اور کسی اعلیٰ عہدہ پر فائز ہے تو کیا آپ کہہ سکتے ہیں کہ اس کو بھی وہی تنخواہ ملنی چاہئے جو ایک جاروب کش کو ملتی ہے؟ ہرگز نہیں۔ اس کا مطلب ہے کہ نظام اقتصادی میں انسانوں کے کمالات وفضائل کی بنیاد پر ان کے حقوق بھی مختلف ہو سکتے ہیں اور یہ نظام طبقاتی نظام نہیں نظام عدل ہوگا۔ اب یہ اور بات ہے کہ کوئی کمزور انسان سے اس کی کمزوری کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اس سے کام زیادہ لے کر اجرت کم دے۔ تو اس میں نظام کی غلطی نہیں ایک شخصی خطا ہے۔ اسلام تو حتی کہ جانوروں سے بھی ان کی طاقت سے زیادہ کام لینے کو منع کرتا ہے۔ چہ جائے کہ انسانوں سے۔

چنانچہ قرآن مجید نے جب انسانوں کے درمیان طبقہ بندی کی ہے تو مرد وعورت کی تفریق سے بالاتر انسانوں کے درمیان طبقہ بندی کی ہے اور ہر طبقہ میں مرد وعورت دونوں کو شریک رکھا ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

۱- کیا اندھے اور بینا برابر ہیں؟ (سورہ انعام۔ آیت/ ۵۰، سورہ رعد۔ آیت/ ۱۶)

۲- کیا اندھیرا اور اجالا برابر ہے؟ (سورہ رعد۔ آیت/ ۱۶)

۳- کیا وہ لوگ جو جانتے ہیں اور وہ لوگ جو نہیں جانتے برابر ہیں؟ (سورہ زمر۔ آیت/ ۹)

مندرجہ بالا آیات میں قرآن کریم نے طبقہ بندی کی ہے کہ اندھا اور بینا برابر نہیں ہو سکتے، اندھیرا اور اجالا برابر نہیں ہوسکتا، عالم وجاہل برابر نہیں ہو سکتے۔ یہ طبقہ بندی مکمل طور پر عقلی اور فطری ہے۔ جس کو ایک ادنی سی عقل رکھنے والا بھی اچھی طرح سمجھ سکتا ہے۔ لیکن ان طبقات میں عورت ومرد کی تفریق نہیں ہے یعنی یہ کہ اگر دیکھنے کی صلاحیت مرد میں ہے تو وہ بھی اندھے مرد سے بہتر ہے اور عورت میں ہے تو وہ بھی اندھی عورت سے بہتر ہے (چاہے وہ بصارت مراد ہو یا بصیرت) اسی طرح تعلیم یافتہ اگر مرد ہے تو وہ جاہل مرد سے بہتر ہے اور اگر عورت ہے تو وہ بھی جاہل عورت سے افضل ہے۔ لہٰذا اگر اس طرح طبقہ بندی کی جائے تو نظام طبقات کی بنیاد پر کوئی عورت بھی امتیازی سلوک کی شکار نہیں ہوگی بلکہ وہ بھی برابری کا حق حاصل کر سکے گی۔ اور اسلامی نقطہ نظر سے ہر طبقہ میں عورت کو وہی مقام حاصل ہے جو ایک مرد کو حاصل ہے۔ لہٰذا طبقاتی نظام عورت پر ظلم وستم اور عدم مساوات کی وجہ نہیں ہے۔

اسلام چونکہ دین فطرت ہے لہٰذا وہ طبقاتی نظام کو جس نوعیت سے ہم نے اوپر ذکر کیا قبول کرتا ہے لیکن جہاں وہ طبقات کو قبول کرتا ہے وہیں ایک دوسرے کے حقوق اور فرائض کو بھی معین کرتا ہے۔ اگر انسانوں کے درمیان کچھ عالم ہیں اور کچھ جاہل تو دونوں کی ایک دوسرے کے ساتھ کیا ذمہ داریاں ہیں؟ اسلام نے اس کو بیان کیا ہے۔ اسی طرح سے اگر ایک طبقہ مالدار ہے اور دوسرے غریب تو ان دونوں کی آپس میں کیا ذمہ داریاں ہیں؟ اگر ایک طبقہ کاملاً صحت وسلامتی رکھتا ہے تو اس کی بیماروں کے ساتھ کیا ذمہ داری ہے؟

چنانچہ امام زین العابدین علیہ السلام نے رسالہ حقوق میں عالم پر جاہل کے حق کے سلسلہ میں ارشاد فرمایا کہ:

''عالم پر جاہل کا حق یہ ہے کہ وہ جانے کہ خدا نے اس کو علم دیا ہے
اور اسے راہنما بنایا ہے اور خزانۂ حکمت کی کلید اسے عطا کی ہے
لہٰذا اگر اس نے ان لوگوں کے ساتھ جو نہیں جانتے (جاہل) نیکی
اور حسن سلوک کیا اور جو علم اللہ نے انھیں دیا ہے ان کو سکھایا، ان کو
نصیحت اور ان کی راہنمائی کی اور سماج کو جہالت سے نجات
دلانے کے لئے اپنے علم کو خرچ کیا۔ تو یہ عالم ہادی اور سماج کا
خدمت گزار سمجھا جائے گا لیکن اگر اس نے اپنے علم سے
دوسروں کو فائدہ نہ پہونچایا اور جاہلوں کو تعلیم نہ دی تو خائن اور
مخلوق خدا پر ظلم کرنے والا تصور کیا جائے گا۔''(۸۵)

اسی طرح جاہل کے لئے لازم ہے کہ وہ عالم کا احترام کرے، اس کی باتوں کو سنے اور اس سے ہدایت حاصل کرے، اور اس کا مزاق نہ اڑائے اور اس کی توہین نہ کرے۔

حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں کہ:

''عالم کو اس وقت تک علم نہیں دیا جاتا جب تک اس سے یہ وعدہ
نہ لے لیا جائے کہ وہ جاہلوں کو اپنے علم سے فائدہ پہونچائے
گا۔''

اسی طرح سماج کا ایک طبقہ مالدار اور ایک غریب ہوتا ہے۔ اسلام نے مالدار طبقہ پر فرض قرار دیا ہے کہ وہ غریبوں کی مدد کریں، ان کا خیال رکھیں اور ان کی ضروریات کو پورا کریں، اور اس کے لئے زکوۃ جیسے اقتصادی پروگرام کو رکھا ہے اور اس کو فرض قرار دیا ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

''اور ان کے اموال میں سائل ومحروم کا حق ہے''(۸۶)

یعنی جو لوگ صاحب ثروت ہیں ان کے اموال میں ان لوگوں کا بھی حق ہے جو مطالبہ کرنے والے اور مانگنے والے ہیں اور ان کا بھی ہے جو اپنی خودداری کی بنا پر دست نیاز کسی کے سامنے دراز نہیں کرتے۔ اس لئے مالدار طبقہ کا فرض ہے کہ وہ ایسے لوگوں کو تلاش کریں جو دولت نہیں رکھتے اور کسی کے سامنے ہاتھ بھی نہیں پھیلاتے۔ اور اس میں مرد وعورت کی کوئی قید وشرط نہیں ہے لہٰذا اگر یہ اسلامی قانون سماج میں رائج ہو جائے تو کوئی عورت ومرد عدم مساوات کا شکار نہ ہوگا۔

اسلام میں امیروں کو تاکید ہے کہ غریبوں کا خیال رکھیں، مومنین کو چاہئے کہ ایک دوسرے کی مدد کرنے میں جلدی کریں۔ اس کے علاوہ بہت سے ایسے پروگرام اسلام نے پیش کئے ہیں کہ جن پر عمل کی وجہ سے حتی کہ غریبوں کو کسی سے

مانگنے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ پورا قرآن حکم زکوٰۃ سے بھرا پڑا ہے، مسکینوں کے حق کو ادا کرنے کی تاکید ہے، فطرہ، صدقہ، خمس، ردمظالم اور کفارات جیسے بے پناہ ایسے پروگرام ہیں جن کے ہوتے ہوئے غریبی کا تصور بھی محال ہے۔

ان تمام چیزوں کے ساتھ ساتھ اسلام مسلمانوں بلکہ عام انسانوں کو قناعت کا سبق سکھاتا ہے اور حضور کی روایت ہے کہ ''سب سے بڑا مالدار وہ ہے جو قناعت کرتا ہے'' قناعت یعنی زیادہ کی ہوس نہ کرنا، زخیرہ اندوزی نہ کرنا، برخلاف اقتصاد مغرب کے۔ مغربی اقتصاد کی نگاہ میں انسانوں کی ضروریات لامحدود اور ان ضروریات کو پورا کرنے والے وسائل محدود ہیں لیکن اسلام کی نظر میں وسائل لامحدود ہیں چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

''اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو گے تو تم شمار نہیں کر سکتے''

(۸۷)

اسلام مسئلہ اقتصاد کو اپنے اصلی قوانین میں سے ایک شمار کرتا ہے جو صرف انسان کی زندگی کے ایک پہلو کو منظم کر سکتا ہے اور اقتصادی مسائل کا حل اسلام کی نظر میں لوگوں کے عقیدتی اور اخلاقی بنیادوں کی اصلاح میں مضمر ہے۔(۸۸)

۳۔انتہا تانیثیت کے اہم نظریات

۱-کوئی انسان مرد یا عورت پیدا نہیں ہوتا بلکہ سماج اسے مرد یا عورت بنا دیتا ہے۔

۲-اگر عورتیں مردوں پر غالب آ جائیں تو مردوں کو عورت بنا دیں گی۔

۳-عورتوں کو چاہیئے کہ زوجہ اور ماں کے کردار کو ختم کریں تا کہ مردوں سے مقابلہ کر سکیں۔

۴-انسان کبھی عورت پیدا نہیں ہوتا بلکہ مرد اسے عورت بنا دیتا ہے۔

۵-عورت و مرد ہونا یہ مردانہ تہذیب کی دین ہے۔

۶-عورتوں کی تمام تر محرومیوں (اقتصادی، تہذیبی، سیاسی) کا سر چشمہ مرد سالاری ہے اور مردوں کی عورتوں پر حاکمیت ہے۔

۷-جب عورت کی حکومت تھی تو کوئی جنگ نہیں تھی اور کسی پر ظلم نہیں ہوتا تھا۔

۸-تاریخ کی تمام جنگوں کے ذمہ دار مرد ہیں۔

۹-یہود، عورت کی تخلیق کو خدا کی غلطی تصور کرتے ہیں لیکن انتہا پسند مرد کی تخلیق کو خدا کی غلطی تصور کرتے ہیں۔

۱۰-جس عورت نے مرد کی مدد کی اس نے عورت سماج کے ساتھ بڑی خیانت کی۔

۱۱-عورتوں کو حتی کہ جنسی لذتوں میں بھی مردوں سے بے نیاز ہونا چاہیئے۔

۱۲-زنانہ صفات مردانہ صفات سے زیادہ قیمتی ہیں لہذا انسانی نمونہ عورت ہے نہ مرد اور مستقبل مونث ہے۔

۱۳-تانیثی تحریک زنانہ تحریک ہے اور کوئی مرد اس تحریک میں عورت کے حقوق کا دفاع نہیں کر سکتا۔

۱۴-نکاح سخت ترین حربہ تھا جسے مردوں نے عورتوں کو قید کرنے کے لئے استعمال کیا اور شادی عورت کی قید کا پیغام ہے۔

۱۵-اس قید (شادی) سے مقابلہ کرنا چاہیئے۔

۱۶-شادی عورت کی خصوصی جیل ہے۔

۱۷-اگر عورت اپنے شوہر کے ساتھ تنہائی میں گئی تو گویا اس نے اپنے دشمن کے ساتھ ہمبستری کی اور عورت کی تحریک کے ساتھ خیانت کی ہے۔

۱۸-عورت کی جنسی خواہش کو پورا کرنے کے لئے بہترین طریقہ ہم جنسی ہے۔

۱۹-فمنیزم نظریہ ہے اور ہم جنسی عمل ہے۔

۲۰-اسقاط حمل عورت کا فطری حق ہے۔

۲۱- دانشوروں کو چاہیئے کہ حفظ نسل کے لئے عورت کے علاوہ کوئی دوسرا راستہ تلاش کریں جس میں عورت کی ضرورت نہ ہو۔

۲۲-عورت پر اولاد کی پرورش اور تربیت کی ذمہ داری بھی عورت پر ظلم ہے جس کو مردوں نے عورتوں پر مسلط کر رکھا ہے۔(۸۹)

۳۔انتہا پسند تانیثیت:

اٹھارہویں صدی کے اور آخر میں حریت پسند تانیثیت نے عورت کی آزادی کا جھنڈا بلند کیا اور مختلف قسم کی قیود سے آزادیوں کے مطالبے کئے پھر مارکسی تانیثیت نے اقتصادی و معاشی آزادی کی بات کی اور عورت کو مرد کی سرپرستی سے آزاد کرا کے خود کمانے اور خود کھانے پر زور دیا اور جب عورت کی آزادی کی ہوا چل پڑی تو اس ریلے میں بہتے بہتے ۱۹۶۰ء کی دہائی تک بات بہت آگے بڑھ گئی اور پوری دنیا میں تانیثیت کی حمایت ہونے کی وجہ سے جراتوں میں اضافہ ہوا اور نظریات میں شدت پسندی کا عنصر شامل ہوگیا اور ''انتہا پسند تانیثیت'' وجود میں آئی جس کا سرچشمہ امریکہ ہے اور ۱۹۷۰ء کی دہائی میں تانیثیت کی دنیا میں اس نظریہ نے نہ صرف یہ کہ اپنا ایک مقام بنالیا بلکہ دوسرے نظریات کو متاثر بھی کیا۔اور درحقیقت آج پوری دنیا میں جہاں بھی انتہا پسند تانیثیت کا ذکر ہے اس کا سرچشمہ امریکہ میں وجود میں آنے والے تانیثی نظریہ کا ہی پرتو ہے۔

☆انتہا پسند تانیثیت کا نظریہ ہے کہ:

''پدرسالای نظام نہ صرف یہ کہ عورتوں پر ظلم وستم کا سبب ہے بلکہ بنی نوع انسان پر ہونے والے تمام مظالم کی بنیاد ہے لہٰذا اس نظام کو جڑ سے ختم ہو جانا چاہئے۔

مردسالاری: وہ مفہوم ہے جس میں مردوں کو عورتوں پر فوقیت وحاکمیت حاصل ہوتی ہے جس کو انگلش میں masculanism کہا جاتا ہے۔

پدرسالاری: (patriarchy) مردسالاری کے ماتحت آتا ہے یعنی مردسالاری ایک کلی اور عمومی مفہوم ہے، جس کا مطلب ہے جنس مرد کی جنس عورت پر برتری وفوقیت اور پدرسالاری کا مطلب ہے خانوادہ میں باپ کی سرپرستی اور حکومت۔البتہ انگلش میں ان دونوں کے لئے (patriarchy) کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔(۹۰)

مردسالاری کا لفظ،فیمنزم میں ایک اہم مفہوم رکھتا ہے۔تمام تانیثی نظریات عورتوں کو محکوم ہونے کے سلسلہ میں مردسالاری کی الگ الگ خصوصیات کی طرف اشارہ کرتے ہیں سوشل اور مارکسی تانیثیت کے حامی مردسالاری کو زیادہ تر مادی اور سرمایہ داری کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور ان کا ماننا ہے کہ سرمایہ داری کی پیداوار کا طریقہ مردسالاری کی کام کی جنسی تقسیم کی وجہ سے قوی ہوتا ہے اور سرمایہ داری کا طبقاتی نظام اور جنسی کام کی تقسیم ایک دوسرے کو شدت عطا کرتے ہیں۔

ریڈیکل فیمنسٹ مردسالاری اور مردوں کے تسلط کو ایک ہی تصور کرتے ہیں ان کا ماننا ہے کہ چونکہ عورتیں جنسی

اعتبار سے کم تر شمار کی جاتی ہیں اس لئے ''مرد طبقہ'' ''عورت طبقہ'' پر مسلط اور حاکم ہے۔(۹۱)

لیکن اسلام ''سالاری'' کا نہیں بلکہ خدمت گذاری کا دین ہے جہاں عورت اور مرد دونوں کو ایک ہی نفس سے خلق کرنے کی بات کہی گئی ہے۔ جب دونوں ایک ہی نفس ہیں تو اس میں سالاری اور محکومی کی کوئی گنجائش نہیں ہے کہ جس نفس سے مرد کو خلق کیا گیا ہے اسی نفس سے عورت کو خلق کیا گیا ہے لہٰذا حاکمیت و محکومیت کا کوئی تصور نہیں ہے۔ قرآن کریم میں جس طرح مرد کو عورت کے لئے لباس کہا گیا ہے اسی طرح عورت کو مرد کیلئے لباس کہا گیا ہے (جس کی تفصیل ہم پیچھے ذکر کر آئے ہیں) تو اس مفہوم کے ساتھ سالاری کے کوئی معنی نہیں ہوئے۔ ہاں اگر مرد کو قوام کہا گیا ہے تو اس کے معنی اصلاً تسلط اور حاکمیت کے نہیں بلکہ خدمت اور سرپرستی کے ہیں جس کی بنیاد پر مرد کے اوپر عورت کا نفقہ واجب قرار دیا جاتا ہے۔(۹۲)

ابن منظور نے لسان العرب میں ''قوام'' کے معنی اس طرح بیان کئے ہیں کہ:

''قوام، قیام محافظت اور اصلاح کے معنی میں ہے اور اسی معنی میں
قرآن کریم نے سورہ نساء کی آیت۔۳۴ میں بھی استعمال کیا
ہے۔ جہاں مرد کو عورت کا قوام یعنی محافظ قرار دیا گیا ہے'' (۹۳)

قابل توجہ بات یہ ہے کہ خانوادہ ایک چھوٹا سا مجموعہ ہے اور بڑے اجتماع کی طرح اس کو بھی ایک سرپرست کی ضرورت ہے اس لئے کہ اجتماعی سرپرستی جس میں عورت و مرد دونوں شامل ہوں اس کے کوئی معنی نہیں ہیں لہٰذا مرد یا عورت دونوں میں سے کسی ایک کو اس مجموعہ کا سرپرست اور دوسرے کو اس کا معاون ہونا چاہئے۔ قرآن کریم نے اس مقام پر صرف اس بات کی تصریح کی ہے کہ خانوادہ کی سرپرستی مرد کے ذمہ ہے۔ (اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ مرد حاکم ہے اور عورت محکوم اور مرد کو عورت پر ظلم کرنے کا حق یا اس کے استحصال کا حق حاصل ہے)

یہ مسئلہ تو ہر زمانہ سے زیادہ آج کے دور میں واضح ہے، کہ کہیں بھی مثلاً اگر دو لوگوں کی کمیٹی بنائی جاتی ہے تو اس میں ایک کو سرپرست اور دوسرے کو اس کا معاون بنایا جاتا ہے دونوں کو سرپرست قرار نہیں دیا جاتا۔ ورنہ مقصد فوت ہو جائے گا۔ اور خانوادہ میں مرد کی سرپرستی اسی طرح ہے۔ اور یہ سرپرستی کی ذمہ داری مرد میں ان خصوصیات کی وجہ سے ہے جو اس میں خالق کائنات نے رکھی ہے اس کی فکر و فہم اور تدبیر کا اس کے احساسات و محبت پر غالب ہونا۔ (عورت کے برعکس کہ جس کے اندر محبت و عاطفہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہے) جسمانی قوت کا عورت سے زیادہ ہونا وغیرہ۔

اس کے علاوہ اس کے اوپر بیوی اور بچوں کے خرچ کی ذمہ داری، مہر کی ادائیگی اور عورت کو باعزت زندگی عطا کرنے کی ذمہ داری اس بات کا تقاضہ کرتی ہے کہ وہ خانوادہ کا سرپرست ہو۔

البتہ ایسا ممکن ہے کہ کچھ عورتیں ایسی ہوں جو دوسرے اعتبار سے اپنے شوہروں پر برتری رکھتی ہوں لیکن یہ بات واضح رہے کہ قوانین افراد کو دیکھ کر نہیں بنائے جاتے بلکہ کلیات پر مبنی ہوتے ہیں۔ لہٰذا مرد حضرات عام طور پر خانوادہ کی

سر پرستی کے لئے زیادہ مناسب ولائق ہوتے ہیں اگر چہ عورتیں بھی بعض ذمہ داریاں اٹھا سکتی ہیں کہ جن کی اہمیت کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔

یاد رہے کہ مرد کے حوالے خانوادہ کی ذمہ داری کرنے کا یہ ہرگز مطلب نہیں ہے کہ اسکی انسانی شخصیت عورت سے بلند و بالا ہے اور نہ ہی آخرت میں کسی امتیاز کا سبب ہے اس لئے کہ وہ صرف اور صرف تقویٰ و پرہیزگاری پر منحصر ہے اسی طرح جیسے ایک معاون کی شخصیت ایک سر پرست سے ممکن ہے مختلف اعتبارات سے بہتر ہو لیکن سر پرست اس کام کے اعتبار سے جو اس کے ذمہ کیا گیا ہے بہتر ہے۔(۹۴)

اس طرح اسلام کسی بھی سالاری کی تائید نہیں کرتا، نہ مرد سالاری اور نہ ہی زن سالاری، بلکہ صرف حفظ نظام کے لئے مرد کو خانوادہ کا سر پرست و محافظ مانتا ہے جس کے معنی یہ ہرگز نہیں ہیں کہ وہ عورت پر ظلم وزیادتی کرے، یا اس کو حقوق سے محروم کرے۔اس لئے اسلامی نقطہ نظر سے نہ مرد سالاری صحیح ہے اور نہ اس نظام کے ذریعہ عورتوں پر ظلم و ستم اور ان کے حقوق سے ان کی محرومی۔

☆''انتہا پسند تانیثیت کا ماننا ہے کہ:

''کوئی انسان مرد یا عورت پیدا نہیں ہوتا بلکہ سماج اسے مرد یا عورت بنا دیتا ہے''

یہ ایسی بات ہے کہ جس کا باطل ہونا بالکل واضح ہے۔ابتدائے خلقت بشر سے انسان کی دو صنف رہی ہے اور خالق کائنات نے دو الگ الگ خصوصیات کے ساتھ انسان خلق کئے ہیں اور ان کے اندر جسمانی، روحانی اور نفسانی اعتبار سے فرق رکھا ہے جس میں اس کی حکمتیں کارفرما ہیں۔اللہ تعالیٰ نے مرد کو مرد اور عورت کو عورت خلق کیا ہے اور تخلیقی مرحلے میں وہ جسے چاہتا ہے لڑکا اور جسے چاہتا ہے لڑکی عطا کرتا ہے۔چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

''اللہ جسے چاہتا ہے مونث (لڑکی) اور جسے چاہتا ہے مذکر (لڑکا) عطا کرتا ہے''(۹۵)

لہٰذا انسان پیدا ہونا ہی مرد یا عورت کی خصوصیات کے ساتھ ہے سماج کا اس کے مرد یا عورت ہونے میں کوئی دخل نہیں ہے۔ہاں سماج اس کی تربیت کس طرح کرتا ہے یہ اور بات ہے لیکن کسی کے مرد یا عورت ہونے میں سماج کا کوئی دخل نہیں ہے۔

☆انتہا پسند تانیثیت کا نظریہ ہے کہ

''اگر عورتیں مردوں پر غالب آ جائیں تو مردوں کو عورت بنا دیں گی''

عورت کے دو پہلو ہوتے ہیں ایک جسمانی اور دوسرا روحانی و نفسانی۔ریڈیکل فیمنسٹوں کا اس جملے سے کیا مطلب ہے؟ کیا وہ تمام مردوں کو جسمانی لحاظ سے عورت بنا دیں گے؟ کہ جو تخلیقی فرق لے کر انسان پیدا ہوتا ہے۔یہ اصلاً غیر ممکن بلکہ محال بات ہے کہ خلقت میں کوئی تبدیلی کی جا سکے ہاں دو چار موارد سائنسی ترقی کے بعد قابل امکان ہو سکتے ہیں جہاں تبدیلی جنس کی جاتی ہے لیکن تمام مردوں کو عورت بنا دینا وہ بھی جسمانی اعتبار سے ایک ناممکن دعویٰ ہے۔

یا وہ تمام مردوں کو نفسانی وروحانی اعتبار سے عورت بنادیں گے کہ جہاں ان کے احساسات وجذبات عورتوں جیسے ہوجائیں گے؟ احساسات وجذبات کا تعلق بھی فطرت سے ہے جو انسان کی سرشت میں شامل ہے کسی طرح کی بھی پرورش کرنے کے باوجود مردانہ احساسات کو زنانہ احساسات میں تبدیل نہیں کیا جاسکتا۔ اگرچہ یہ ممکن ہے کہ ایک بچہ زنانہ ماحول میں زنانہ سماجیانہ کے ساتھ تربیت پاکے اس کے عادات واطوار میں کچھ خاطرخواہ تبدیلی لائی جائے لیکن جسمانی رشتہ کے ساتھ احساسات کو مردانہ ہوجانا یہ بھی فطری ہے اس میں کسی قسم کی تبدیلی ناممکن ہے۔

ایک مرد بچہ کو تربیت کے ذریعہ رحم دل بنایا جاسکتا ہے، بہت محبت کرنے والا بنایا جاسکتا ہے، اس کی گفتار میں اس کو تانیثی ضمیروں کا استعمال کا عادی بنایا جاسکتا ہے، اس کے لباس کی وضع کو زنانہ کیا جاسکتا ہے، لیکن حد بلوغ پر پہونچ کر فطری تبدیلیوں کو روکا نہیں جاسکتا، جنس مقابل کی طرف کشش کے عمل واحساسات کو ختم نہیں کیا جاسکتا۔ لہٰذا یہ دعویٰ کرنا کہ اگر عورتیں مردوں پر غالب آجائیں تو مردوں کو عورت بنادیں گی ایک بے بنیاد اور دوراز عقل دعویٰ ہے جس کی کوئی حیثیت نہیں ہے یہ صرف وصرف جذباتی باتیں ہیں۔

☆ ریڈیکل فیمنسٹوں کا نظریہ ہے کہ'':

''عورتوں کو چاہیے کہ وہ زوجہ وماں کی حیثیت کو ختم کریں تاکہ مردوں سے مقابلہ کرسکیں''

ریڈیکل فیمنسٹوں کے اعتبار سے عورت کی ابتری اور محکومیت کی وجہ اس کا ماں اور زوجہ کا رول ہے کہ اگر عورت کسی کی زوجہ نہ ہوگی تو اس پر ظلم وستم نہ ہوگا اور وہ ابتری کا شکار نہ ہوگی اسی طرح سے اگر وہ ماں نہ بنے گی تو بہت سے مسائل سے بری رہے گی جن کی وجہ سے اس کو مرد سے دبنا پڑتا ہے۔ اور اس کی ماتحتی قبول کرنی پڑتی ہے۔

عورت کی زندگی کے تین وہ اہم پہلو ہیں جن پر اسکی پوری حیات گردش کرتی ہے۔ اور اسی میں اس کے وجود کا کمال وزوال مضمر ہے۔ اور وہ ہے بیٹی، زوجہ اور ماں۔ اور ان میں سے ہر کردار کو اسلام نے کمال کی منزلیں عطا کی ہیں۔

بیٹی:

دنیا میں قدم رکھتے ہی پہلا فطری رشتہ عورت کا جو وجود میں آتا ہے وہ بیٹی کا ہے۔ ممکن ہے کہ وہ کسی کی بہن نہ ہو یا بھتیجی اور بھانجی نہ ہو لیکن اس کا بیٹی ہونا ناگزیر ہے۔ عورت اور تانیثیت کی تاریخ میں ہم پہلے اس پہلو پر تفصیل سے روشنی ڈال آئے ہیں کہ زمانہ قدیم میں یا اقوام عالم میں بیٹی کی کیا حیثیت تھی بالخصوص جزیرۃ العرب میں کہ جہاں بیٹی کی پیدائش ننگ وعار تصور کی جاتی تھی اور لڑکیوں کو زندہ درگور کردینا عام تھا۔ چنانچہ قرآن کریم نے اس زمانہ کے حالات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

''اور جب ان میں سے کسی کو لڑکی کی بشارت دی جاتی ہے تو اس
کا چہرہ سیاہ پڑجاتا ہے اور وہ خون کے گھونٹ پینے لگتا ہے۔ اور
قوم سے منہ چھپاتا ہے کہ بہت بری خبر سنائی گئی ہے اب اس کو

ذلت سمیت زندہ رکھے یا خاک میں ملادے یقیناً یہ لوگ بہت
برا فیصلہ کررہے ہیں'' (۹۶)

اور ان ایام جہالت کی بو آج بھی ہمارے سماج میں پائی جاتی ہے اور عام طور سے لوگ بیٹی کی ولادت پر خوش نہیں ہوتے اور بعض تو ولادت سے پہلے ہی اس کو ختم کردیتے ہیں۔ میرا کہنا ہے کہ اس زمانہ کے جاہلوں اور آج کے پڑھے لکھے لوگوں میں جو ایسا کرتے ہیں اس معاملہ میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اگر فرق ہے بھی تو بس اتنا کہ اس دور میں الٹرا ساؤنڈ کی سہولیات نہیں تھی۔ ٹیکنولوجی نہیں تھی اس لئے وہ ۹/ ماہ انتظار کرتے تھے اور پیدا ہونے کے بعد زندہ درگور کرتے تھے لیکن آج کا تعلیم یافتہ اور مہذب انسان اپنی تکنیکی ترقیوں کی وجہ سے ۹/ ماہ تک انتظار نہیں کرتا اور رحم مادر ہی میں درگور کردیتا ہے۔

اور حق تو یہ ہے کہ ان حالات کا چاہے وہ مسلمانوں میں ہو یا غیر مسلموں میں اسلام بالکل ذمہ دار نہیں ہے بلکہ اس کے برعکس اسلام نے عورت کی کھوئی ہوئی حیثیت کو واپس دلانے کی پوری کوشش کی ہے اور اسلام ہمیشہ سے مرد و عورت دونوں کا حامی رہا ہے۔ پورے قرآن میں کسی قسم کی تفریق کی بات نہیں کی اور سیکڑوں ایسی روایتیں موجود ہیں جن میں لڑکی کا مرتبہ اور اس کی اہمیت کو اجاگر کیا گیا ہے۔ چنانچہ اسلام میں لڑکی کو رحمت اور لڑکے کو نعمت سے تعبیر کیا گیا ہے کہ روز محشر نعمت کا تو حساب و کتاب ہے لیکن رحمت کا نہیں یعنی لڑکی کے متعلق حساب و کتاب نہیں ہے۔ حدیث میں ہے رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ:

''جس نے دو لڑکیوں کی پرورش کی وہ میرے ساتھ روز قیامت
اس طرح ہوگا۔ اور آپ نے اپنی انگلیوں کو آپس میں
ملادیا'' (۹۷)

ایک مقام پر ارشاد ہوتا ہے:

''جس کو تین بیٹیاں یا بہنیں یا دو بیٹی و بہن ہو اور وہ اس کی
اچھی تربیت کرے تو اس کے لئے جنت ہے'' (۹۸)

جارود ابن منذر کہتے ہیں کہ امام صادقؑ نے مجھ سے فرمایا:

''مجھے اطلاع ملی ہے کہ تمہارے یہاں لڑکی پیدا ہوئی اور تم اسے پسند نہیں کرتے اس کا کیا نقصان ہے؟ بلکہ وہ ایسا پھول ہے جس کو تم سونگھو گے اور اس کے رزق کی ذمہ داری بھی تمہارے اوپر نہیں ہے۔ اور رسول خدا بھی بیٹی کے باپ تھے''

رسول اکرم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

''عورت کی خوش قدمی (نیک بختی) کی علامت یہ ہے کہ اس کی پہلی اولاد لڑکی ہو''
''تمہاری بہترین اولاد لڑکیاں ہیں'' (۹۹)

ہم اپنی بحث کو مختصر کرتے ہوئے اتنا ضرور کہیں گے کہ اسلام نے لڑکیوں کی اہمیت کو آشکار کیا، باپ کے لئے اسے رحمت قرار دیا، جنت کا ضامن اور ماں کی خوش بختی کی علامت قرار دیا لیکن آج اسلام سے دور سماج میں وہی جاہلانہ نظریات سرایت کر گئے ہیں اور جس امت کے نبی نے بیٹی کو رحمت قرار دیا اس کے امتی اب اسے زحمت تصور کرنے لگے ہیں چنانچہ مسلمانوں کے انہیں حالات کے مدنظر مرحوم سلیمان خطیب فرماتے ہیں:

جس کی بیٹی جوان ہوتی ہے
اس کی آفت میں جان ہوتی ہے
بوڑھے ماں باپ کے کلیجے پر
ایک بھاری چٹان ہوتی ہے

اگر آج کے اسلام سے بے گانہ سماج سے متاثر ہو کر ایک مسلمان اپنی رحمت کی نمونہ بیٹی کو زحمت اور کلیجے پر بھاری چٹان سمجھے تو اس میں اسلام اور رسول اسلام کی کیا خطا ہے؟

زوجہ:

عورت کا دوسرا اہم کردار زوجہ کا ہے، جب بیٹی پروان چڑھ کر جوانی کی منزلوں میں قدم رکھتی ہے تو ہر ماں باپ کو اپنی بیٹی کی شادی کی فکر ہوتی ہے۔ اسلام میں ازدواج یعنی شادی کا کیا مقام ہے یہ ہماری بحث سے باہر ہے لیکن اتنا بتانا ضروری ہے کہ اسلام میں شادی وہ مقدس پیوند (وصال) ہے جو اول تخلیق آدم سے انسانوں کے ساتھ ہے۔ چنانچہ خداوند عالم نے جناب آدم کو خلق کرنے کے بعد حضرت آدم سے جو پہلی بات کہی وہ یہی تھی کہ:

''تم اور تمہاری زوجہ جنت میں رہو'' (۱۰۰)

یعنی عورت کا پہلا کردار زوجیت کا ہے۔ اور حضرت حوا کو حضرت آدم کی زوجہ کے عنوان سے یاد کیا گیا اور آج کے زمانہ کا ریڈیکل فیمنسٹ زوجیت کے رول کو ختم کرنے کی بات کر رہا ہے۔ یہ زوجیت اور یہ ایک عورت کا ایک مرد سے منسوب ہونا، نظام فطرت کا وہ زینہ ہے جہاں سے انسانیت کو کمال حاصل ہوتا ہے اور مرد و عورت ایک دوسرے کو مکمل کرتے ہیں۔ مادی زندگی میں بھی اور معنوی حیثیت سے بھی۔ اور اس سلسلہ میں عورت کا کردار کس قدر اہم ہے یہ بات حضور اکرم ﷺ کی اس روایت سے معلوم ہوتی ہے کہ جس میں آپ نے فرمایا:

''جس نے شادی کی گویا اس نے اپنا آدھا دین محفوظ کرلیا۔ اور باقی آدھے میں تقوی و پرہیزگاری اختیار کرے'' (۱۰۱)

شادی کے بہت سے فائدے ہیں ان میں سے (۱) نسل کی بقاء (۲) جسمانی و روحانی سکون اور تعادل (۳) سماج میں اخلاقی سلامتی (۴) انسان کی خواہش نفس کی تسکین (۵) اور محبت کی حس کی تکمیل اہم ہیں۔ (۱۰۲)

شادی کو انسان کی جنسی ضرورت کی تکمیل کے ذریعہ ایک مثبت اثر کہا جاسکتا ہے لیکن اسلام کی نظر میں شادی کی حقیقت اور فلسفہ کو تین چیزوں میں تلاش کیا جاسکتا ہے۔ تکمیل ۔تسکین اور تولید۔

تکمیل:

کوئی انسان بھی بذات خود تنہا مکمل نہیں ہے اور مسلسل اپنی کمی کو پورا کرنے میں لگا رہتا ہے۔ایک جوان اپنے فکری استقلال کو حاصل کرنے میں لگا ہوتا ہے۔اپنی کمیوں کو پورا کرنے اور بے پناہ ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے اس کو شادی کی طرف لایا جاتا ہے۔اور وہ اپنے لئے مناسب اور شائستہ شریک حیات تلاش کرکے اپنے رشد وکمال کے اسباب کو پالیتا ہے۔مرحوم شہید مطہری کہتے ہیں:

''خانوادہ کی تشکیل یعنی ایک دوسری سرنوشت سے ایک قسم کا لگاؤ
پیدا کرنا'' اور اسلام میں شادی کو جو ایک مقدس امر کہا گیا ہے اس
کی وجہ بھی یہی ہے۔اس لئے شادی انسان کا اپنی فطری خودی
سے باہر نکلنے اور اپنی شخصیت میں وسعت دینے کا پہلا مرحلہ ہے
۔شادی اور خانوادہ کی تشکیل کے ذریعہ جو پختگی آتی ہے وہ کہیں
میسر نہیں ہے''(۱۰۳)

شادی کے بعد انسان ایک اجتماعی شخصیت میں تبدیل ہوجاتا ہے اس لئے کہ اب وہ خود کو اپنی زوجہ کے تحفظ، زندگی کے اسباب کی فراہمی اور آئندہ اپنے بچوں کی تربیت کا ذمہ دار تصور کرتا ہے اور اپنی بھرپور صلاحیتوں کو اس سلسلہ میں استعمال کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

لہٰذا شادی کو انسان کے رشد وکمال کا ذریعہ کہا جاسکتا ہے۔حقیقت تو یہ ہے کہ خداوند عالم نے انسان کو کچھ اس طرح خلق کیا ہے کہ وہ جنس مخالف کے بغیر ادھورا ہے اور جنس مخالف کے ذریعہ ہی کامل ہوتا ہے۔مرد کو عورت کی ضرورت ہے اور عورت کو مرد کی، ہر ایک، دو الگ جنس سے ہیں لیکن جسمانی و روحانی اعتبار سے ایک دوسرے سے وابستہ ہیں۔اور ایک دوسرے کے ساتھ ہی ایک دوسرے کو مکمل کرتے ہیں۔

تسکین:

شادی کے ذریعہ سب سے اہم ضرورت جو پوری ہوتی ہے وہ سکون، آسودگی اور انسیت کا احساس ہے۔انسان کی سرشت میں یہ ضرورت اس قدر اہم ہے کہ خداوند عالم نے شادی کے فلسفہ کے سلسلہ میں ارشاد فرمایا:

''اور اللہ کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ اس نے تمہارے
لئے تمہاری ہی جنس سے ہمسر (جوڑا) قرار دیا تا کہ ان کے

ذریعہ سکون حاصل کرسکو۔'' (۱۰۴)

اس لئے زوجہ سکون وچین کا باعث ہے لہٰذا اسلام میں زوجہ کا کردار، عورت پر ظلم وستم کا سبب نہیں بلکہ ایک عظیم عبادت ہے۔

تولید:

شادی کے ایک بڑے فوائد میں اولاد کا وجود اور نسل کی بقا ہے۔تولید اور تکثیر نسل کو بے اہمیت نہیں سمجھنا چاہئے۔اس لئے کہ دنیا کی خلقت کا مقصد انسان کا وجود اس کی پرورش اور اس کا تکامل ہے۔اور خدا پرست، موحد، نیک اور صالح انسانوں کی تولید و پرورش خداوند عالم کی نگاہ میں مطلوب ہے۔اور اسلام کی نگاہ میں صالح اولاد کا وجود ماں باپ کے لئے اعمال صالحہ میں شمار ہوتا ہے۔(۱۰۵)

بنابریں زوجہ کا کردار مقصد خالق کے عین مطابق ہے۔اور جیسا کہ ہم نے پہلے ذکر کیا ہے عورت کو زوجہ بننے کے بعد شوہر کی صورت میں ایک محافظ، اسکے اور اس کی اولاد کے خرچ کا ذمہ دار مل جاتا ہے۔اور وہ خود کو محفوظ و مطمئن تصور کرتی ہے۔

شادی ہر عورت ومرد کے لئے ایک جسمانی اور روحانی ضرورت ہے جسکی تکمیل مرد وعورت کے ذریعہ ہوتی ہے اور اسلام میں یہ ایک مقدس رشتہ ہے جو فطرت اور شریعت دونوں کے عین مطابق ہے۔اور ہر قوم وملت میں، ہر زمانہ میں یہ نظام رائج رہا ہے یہ اور بات ہے کہ اس کا طریقہ کار مختلف رہا ہے لیکن کسی نہ کسی صورت میں شادی تمام عالم بشریت میں ایک رائج و جائز عمل شمار ہوتا ہے۔ریڈیکل فیمنسٹ جس کی مخالفت کرتے ہیں اور زوجہ کے رول کو عورت پر ظلم وستم کا سبب مانتے ہیں۔لیکن یہ بات تو مسلم ہے کہ شادی شدہ اور غیر شادی شدہ مرد اور عورت (خاص طور سے عورت) کے نفسیات میں بہت فرق ہو جاتا ہے اور خاص طور سے عورت کا شادی نہ کرنا یعنی مجرد زندگی گزارنا ہر سماج و مذہب وملت میں ایک بہت ہی ناپسند کام ہے۔اس کے منفی اثرات کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔حتیٰ کہ دیر سے شادی کرنا بھی سماج کے لئے مضر ہے۔

دیر سے شادی کرنا یا غیر شادی شدہ رہنا ہر سماج میں اور ہر نقطہ نظر سے ایک اجتماعی سماجی مشکل شمار ہوتا ہے اور ساتھ ہی اس کے بہت سے روحانی، نفسانی اور جسمانی نقصانات بھی ہیں۔جیسے جیسے شادی کا سن بڑھتا جاتا ہے ویسے ویسے فرد تجرد سے قریب تر ہوتا جاتا ہے یعنی وہ ذہنی طور پر غیر شادی شدہ زندگی گزارنے کیلئے آمادہ ہو جاتا ہے۔

لہٰذا تجرد کی کوئی بھی وجہ ہو اس کے روحانی و نفسانی خطرات و نقصان مسلم ہیں اور خاص طور سے لڑکیوں کا غیر شادی شدہ رہنا خود ان کی ذات و فطرت کیلئے اور سماج کے لئے زیادہ نقصان دہ ہے۔

تجرد چاہے اختیاری صورت میں ہو یا غیر اختیاری اور مجبوری کی صورت میں ہو، جیسے اقتصادی مسائل، رنگ وروپ، شکل وصورت، جسمانی مشکلات وغیرہ۔اس کے نقصانات مسلم ہیں۔جس کے چند نمونے ہم یہاں پیش کرتے ہیں:

۱-افسردگی:

ڈاکٹرمحسن ایمانی اپنے مقالہ میں لکھتے ہیں کہ:

''کچھ ایسے وہ افراد جن کی عمریں زیادہ ہوگئیں اور شادی نہ ہوسکی ان کا کہنا تھا کہ کچھ دنوں سے ہم اپنے اندرایک خاص کیفیت سے دوچار ہیں جو پہلے نہ تھی ۔جیسے ،سرد مہری،کسالت،خواہشات کے سلسلہ میں بے توجہی ،غورفکر وارادہ میں قوت ارادہ کی کمی،جو سب کے سب افسردگی کی علامتیں ہیں''

اکثرعلمی تحقیقات میں یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ مجردلڑکیوں میں افسردگی ،شادی شدہ لڑکیوں کی بنسبت زیادہ ہے۔اوراسی طرح یہ بھی دیکھنے میں آیا ہے کہ شادی میں تاخیراس بات کا باعث ہوتا ہے کہ ایسے افراداپنی فطری خواہشات سے چشم پوشی کرنے لگتے ہیں اورافسردہ ہوجاتے ہیں اوراگران کے مزاج کے مطابق شادی ہوگئی تو یہ مشکل خودبخود دور ہوجاتی ہے۔اورشادی شدہ افرادعام طور سے نفسیاتی امراض میں کم مبتلا ہوتے ہیں۔

۲-انتخاب میں وسوسہ:

شادی کے سن میں اضافہ اورتاخیرجیسے جیسے بڑھتاجاتا ہے ویسے ویسے ہمسر(شوہر یا بیوی) کے انتخاب میں انسان وسوسہ کا شکار ہوتا چلاجاتا ہے اور خوب سے خوب تر کی تلاش میں مبتلا ہوکر ہر ایک میں اسے عیب زیادہ نظر آنے لگتے ہیں۔جس کا نتیجہ تجرد پر جاکر تمام ہوتا ہے۔کیونکہ دل میں خیال کچھ اس طرح کے پیدا ہوتے ہیں کہ اب میں ایسے کوانتخاب کروں کہ لوگ نہ کہہ سکیں کہ اس قدر صبر کرنے کے بعد یہی ملا؟ایسی صورت میں بہت کم لوگ ہیں جو خاطر خواہ رشتہ پاجاتے ہیں۔

۳-خطرہ وہ ناراحتی کے احساس میں اضافہ:

لڑکیاں جب شادی کے سن کو پہونچ جاتی ہیں اوران کی شادیاں نہیں ہوتیں تو لوگ ان سے مسلسل یہی سوال کرتے ہیں کہ ابھی تک شادی کیوں نہیں کی۔اور یہ سلسلہ ہم عمروں سے شروع ہوتا ہے۔اور یہ سوال لڑکیوں کے لئے بہت ہی تکلیف دہ ہے اوران کے مستقبل کے سلسلہ میں غم وغصہ کا سبب ہوتا ہے۔

۴-غیر ذمہ داری:

وہ افراد جوکسی طرح سے بھی تجرد میں پڑجاتے ہیں وہ خودکو غیر ذمہ دار تصور کرتے ہیں اوراپنے لئے کوئی صحیح مقصدکو طے نہیں کرپاتے ہیں اور سارے امورکو شادی کے بعد پر ڈال دیتے ہیں اس خیال میں کہ ہمیشہ باپ کے گھر تھوڑی

رہنا ہے۔اس لئے وہ اپنے مستقبل کیلئے کوئی پروگرام نہیں بنا پاتے۔

۵-فساد بڑھنے کی امید:

جب مجرد انسان کا سن بڑھ جاتا ہے تو ان کے ذریعہ فسادات پیدا ہونے کا خطرہ بھی بڑھ جاتا ہے البتہ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ ہر مجرد یا مسن انسان منحرف اور فساد زدہ ہے۔لیکن مطلب یہ ہے کہ شادی شدہ افراد کی بنسبت غیر شادی شدہ افراد میں فساد زیادہ پایا جاتا ہے۔اس لئے کہ جسمانی ضرورت ایک ایسی چیز ہے جس کو یوں ہی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔جس کا ایک اور صحیح راستہ ہے اور وہ ہے شادی۔

۶-بار ہونے کا احساس:

یہ احساس عام طور سے لڑکیوں میں دیکھنے کو ملتا ہے کہ جب ان کی شادی میں تاخیر ہوتی ہے یا کسی سبب سے نہیں ہوسکتی تو وہ خود کو اپنے گھر والوں پر بار تصور کرتی ہیں۔

اس کے علاوہ بے حوصلہ ہونا،ضدی پنا، چڑچڑا پن،شادی کے سن میں تاخیر یا تجرد کی مشکلات میں سے ہے۔اس طرح سے ماہرین کا ماننا ہے کہ موجودہ حالات میں وہ جوان لڑکیاں جن کی شادی میں تاخیر ہورہی ہے یا نہیں ہورہی ہے وہ فردنمائی، بے حجابی، جنسی اخلاق کی پستی، یہاں تک کہ خودکشی میں مبتلا ہوسکتی ہیں۔

اس کے علاوہ اجتماعی وسماجی مشکلات اپنی جگہ پر ہیں۔ڈاکٹر ایمان کہتے ہیں کہ:

> ''ایسے لوگ (مجرد عورتیں) مغربی ممالک میں اگرچہ سکون سے جی رہی ہیں لیکن اگر تجرد کو ایک بیماری کے عنوان سے دیکھا جائے تو اس میں مختلف ممالک میں کوئی فرق نہیں ہے۔مثلاً ''اسکیز وفرنیہ'' کا مریض دنیا کے ہر کونے میں مریض شمار ہوتا ہے ایسا مرض جس سے انسان کی قوت فکر متاثر ہوجاتی ہے''(۱۰۶)

امراض Cultuer band نہیں ہیں بلکہ اجتماعی آفتیں جیسے تجرد Cultuer band ہیں اس صورت میں نفسیاتی علوم کے اعتبار سے تجرد کو Cultuer band میں شمار کیا جاتا ہے۔وہ لڑکیاں جن کے رشتے نہیں آتے وہ افسردگی کا شکار ہوجاتی ہیں۔یہاں تک کہ وہ لوگ جنھوں نے شادی نہ کرنے کا سوچ رکھا ہے وہ بھی نفسیاتی مشکلات سے دوچار ہیں لہٰذا کسی وجہ سے بھی غیر شادی شدہ لوگ خود بھی بعض مشکلات میں مبتلا ہوتے ہیں اور سماج کو بھی مشکلات میں ڈال دیتے ہیں۔(۱۰۷)

اس طرح ریڈیکل فمینسٹ لڑکیوں کو ترک شادی کی ترغیب دلاکر خود ان کو اور سماج کو بہت سی مشکلات میں

مبتلا کرنا چاہتے ہیں۔ جو دونوں کے لئے نقصاندہ ہے اور اسلام اس کا سخت مخالف ہے۔

ماں:

ماں، عورت کی حیثیت کا وہ بلند ترین مقام ہے جہاں تک دنیا کے کسی مرد کی رسائی نہیں ہے اور یہ وہ نقطہ ہے کہ جس سے ہر بڑے سے بڑے مرد کو گزرنا ہے۔ ماں ہونا عورت کے بزرگ ترین افتخارات میں سے ہے۔ دنیا کی پہلی عورت کو زوجہ کے بعد جو مقام سب سے پہلے ملا وہ ماں کا تھا۔ ماں محبت والفت کا پیکر ہوتی ہے اور اس مرتبہ میں آ کر تو انسان کیا حیوان میں بھی وہ محبت پائی جاتی ہے جو کہیں دیکھنے کو نہیں ملتی۔

اسلام نے عورت کو تمام مراتب وحقوق سے نوازنے کے بعد، اس پر مختلف فرائض اس کی ساخت وساز کے مناسب عائد کرنے کے بعد جو اس کو مرتبہ دیا اس پر دنیا کی ہر اس عورت کو ناز کرنا چاہئے جو ماں ہے۔

ریڈیکل فمینسٹ مادری کردار کو ختم کر کے عورت کو آزادی دلانے کی بات کرتے ہیں جو نظام فطرت سے پیکار کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے فطرت نے تولید کے لئے عورت کا انتخاب کیا ہے اور اس کے لئے مقام مادری کے بلند مرتبہ کو چنا ہے۔ اور پھر اس کو مہر ومحبت وعطوفت سے سرشار کیا ہے۔ اور وہ بھی ایسی محبت کہ دنیا میں جس کی مثال نہیں ہے۔ چنانچہ شاعر کہتا ہے۔

ہر طرح پائدار ہوتا ہے
لائق اعتبار ہوتا ہے
جس میں کوئی غرض نہیں ہوتی
وہ فقط ماں کا پیار ہوتا ہے

یہی نہیں بلکہ دنیا کے تمام مذاہب میں ماں کا ایک خاص احترام اور ایک خاص مقام ہے۔ اور انبیاء نے اسکی عزت واحترام میں بہت سی وصیتیں اور تاکیدیں کی ہیں۔ اور ہم کو تاکید کرنے سے پہلے وہ خود اس عمل کو انجام دیتے تھے۔

حضرت ابراہیم اپنے والدین کیلئے مغفرت کی دعا کرتے ہیں:

''اے میرے پروردگار جس روز تیرا حساب وکتاب
برپا ہو اس دن مجھے میرے باپ میری ماں اور تمام مومنین کی
معاف کردے'' (۱۰۸)

یہ دعا نہ صرف یہ کہ ماں کے بلند مقام کا پتہ دیتی ہے بلکہ ایک تربیتی پہلو بھی اس میں مضمر ہے کہ مسلمانوں کو کس طرح سے اپنی ماں اور باپ کے لئے دعا کرنی چاہئے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خداوند عالم سے مناجات کرتے ہوئے اس سے چاہا کہ جنت میں ان کے ہم نشین کو پہچنوائے تا کہ وہ اسے پہچان لیں۔ خطاب آیا موسیٰ فلاں علاقہ میں فلاں دوکان پر جاؤ جو آدمی وہاں اپنے کام میں مشغول

ہے جنت میں وہی تمہارا ہم نشین ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کے پاس گئے دیکھا ایک قصاب جوان ہے۔دور سے اس کو دیکھتے رہے کہ کون سا عمل اس کا اس بات کا باعث ہوا کہ وہ جنت میں میرا ہم نشین ہوا لیکن انھیں کوئی چیز غیر معمولی نظر نہ آئی۔

رات کو جب وہ جوان اپنی دوکان بند کر کے چلا تو موسیٰ نے خود کو پہچنوائے بغیر اس سے درخواست کی کہ رات کو وہ انھیں اپنے یہاں مہمان رکھ لے۔حضرت موسیٰ اس طرح سے اس راز کو جاننا چاہتے تھے اور دیکھنا چاہتے تھے کہ وہ کون سی عبادت کرتا ہے جس کے عوض خدا نے اس کو یہ مقام عطا کیا ہے۔

جوان گھر آیا اور اس نے سب سے پہلے کھانا تیار کیا پھر وہ ایک بوڑھی عورت جس کے ہاتھ پیر کام نہیں کر رہے تھے ،وہ پڑی ہوئی تھی اس کے پاس گیا اور اس کو لقمہ لقمہ کر کے کھانا کھلایا اس کے ہاتھ منھ دھلایا، کپڑے تبدیل کئے۔موسیٰ جب چلنے لگے تو اس جوان سے پوچھا کہ یہ کون ہے اور جب تم کھانا کھلا رہے تھے تو وہ آسمان کی جانب نگاہ کر کے کیا کہہ رہی تھی؟

اس جوان نے کہا یہ میری ماں ہے اور جب بھی میں اسے کھانا کھلاتا ہوں وہ میرے لئے دعا کرتی ہے اور کہتی ہے۔خداوندا! اس کو جنت میں موسیٰ بن عمران کا ہمنشین قرار دے۔

موسیٰ نے خود کو پہچنوایا اور اس جوان کو خوش خبری کی کہ تیری ماں کی دعا قبول ہوگئی''

حضرت عیسیٰ کے مذہب میں ماں کا مقام اس قدر بلند ہے کہ حضرت عیسیٰ زندگی کی ابتدا میں شکر ادا کرتے ہیں اور سب سے پہلے اس بات کی یاد دہانی کرتے ہیں اور خدا کا شکر کرتے ہیں کہ انھیں ماں کی نسبت نیک قرار دیا ہے۔اس لئے کہ انھیں پتہ ہے کہ ماں کے ساتھ نیکی سب سے بڑی قیمتی چیز ہے۔

''اس نے مجھے ماں کی نسبت نیک قرار دیا ہے اور جبار و شقی نہیں
قرار دیا ہے''(۱۰۹)

حضرت مسیح ماں کے ساتھ نیکی کو اپنے امتیازات میں شمار کرتے ہیں اور یہ ماں کے مقام کی اہمیت پر روشن دلیل ہے ،اگر چہ تمام آسمانی مذاہب ماں کے لئے بلند مقام کے قائل ہیں لیکن اسلام نے اس مسئلہ میں سب سے زیادہ اہمیت دی ہے۔

اسلام نے جو حقوق ماں کے لئے رکھے ہیں وہ ان تمام حقوق سے بالاتر ہیں جو دوسروں کے لئے ہیں حتیٰ کہ باپ سے بھی بڑھ کر اس لئے کہ ماں انسان اور سماج کو تربیت دینے والی اور اسکی پرورش کرنے والی ہے۔وہ ہے جو فرد و سماج کو یا خوش بخت کر دے یا بد بخت۔

قرآن کریم میں لفظ اُم (یعنی ماں) کئی مرتبہ آیا ہے اور کئی مقامات پر والدین کے ذریعہ ماں کا ذکر ہے اور ان تمام مواقع پر ماں کی بزرگواری اور تمجید کی گئی ہے۔

خداوند عالم نے قرآن کریم میں سورہ لقمان کی آیت ۱۴/ ،اور سورہ احقاف میں والدین کے ساتھ حسن سلوک کی

تاکید کے بعد ماں کے زحمات اور تکلیفوں کو ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے:

''اس کی ماں اس کو (بچے کو) تکلیف کے ساتھ حمل کرتی ہے اور
تکلیف کے ساتھ پیدا کرتی ہے اور حمل اور دودھ چھڑانے کی
مدت تیس ماہ ہے۔ یہاں تک کہ وہ کمال تک پہونچ جاتا ہے اور
چالیس سال کا ہوجاتا ہے'' (۱۱۰)

پیغمبر اسلام ﷺ کی اپنی ماں کے احترام کی سیرت بہترین دلیل ہے ماں کے مقام کی بلندی پر امام زین العابدینؑ ماں کے حق کے باب میں فرماتے ہیں:

''ماں کا تمہارے اوپر حق یہ ہے کہ تم جان لو کہ اس نے تم کو حمل کیا
اس طرح جس طرح کسی اور کو حمل نہیں کرسکتی اور اپنے میوہ قلب
کو تمہیں دیا ایسے کہ جیسے کسی کو نہیں دے سکتی، اس نے تم کو تمام
اعضاء و جوارح کے ساتھ آغوش میں لیا۔ تمہارے لئے اپنی نیند
کو ترک کیا اور سردی و گرمی سے تمہیں بچایا تو تم ان تمام رحمتوں
کے مقابلہ میں کیا اس کا شکر ادا کر سکتے ہو مگر خدا کی توفیق اور مدد
کے ذریعہ'' (۱۱۱)

یہاں تک کہ پیغمبر اسلام ﷺ نے ایک روایت میں فرمایا:

''جنت ماؤں کے پیروں کے نیچے ہے''

یعنی انسانی کمال کے آخری مرحلہ تک پہونچنے کیلئے ماں کی رضامندی ضروری ہے۔ چنانچہ فارسی کا شاعر کہتا ہے۔

جنان در زیر گام مادران است
بکش بردیده، خاک زیر گامش
مکن برروی او تندی کہ برتو
خدا فرمودہ واجب احترامش

ماؤں کے پیروں کے نیچے جنت ہے۔ تم اس کے پیروں کی مٹی اپنی آنکھوں میں لگاؤ، اس کے ساتھ سختی سے پیش نہ آؤ کہ اس کا احترام خداوند عالم نے تمہارے اوپر واجب قرار دیا ہے۔

لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ اگر کوئی ماں کو راضی کرلے اور شرعی احکام کو انجام نہ دے تو بھی وہ جنت میں جائے گا اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شرعی احکام کا پابند ہے لیکن اس کی ماں اس سے راضی نہیں ہے تو وہ ہرگز جنت میں نہیں جاسکتا۔ (۱۱۲)

اسلام نے عورت کو اس بلندی تک پہونچادیا کہ جہاں اس کی رضامندی کے بغیر خدا کی اطاعت بھی انسان کے کام آنے والی نہیں ہے۔اور آج کا ریڈیکل فمینسٹ عورت کو اس کی آزادی کے نام پر عورت سے اس کے اس مقام کو چھیننے کی کوشش کر رہا ہے۔

اگر مادری کردار ختم ہوگیا تو نسل انسان منقطع ہوجائے گی ،کاروان زندگی رک جائے گا، دنیا ظلم وستم کا اڈہ بن جائے گی، محبت والفت کے الفاظ لغات سے محو ہوجائیں گے اور یہ کائنات جو ماں کی بے لوث محبت کے سایہ میں پروان چڑھ رہی ہے جہنم کی نمونہ بن جائے گی اور یہ حقیقت ہے کہ مادری کردار نظام فطرت کی بنیاد ہے اس لئے اسکو دنیا کا کوئی نظریہ، کوئی تحریک یا کوئی انقلاب ختم نہیں کرسکتا۔اگر دنیا کو باقی رہنا ہے تو ماں کو باقی رکھنا ہوگا۔

اس مقام پر اتنا کہہ دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ مردوں کے مقابلہ کے لئے زوجہ اور ماں کے کردار کو ختم کرنے کی ضرورت نہیں ہے اس لئے کہ کسی کردار کو ختم کر کے مقابلہ نہیں کیا جاسکتا بلکہ ضرورت اس بات کی ہے زوجہ اور ماں کے کردار کو اسلامی تعلیمات کی روشنی میں اس قدر مقدس بنایا جائے کہ سارے مرد، عورتوں کے حقوق کو ادا کرنے لگیں اور نہ کسی زوجہ اور نہ ہی کسی ماں پر ظلم وستم ہو بلکہ اس روشنی میں عورت تمام طرح کے مظالم سے نجات پاجائے۔

☆ ریڈیکل فمنسٹوں کا نظریہ ہے کہ:

’’کوئی انسان کبھی عورت پیدا نہیں ہوتا بلکہ مرد اسے عورت بنادیتے ہیں یا یہ کہ مرد وعورت ہونا یہ مردانہ تہذیب کی دین ہے‘‘

ہم نے پہلے بیان کیا کہ اسلام دین فطرت ہے اور اس کے تمام قوانین فطرت سے ہماہنگ ہیں اور یہ طے ہے کہ اسلام وقرآن کی نظر میں نوع بشر کی دو جنسیں ہیں، ایک مرد اور ایک عورت مرد، مرد پیدا ہوتا ہے اور عورت، عورت پیدا ہوتی ہے۔ ہر مخلوق اپنی خصوصیات وامتیازات کے ساتھ دنیا میں قدم رکھتی ہے اور اسی اعتبار سے اس کے حقوق وفرائض معین ہوتے ہیں اور ہر ایک کو اپنے مدار اور محور میں رہ کر اپنے فرائض کو ادا کرنا چاہئے تاکہ اس کو اس کا پورا پورا حق مل سکے۔تہذیب جنس نہیں بناتی بلکہ جنس تہذیب کو بناتی ہے۔سماج کوئی صنف نہیں بناتا بلکہ صنف سماج کو تشکیل دیتی ہے۔ یہ انتہا پسندی کی حد ہی تو ہے کہ انسان نظام فطرت سے چشم پوشی کر لے اور اسے مرد، مرد نہ دکھائی دے اور عورت، عورت نہ نظر آئے۔تہذیب نہ زنانہ ہوتی ہے نہ مردانہ، ہر وہ تہذیب جس میں نظام عدل کارفرما ہو وہ تہذیب انسانیت کی تہذیب کہلاتی ہے جس میں نہ مرد کی طرفداری ہوتی ہے نہ عورت کی بلکہ قانون فطرت کی حکمرانی ہوتی ہے۔

اسلامی نقطہ نظر سے مرد ہو عورت بنانے والا خدا ہے وہ جسے چاہتا ہے مرد بناتا ہے اور جسے چاہتا ہے عورت بناتا ہے جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے:

’’آسمانوں اور زمین کی ملکیت اللہ کے لئے ہے اور وہ جو چاہتا
ہے خلق کرتا ہے۔ جسے چاہتا ہے بیٹی دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے

بیٹا دیتا ہے''(۱۱۳)

اور یہاں بھی خداوند عالم نے پہلے بیٹی اور پھر بیٹے کا ذکر کیا ہے۔لہٰذا یہ کہنا کہ سماج عورت کو عورت بناتا ہے سراسر غلط ہے۔انسان فطری طور پر مرد یا عورت پیدا ہوتا ہے سماج اس کے اندر اچھے یا برے صفات کا ذمہ دار ہوتا ہے اور سماج اور تربیت اسے ایک اچھا یا برا انسان بناتا ہے۔

☆ ریڈیکل فمنسٹوں کا ایک نظریہ یہ بھی ہے کہ:

''دنیا میں حکومت عورت کی ہونی چاہیئے اس لئے کہ جب عورتوں کی حکومت تھی تو اس وقت کوئی جنگ نہیں ہوئی اور کسی پر ظلم نہیں ہوتا تھا،لہٰذا تمام تر ظلم وستم،شر وفساد اور برائیوں کی جڑ مردوں کی حکومت ہے جس کو ختم ہونا چاہیئے''

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ قدیم تاریخ بشر کا مطالعہ کرنے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ اس زمانے میں عورتیں نہ صرف یہ کہ حاشیہ پر نہیں تھیں بلکہ خاص طور پر زندگی کے تمام امور اور بچوں کی تربیت کی مکمل طور پر ذمہ دار تھیں اور اس دور کو ''عصر مادر سالاری'' یا ''مادر شاہی'' کے نام سے جانا جاتا ہے۔

یہ وہ زمانہ ہے جب مرد شکاری تھے اور شکار کی غرض سے کافی وقت تک گھروں سے دور رہتے تھے اور طولانی سفروں پر چلے جاتے تھے لیکن موجودہ ثبوت اس بات کے گواہ ہیں کہ انسانی سماج کے اوائل میں نہ مادر سالاری نظام تھا اور نہ پدر سالاری کا۔بلکہ تاریخ سے پہلے اور تاریخ کے آغاز میں مرد،عورت مختلف مشغلے اور ذمہ داریاں رکھتے تھے لیکن ایک دوسرے کے ساتھ مل کر کام کرتے تھے اور ایک دوسرے کو کامل کرتے تھے اور کوئی چیز ایک دوسرے پر برتری کا سبب نہیں تھی۔

شکار اور غذا کی فراہمی کے بعد عصر حجر شروع ہوتا ہے اس دور میں عورت کافی طاقتور اور باعظمت ہوتی ہے اس لئے اس زمانہ میں عورت کا کام کھیتی کرنا اور مرد کا کام جانور پالنا ہو گیا لہٰذا عورت اپنے کام کے اعتبار سے فطرت کی ماں جانی جانے لگی اور عورت کی پوجا کا قانون ایجاد ہو گیا۔خلاصہ یہ کہ واضح ہے کہ عصر حجر عورت کی حکومت کا زمانہ ہے۔

اس زمانہ میں خانوادہ کی محافظت اور اقتصاد عورت کے ذریعہ پورے ہوتے تھے۔اور عورتوں کی مشکلات کی وجہ سے جب مرد شکار کے سفر پر جاتے تو عورتیں غاروں میں چلی جاتی تھیں اور بچوں کی حفاظت کی ذمہ دار ہوتی تھیں۔اسی طرح کھیتی کے ذریعہ غذا کی فراہمی کی ذمہ داری بھی انہیں کے اوپر تھی اور کھیتی کرنے کے ساتھ ہی وہ چھالوں کے ذریعہ رسی اور تاگے بنا کر بنائی کا کام بھی کرتی تھیں۔اسی زمانہ میں مٹی کے برتن بنانے کا چکلہ بھی ایجاد ہوتا ہے جو عورت کی مرد پر فوقیت کا سبب ہوتا ہے۔

''ویل ڈورانٹ''(Will durant) اس زمانہ میں مادر سالاری کی دلیلوں کے سلسلہ میں اپنی کتاب ''زن بہ

ظن تاریخ'' کے صفحہ ۳۸ پر اس طرح لکھتا ہے کہ:

''جب انسان نے سوئی اور سیفٹی پن بنائی تو بننے کا کام شروع کردیا اور آہستہ آہستہ باریک ریشوں کو استعمال کرنے لگے اور اس طرح بنائی کا کام عورتوں کا ہنر ہوگیا۔ کوزہ گری، چکلہ کی ایجاد، مرد کی اقتصادی برتری کا سبب بنا، عورتوں کا اس کام کو انجام دینا ایک دوسرے میدان پر قبضہ کرنا ہے تا کہ وہ اپنی برتری کو حاصل کرے''

اس زمانہ میں عورتیں اپنے بچوں اور بوڑھوں کی دیکھ بھال کرتی تھیں اور یہ لوگ عورت کی سرپرستی میں تھے۔ عورتیں اور مائیں برف وبارش کے وقت یا سیلاب وطوفان آنے کی صورت میں اپنے اور اپنے ساتھیوں کے لئے پناہ گاہ تلاش کرتی تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سے انسان شناسوں نے پناہ گاہ یا گھر بنانے کے کام کو عورت سے منسوب کیا ہے۔ اس کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ گھر اور پناہ گاہ کی احتیاج کا احساس عورتوں کو ہوا اور انھوں نے اس کو تلاش کیا۔

سماجی علوم کے مطالعہ کی بنیاد پر دور حاضر میں عصر حجر کے کھیتی باڑی کے جو آثار موجود ہیں ان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نصف زمیں کے شمالی اور جنوبی جزیروں میں اقیانوس آرام، جنوبی امریکہ اور بعض امریکہ کے ذریعہ کشف کئے گئے نئے جزیروں میں اور جنوب شرقی ایشیا کے دور افتادہ علاقوں میں آج بھی لوگ اجتماعی، سیاسی زندگی میں مادر سالاری نظام کے ساتھ جی رہے ہیں۔

درحقیقت تاریخ کے اس دور میں شوہر اپنی بیویوں کے گاؤں میں منتقل ہوجاتے تھے۔ شوہروں سے جدا ہونے پر بچوں پر ماؤں کا حق ہوتا تھا اور لڑکیاں ہمیشہ ماؤں کے پاس رہتی تھیں۔ لڑکے بالغ ہونے کے بعد اپنی بیویوں کے ساتھ ان کے گاؤں چلے جاتے تھے۔ گھر والوں کے لئے گھر بنانے کی ذمہ داری ماؤں کے ذمہ ہوتی تھی اور اس زمانہ میں ماؤں کی اہم ترین ذمہ داری آگ کو محفوظ رکھنا ہوا کرتی تھی۔

آگ جلانا آسان کام نہیں تھا اور چونکہ مرد لوگ اپنے گھر والوں کے ساتھ رہنے سے زیادہ شکار کی تلاش میں رہتے تھے لہٰذا عورتوں کی ذمہ داری تھی کہ گرمی اور روشنی کے لئے آگ جلائے رکھیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ماؤں اور آگ و چولھے کا پرانا رشتہ ہے اور عورتوں کی اہم ذمہ داریوں میں رہا ہے۔

ان مراحل سے گزر کر عورت نے اس دور میں قدم رکھا ہے لہٰذا ہم بڑی آسانی سے ماقبل تاریخ اور مابعد تاریخ کے ادوار میں عورت کی اہمیت کو سمجھ سکتے ہیں اور یہ طے ہے کہ صرف یہی ذمہ داریاں ہی عورت کی اہمیت کا باعث نہیں ہیں بلکہ بچے کی پیدائش اور اس کی پرورش بھی خاص اہمیت کی حامل ہے حقیقت میں مادر سالاری دور میں عورت ایک الٰہی اور مقدس ومحترم قوت کا نام تھا اس لئے کہ وہ زمین کی طرح بچہ کو پیدا کر کے مخلوقات عالم میں برکت کا باعث ہے۔

مادر سالاری دور میں عورت ابلتے ہوئے چشمے کی مانند ہے کہ جو اپنے بچے کو دودھ پلا کر اس کی زندگی کا باعث ہے یہی وجہ ہے کہ مابعد تاریخ کے ادوار میں بھی عورت کو پانی کا بھگوان جانا گیا ہے۔

ہم نے باب اوّل میں تفصیل سے ذکر کیا ہے کہ موجودہ تمام ترقیات میں عورت اصل وبنیاد کا رول رکھتی ہے اور

ہر ترقی کی بنیاد میں عورت کا خون پسینہ شامل ہے اور یہ سب اسی دور میں ہوا جب مادر سالاری کا دور تھا۔لیکن یہ دور مردوں کے طولانی شکاری سفر سے تھک کر واپس آ جانے پر ختم ہوگیا۔اور اب تھکے ہوئے مرد کھیتی اور جانور پالنے کے کام میں لگ گئے اور مردوں کی مالکیت کے دور کا آغاز تھا۔پہلے تمام چیزوں پر مالکیت اور پھر اس کے بعد عورتوں پر،شوہر اپنی بیویوں کے مالک ہوگئے اور وہ اپنے تمام حقوق سے محروم ہوگئیں۔اور پدر سالاری (یا مرد سالاری) کا زمانہ شروع ہوگیا۔اور عورت اپنے اس دور سے گزری جو ناگفتہ بہ ہے۔

تاریخ اپنے نشیب وفراز کے ساتھ اسی طرح آگے بڑھ رہی تھی کہ انیسویں صدی میں مغرب میں ایک تحریک کا آغاز ہوا جو مادر سالاری کو پھر سے پالینے کی کوشش میں تھی۔اور یہ تحریک دنیا میں فیمنزم کے نام سے جانی گئی جس کا استعمال عام طور سے لیبرل اور سرمایہ دار سماج میں عورت کی آزادی کے دفاع کے لئے ہوتا ہے۔

البتہ یہ بات قابل ذکر ہے کہ آج جو چیز فمینزم کے پیرائے میں بیان کی جاتی ہے اس میں اور مادر سالاری نظام میں بہت فرق ہے۔مادر سالاری نظام میں عورتیں ہرگز برتری طلب نہیں تھیں بلکہ جس چیز نے ان کو مقام سرپرستی عطا کی تھی وہ زندگی کے خاص شرائط تھے۔یہ فطری ضرورت تھی جس نے مادر سالاری کو تشکیل دیا تھا۔نہ کہ تسلط طلبی اور حاکمیت مطلقہ کی خواہش نے آج کے دور میں بہت سے فمنسٹوں کا یہی نظریہ ہے کہ عورتوں کو مردوں سے بہتر کی صورت میں پیش کریں اور بجائے عورت ومرد کی برابری کے عورت کی مطلقہ حاکمیت کے خواہش مند ہیں۔(۱۱۴)

ڈاکٹر رجب علی مظلومی اس سلسلہ میں تحریر کرتے ہیں کہ:

''میں مادر سالاری کو صحیح مانتا ہوں اور بچہ کی تربیت کو بنیادی چیز تصور کرتا ہوں لیکن اس شرط کے ساتھ کہ:

۱۔وہ ماں، باپ کی رفیقہ، دوست، ہمدم وہمروح ہو۔

۲۔وہ ماں، بچہ کے باپ کو بچہ کے لئے بہترین باپ کے عنوان سے متعارف کرائے۔

۳۔وہ ماں، مسلسل بچوں کو باپ کا احترام کرنے کی تاکید کرے۔

۴۔وہ ماں، گھر سے باہر باپ کی خدمات کے سلسلہ میں بچوں کو بتائے۔

۵۔وہ ماں، بچوں کے باپ کو ہمیشہ اپنے گھر اور اپنے دل میں حاضر تصور کرے۔

۶۔وہ ماں، گھر کے اندر پوری طرح سے امور خانہ داری کو چلائے اور باپ کو باپ کے علاوہ گھر کا ایک عضو تصور کرے۔

ماں، اگر چاہے تو باپ سے مشورہ کرے۔یا تمام بچوں کو جمع کر کے ان سے باپ کے مشورے کے متعلق سوال کرے کہ تم لوگ باپ کے مشورہ کو قبول کرتے ہو؟ اور بچوں کے سامنے باپ کے مشورہ کو اس طرح توجیہ کرے کہ وہ قبول کرلیں۔

بہر حال میں اس'' مادر سالاری کو صرف گھر کے اندر امور خانہ داری اور بچوں کی تربیت کی صورت میں ہی قبول

کرتا ہوں اس طرح کی ''سالار ماں'' گھر سے باہر کے معاملات میں دخل اندازی نہیں کرتی اور باپ کے گھر سے باہر کے کاموں پر حکومت نہیں جتاتی۔ بچوں کے بلوغ کے بعد کے معاملات جو سماجی اور اجتماعی ہیں ان کو باپ پر ڈالتی ہے۔ اور بچوں کے تعلیمی امور کو بھی باپ پر چھوڑ دیتی ہے۔

خلاصہ یہ کہ حاکم کو ایک ہونا چاہئے تا کہ خانوادہ میں وحدت برقرار رہے اور حاکم اسکو بنانا چاہئے کہ جو خانوادہ کے تمام مسائل سے مطلع ہو اور گھر کے تمام معاملات سے آگاہ ہو اور ساتھ ہی گھر کے تمام لوگ اس کے احترام و عزت کا خیال رکھیں۔ (۱۱۵)

جیسا کہ ہم نے پہلے ذکر کیا ہے کہ اسلام کسی بھی سالاری کی حمایت نہیں کرتا ہے اسلام نے مرد و عورت کے حقوق و فرائض ان کی فطری ضروریات کے تحت تقسیم کر دئے ہیں اب ہر ایک اپنے اپنے امور کا سالار رہے۔ جہاں عدالت و برابری کارفرما ہے اور اس محور سے نکلنا خلاف قانون ہے۔ لہٰذا ہر ایک اپنے اپنے دائرہ میں سالار ہے نہ کوئی ظالم ہے اور نہ کوئی مظلوم اور نہ کسی کو کسی پر ظلم و زیادتی کرنے کا حق اور نہ ہی کسی کا استحصال کرنے کا۔

رہی بات یہ کہ اگر حکومت عورت کی ہوگی اور عورت حاکم ہوگی تو کسی طرح کا ظلم و ستم نہ ہوگا۔ چنانچہ جب عورتوں کی حکومت تھی اور زن سالاری کا دور تھا تو جنگیں نہیں ہوئیں؟

سوال یہ ہے کہ جنگ، ظلم، غصبِ حقوق ان سب چیزوں کی بنیاد کیا ہوتی ہے؟

اسلامی نقطہ نظر سے ظلم و ستم اور جنگ جدال کی اصل وجہ ریاست طلبی، حب دنیا، مال و متاع کی محبت، برتری کی خواہش وغیرہ ہیں۔ ہم جب اس زمانہ کا مطالعہ کرتے ہیں جب عصر حجر تھا، جب عورت کی حکومت تھی، تو ان تمام چیزوں کا تصور بھی نہیں تھا۔ نہ کوئی مال تھا کہ مالکیت کا جھگڑا ہوتا، نہ کوئی مقام تھا کہ ریاست کی لڑائی ہوتی۔ انسان اپنی ضروریات پوری کرنے میں مشغول اور وہ اپنے مقصد کو پا کر خوش تھا۔ لیکن اب جب دنیا میں مال و متاع کی فراوانی، بڑے بڑے عہدوں اور مناصب کی خواہش اور مال جمع کرنے کی ہوس مرد و عورت سب میں یکساں حاکم ہے تو کیا ضمانت ہے کہ اگر عورت کی حکومت ہوگی تو جنگ نہیں ہوگی، ظلم نہیں ہوگا، لوگوں کے حقوق غصب نہیں ہوں گے، امن و امان قائم ہو جائے گا؟

اسلامی نقطہ نظر سے نظام چاہے مرد سالاری ہو یا زن سالاری سماج میں امن و امان قائم ہونے کا ایک ہی ذریعہ ہے اور وہ ہے ''عدل سالاری'' اگر نظام عدل حاکم ہوگا تو سماج میں امن و امان کارفرما ہوگا، منافی عدل نظام کوئی بھی ہو امن و امان قائم نہیں ہو سکتا یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم میں متعدد مواقع پر خداوند عالم عدل و انصاف کا حکم دیتا ہے اور انبیاء کو بھیجنے کے مقاصد میں سے ایک مقصد قیام عدل کی نشاندہی کرتا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

''ہم نے اپنے رسولوں کو بھیجا نشانیوں کے ساتھ اور ان کے
ساتھ کتاب اور میزان بھی بھیجا تا کہ وہ لوگوں میں عدل کو قائم
کریں'' (۱۱۶)

ایک اور مقام پر ارشاد ہوتا ہے:

''اللہ تمہیں صاحبان امانت کو ان کی امانتیں ادا کرنے کا حکم
دیتا ہے اور حکم دیتا کہ تم لوگوں کے درمیان عدل وانصاف کا حکم
کرو''(۱۱۷)

سورہ نحل میں ارشاد ہوتا ہے:

''اللہ تمہیں عدل اور حسن سلوک کا حکم دیتا ہے''(۱۱۸)

اس کے علاوہ اور بہت سی آیات وروایات ہیں جو انسانی معاشرہ میں نظام عدل کی تاکید کرتی ہیں اور وہاں پر نظام کے مادری یا پدری ہونے کی کوئی بات نہیں کی گئی ہے۔اس طرح بنی نوع بشر کے درمیان حاکمیت عدل کی ہونی چاہئے۔قیام عدل کا ذریعہ چاہے مرد ہو یا عورت۔اب یہاں سوال یہ پیدا ہوسکتا ہے کہ کیا معاشرے میں عورت قیام عدل اور نظام عدل برپا کرسکتی ہے؟ کیا نظام عدل کے لئے مرد کی حکومت ضروری ہے؟ کیا صرف عورت کی حکومت ہی (یعنی زن سالاری میں) قیام نظام عدل کا ذریعہ ہے یا مرد بھی نظام عدل قائم کرسکتے ہیں؟

اس کے جواب میں اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ اسلام نے عالم انسانیت کے لئے ان کی فطرت کے اعتبار سے ایسے قوانین مرتب کئے ہیں کہ اجرائی طاقت کسی میں بھی ہو اگر ان قوانین کو اجرا کیا جائے تو سماج میں عدل وانصاف اور امن وامان قائم ہوسکتا ہے لہٰذا یہ کہنا درست نہیں ہے کہ زن سالاری ہوگی تو ہی عدل قائم ہوگا اور مرد سالاری ہوگی تو ظلم وستم اور ناراضگی ہوگی۔ بلکہ حق تو یہ ہے کہ نظام عدل رائج ہوگا تو امن وامان ہوگا مجری کوئی بھی ہو مرد ہو یا عورت۔

☆انتہا پسندوں کا ماننا ہے کہ:

''جس عورت نے مرد کی مدد کی اس نے عورت سماج کے ساتھ بڑی خیانت کی''

انسان ایک اجتماعی حیوان ہے اور آپس میں مل جل کر رہنا اس کی نہ صرف یہ کہ ضرورت ہے بلکہ تمام تر ترقیات کے لئے اہم ہے اور آج تک جو بھی ترقی انسانی زندگی میں رونما ہوئی ہے اس میں آپسی تعلقات فکری اور جسمانی تعاون کا اہم کردار رہا ہے۔

جیسا کہ ہم پہلے بھی ذکر کرآئے ہیں انسانی معاشرے کی تشکیل میں مرد وعورت دونوں کی حصہ داری اہم ہے اور کاروان انسانی کو آگے بڑھانے سے لے کر انسانی ضروریات کو پوری کرنے تک کسی بھی مرحلہ میں مرد اور عورت ایک دوسرے سے بے نیاز نہیں ہیں۔نہ مرد اس بات کا دعویٰ کرسکتا ہے کہ اس کو زندگی میں عورت کی ضرورت نہیں ہے اور نہ ہی عورت اس بات کا ادعویٰ کرسکتی ہے کہ اس کو مرد کی احتیاج نہیں ہے۔یہ بات تمام سماجی علوم کے ماہرین تسلیم کرتے ہیں لہٰذا یہ کہنا کہ مرد کی مدد کرنا صنف نسواں کے ساتھ خیانت ہے نہ صرف یہ کہ عقلاً بلکہ سماجی اعتبار سے بھی ایک غلط نظریہ ہے۔

ایک عورت مرد کی کیا مدد کرتی ہے۔دور حاضر میں، کپڑے دھلنا، کھانا پکانا، بچوں کی پرورش کرنا، گھر کی صفائی اور

اہل خاندان کا خیال رکھنا،عورت کے اہم کاموں میں شمار ہوتا ہے ان میں اکثر امور وہ ہیں جن میں عورت خود بھی شریک ہے اور ایسا نہیں ہے کہ کوئی کام صرف مرد سے مخصوص ہوں،مثلاً کھانا پکانا۔تو ایسا نہیں ہے کہ صرف مرد کھانا کھاتا ہو اور عورت خود نہ کھاتی ہو،گھر کی صفائی سے عورت کے مزاج کی طہارت کا پتہ چلتا ہے وغیرہ لہٰذا ان امور کو مرد کی مدد سے تعبیر نہیں کیا جاسکتا۔رہی بات جنسی خواہش کی تسکین کی تو یہ فطری امر ہے اور جس قدر ایک مرد کو اس کی احتیاج ہے اسی قدر بلکہ بعض ماہرین کے مطابق اس سے زیادہ عورت کو اس کی ضرورت ہے۔لہٰذا اس کو بھی مرد کی مدد نہیں کہا جاسکتا۔اور اگر کوئی اس بات کا قائل ہے کہ جنسی خواہشات کو غیر فطری طریقہ سے تسکین پہونچایا جائے تو اس کے خطرناک نتائج سے اسی باب کی آئندہ فصلوں میں ہم آگاہ کریں گے کہ یہ جسمانی اور روحانی دونوں اعتبار سے نہ صرف یہ کہ نقصاندہ ہے بلکہ ایک سماجی جرم بھی ہے۔

آج پوری دنیا میں مرد اور عورت کی ایک دوسرے کی مدد سے نظام انسانیت جاری وساری ہے اور تمام تر ترقیات اسی تعاون کے مرہون منت ہے۔انسانی زندگی کے ہر شعبہ میں مرد وعورت کے ایک دوسرے سے تعاون کو وہی اہمیت حاصل ہے جو کسی مشین کے پرزوں کو ایک دوسرے کی بنسبت ہوتی ہے۔

اور یہ کہنا کہ:''مرد کی مدد کرنا عورت سماج کے ساتھ خیانت ہے''تو عالم انسانیت میں جو بھی سماج ہے وہ مرد وعورت سے مل کر تشکیل پاتا ہے عورت اور مرد کے جداگانہ سماج کا تصور نہیں ہے۔

قرآن مجید میں تمام عالم انسانیت کو ایک دوسرے کی مدد کرنے کی دعوت دی گئی ہے اور یہ کہا گیا ہے کہ ایک دوسرے کی نیک کاموں میں مدد کرو لیکن برائی میں مدد نہ کرو۔ارشاد ہوتا ہے:

''ایک دوسرے کی نیکی اور تقویٰ میں مدد کرو اور گناہ اور سرکشی میں
مدد نہ کرو''(۱۱۹)

لہٰذا اسلامی نقطہ نظر سے نیکی اور اچھے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کرنا چاہئے اور یہی فارمولہ سماج کی بہبود اور اچھائی کے لئے کارآمد ہے اور اسی فارمولے کے تحت اسلام سماج میں امن وامان اور انسان دوستی کو عام کرنا چاہتا ہے۔اس طرح ایک دوسرے کی مدد اچھے کاموں میں کرنی چاہئے مرد،عورت کی مدد کرے یا عورت مرد کی نیکی میں مدد کرنے سے اچھائی کا فروغ ہوگا اور برائی کا خاتمہ۔

☆انتہا پسند تانیثیت کا نظریہ ہے کہ:

''عورت کو حتی کہ جنسی لذتوں سے بھی مرد سے بے نیاز ہونا چاہئے''

انتہا پسندی میں فکر وفہم سے پرے گفتگو کرنا کوئی نئی بات نہیں ہے۔انتہا پسندی کا مطلب ہی ہوتا ہے کہ حدود سے تجاوز کر کے سوچنا یا بولنا۔خداوند عالم نے نظام ہستی میں ہر چیز کو جوڑے کے ساتھ پیدا کیا ہے۔چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

''ہم نے ہر چیز کو جوڑے کی صورت میں خلق کیا ہے''(۱۲۰)

''پاک و پاکیزہ ہے وہ ذات جس نے تمام جوڑوں کو پیدا کیا
جو کچھ زمین سے پیدا ہوتا ہے اور خود تم لوگوں میں اور جس کو تم
نہیں جانتے''(۱۲۱)

علامہ طباطبائی تفسیر المیز ان میں لکھتے ہیں کہ:

''زوج کا مطلب یہ ہے کہ ایک دوسرے کامحتاج ہونا۔یعنی ہر
ایک کو دوسرے کی ضرورت ہے مثلاً جوتے کے جوڑے، کہ
دونوں ضروری ہیں اور ایک دوسرے سے بے نیاز نہیں
ہیں''(۱۲۲)

اسی طرح تفسیر نمونہ میں ہے کہ:

''لفظ زوج کا استعمال عام طور پر دو جنس نر و مادہ کے لئے
ہوتا ہے چاہے وہ حیوانات میں ہو یا نباتات میں۔اور اگر اس کو
ہم ذرا سا وسیع کریں تو تمام مثبت و منفی طاقتوں کو شامل کرلے
گا۔اور آیت کا مفہوم یہ ہوسکتا ہے کہ دنیا کی تمام اشیا مثبت اور
منفی ذرات سے تشکیل پاتی ہیں''(۱۲۳)

ساری دنیا جانتی ہے کہ بنی نوع انسانی کی بقا مرد وعورت کے وجود سے ہے جس میں جنسی لذتوں کا اہم کردار ہے اگر عورت اپنی جنسی لذتوں کے لئے مرد سے بے نیاز ہوجائے تو پھر دوسری عورت کہاں سے آئے گی؟ ایک چھوٹی سی عقل رکھنے والا انسان بھی اس نظریہ کی ابتری کو سمجھ سکتا ہے۔

اسلامی نقطہ نظر سے غیر فطری طریقہ سے جنسی خواہش کو پورا کرنا نہ صرف یہ کہ حرام ہے بلکہ ایک سماجی جرم بھی ہے جس کے منفی اثرات خود انسانی جسم پر اور نتیجہ میں سماج پر مرتب ہوتے ہیں۔چنانچہ سورہ مومنون میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''مومنین کی ایک خاصیت یہ ہے کہ وہ جنسی مسائل میں خود کو گناہ
میں آلودہ ہونے سے محفوظ رکھتے ہیں اور صرف شادی
(ازدواج) کے ذریعہ ہی اپنی جنسی خواہش کو پورا کرتے ہیں اور
جو بھی اس کے علاوہ کسی اور طریقہ سے اپنی جنسی خواہش کو پورا
کرے گناہ گار ہے''(۱۲۴)

اس کے علاوہ بہت سی روایات میں بھی اس عمل کو برا کہا گیا ہے اور اس سے سختی سے منع کیا گیا ہے۔

تمام جسمانی اور روحانی دانش مندوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جنسی خواہشات کی تسکین کا بہترین حل شادی

ہے۔اور فطری طریقہ ہے۔اس کے علاوہ جو طریقہ بھی استعمال کیا جائے نقصاندہ ہے۔بعض نے اس کو ایک قسم کا نشہ قرار دیا ہے اور ڈیپریشن اس کے اہم ترین اثرات میں سے ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ جنسی خواہش کی تسکین کا غیر فطری طریقہ کوئی بھی ہو جسم و روح کے لئے نقصاندہ ہے لہٰذا اسلام کسی بھی صورت میں اس نظریہ کی نہ صرف یہ کہ طرفداری نہیں کرسکتا بلکہ اس کے مخالف ہے۔اور اگر کوئی شخص مرد یا عورت اس قسم کے مرض میں مبتلا ہوتا ہے تو اسلام اس کو روزہ رکھنے،دعا پڑھنے،قرآن کی تلاوت،مطالعہ،ورزش اور سیر و تفریح کا مشورہ دیتا ہے اور کسی بھی صورت میں غیر فطری طریقہ سے جنسی خواہش کی تسکین کو حرام قرار دیتا ہے۔

☆ ریڈیکل فیمنسٹوں کا ماننا ہے کہ:

''ایک نمونہ سماج بغیر جنسیت کے ہے نہ کہ بغیر دو جنس کے''

حریت پسندوں اور مارکسیوں کے برخلاف انتہا پسندوں کا ماننا ہے کہ تمام مظالم اور خواتین کی حقارت کی بنیاد مردسالاری ہے اسی لئے''مونیکا ویٹک''(Monika Vitek) کہتی ہے کہ:

''ہمارا مقصد مردوں کو زیر کرنا ہے۔البتہ نسل مرد کو ختم کر کے نہیں
بلکہ سیاسی طریقہ سے۔اس لئے کہ اگر مرد ختم ہو گئے تو عورتیں بھی
ختم ہو جائیں گی اس لئے کہ آقا کے بنا غلام کا تصور مشکل ہے''

اس لئے انتہا پسندوں کی نظر میں آئیڈیل سماج وہ سماج ہے جس میں جنسیت نہ ہو،نہ کہ وہ سماج جس میں دو جنس نہ ہو۔اس لئے کہ یہ سماج مردانہ اور زنانہ صفات سے مرکب ہے گویا کہ اس سماج میں دو چیزوں کو آپس میں چسپاں کر دیا گیا ہے البتہ ایسی دو چیزیں جن میں تحریف ہوئی ہے۔یہاں تک کہ بعض انتہا پسند زنانہ صفات کو مردانہ صفات سے زیادہ اہم تصور کرتے ہیں لہٰذا انسانی اہداف،امید کو زنانہ تصور کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ''مستقبل مونث ہے''(۱۲۵)

دانشوروں کے مطابق جنس اور جنسیت دو الگ الگ مفہوم ہیں اور دونوں کے الگ الگ معنی ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جنس یعنی جسم کے بایولوجک خصوصیات۔یعنی فطرت۔جو انسان کے وجود کے ساتھ وجود میں آتے ہیں اور جنسیت یعنی فرد کی نفسیاتی خصوصیات۔جو اس کے اپنے آس پاس کے لوگوں سے معلوم ہوتی ہیں۔

چنانچہ ریڈیکلس کے مطابق جنس کے تصور کے ساتھ نمونہ اور آئیڈیل سماج ہے لیکن جنسیت کے تصور سے سماج کو نقصان ہوتا ہے اور اس تصور کے ساتھ کوئی سماج نمونہ نہیں بن سکتا۔یعنی جس سماج میں دو الگ الگ جنسوں کا تصور ہو اور اس کے اقدار مختلف ہوں اور اس کے عادات و اطوار نفسانی خصوصیات سے الگ ہوں وہاں مساوات اور برابری کا تصور محال ہے اور جیسا کہ''مونک ویٹک'' کی تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ سماج میں دو جنس کا ہونا تو درست ہے لیکن دو جنسیت قابل قبول نہیں ہے۔

اگر ان کی بات مانیں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ تمام افراد بشر میں یکساں خصوصیات پائی جانی چاہئے اور مردانہ اور

زنانہ خصوصیات کا تصور نہیں ہونا چاہئے۔ ہر فرد کے بول چال کا انداز ایک ہو، لباس اور بالوں کی وضع قطع یکساں ہو، انداز زندگی کچھ اس طرح ایک ہو کہ نہ اسے زنانہ کہہ سکیں اور نہ مردانہ۔لیکن اسی باب کی پچھلی فصل میں ہم اس سلسلہ میں ایک تفصیلی گفتگو کر آئے ہیں کہ مرد وعورت کے مابین جسمانی اور نفسانی ہر طرح سے فرق پایا جاتا ہے۔ جو نا قابل انکار ہے۔اور ہم نے وہاں یہ ثابت کیا ہے کہ یہی فرق انسانی زندگی کے توازن کو برقرار رکھنے کے لئے ضروری بھی ہے۔

آئیڈیل سماج کے لئے جنس بھی ضروری ہے اور جنسیت بھی اس لئے کہ اگر دو جنس نہ رہے تو کاروان بشر کو فروغ کس طرح ہوگا اور نسل انسانی آگے کس طرح پڑے گی؟ اور اگر جنسیت نہ ہوگی تو مرد کو سکون کس آغوش اور بچے کو ماںتا کا پیار کہاں سے حاصل ہوگا؟ اگر جنسیت کے تصور کو ختم کر دیا جائے تو بہادری اور محبت وعطوفت کے فرق کو کس طرح محسوس کیا جائے گا؟ ریڈیکلس یہ بھول گئے کہ جنسیت کے ہی تصور نے عورت کو دیوی کا مقام دیا ہے اور اس کے قدموں کے نیچے جنت قرار دی ہے، جنسیت کے تصور نے ماں جیسا مقدس مقام اپنے نام کر کے مخلوقات عالم میں خود کو ممتاز کیا ہے، اور جنسیت کے تصور نے ہی تھکی ہوئی شام میں ایک جنس کے غموں کا مداویٰ کیا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ جنسیت کے بہانے کسی کو جنس دوم قرار دیا جائے یا کسی پر ظلم وستم کیا جائے کہ جو نہ عقلاً جائز ہے اور نہ ہی دین اسلام اس کی اجازت دیتا ہے۔

سماج میں جس طرح دو جنس بقا کے لئے ضروری ہے اسی طرح اس کی تہذیب، تمدن اور فروغ کے لئے جنسیت بھی لازم ہے۔ کسی بھی سماج کو عورت اور مرد مل کر تشکیل دیتے ہیں اور دونوں کی نفسیات اس سماج کے توازن کے لئے ضروری ہیں تا کہ تعادل برقرار رہے اور یہ بات ہم پہلے بیان کر آئے ہیں کہ ایک نمونہ سماج کے لئے کسی جنس کی بالادستی شرط نہیں ہے بلکہ حکم عدل کی بادستی معیار ہے۔ سماج میں حاکم چاہے مردسالاری ہو یا زن سالاری اگر عدل سالاری نہیں ہے تو وہ سماج نمونہ سماج نہیں کہلائے گا۔لہٰذا جنسیت کی نفی کر کے نمونہ سماج کی تشکیل نہیں ہوسکتی بلکہ نمونہ سماج کی تشکیل ظلم وستم کی نفی کر کے ہوسکتی ہے۔

اسلام نے بنی نوع انسان کی دونوں جنس یعنی مرد وعورت اور دونوں جنسیتوں کی تائید کی ہے اور دونوں کے لئے سماج میں اپنے اپنے فرائض کو معین کئے ہیں اور تخلیقی اور نفسانی صفات کی بنیاد پر حقوق بھی معین کئے ہیں اور حقوق کے فرق کو ہم جنسیت کے فرق کے ذریعہ اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں۔

☆ ''انتہا پسندوں کا ماننا ہے کہ:

''زنانہ صفات مردانہ صفات، سے زیادہ اہم ہیں انسانیت کے نمونہ صفات زنانہ صفات ہیں نہ کہ مردانہ''

مرد وعورت کے درمیان تخلیقی فرق کے ساتھ ان کے صفات میں بھی فرق فطری ہے جس کا تمام علمائے علم نفسیات اعتراف کرتے ہیں۔ رفتار وگفتار اور احساسات وجذبات مرد وعورت کے آپس میں فرق کرتے ہیں اور اس طرح عادات

واطوار میں فرق پایا جاتا ہے اور یہ ایک امر فطری ہے جس کو کسی قسم کی تعلیم وتعلم کی ضرورت نہیں ہے اور بقول شہید مطہری کے یہ فرق عورت و مرد کے درمیان تناسب ہے نہ کہ نقص۔ اسی نظریہ تناسب کے پیش نظر اسلام کی نظر میں صفات کے اعتبار سے مرد اپنے صفات کے ساتھ کامل اور عورت اپنے صفات کے ساتھ مکمل ہے اگر چہ بعض مغربیوں نے عالم مشرق پر الزام لگایا ہے کہ مسلمان عورت کو ناقص مانتے ہیں حالانکہ مسلمانوں کی طرف اس نظریہ کو منسوب کرنے سے پہلے نقص زن کا نظریہ عالم مغرب میں بہت پہلے عام تھا۔

مغربیوں نے عورت کے ناقص ہونے کی صدا لگائی، کبھی وہ مذہب اور کلیسا کی زبان سے کہتے ہیں کہ ''عورت کو اس وجہ سے کہ وہ عورت ہے شرمسار ہونا چاہیئے''، کبھی کہتے ہیں ''عورت وہی مخلوق ہے جس کے گیسو دراز ہیں اور عقل کوتاہ ہے''، ''عورت وہ آخری وحشی جانور ہے جس کو مرد نے پالتو بنایا ہے'' یا عورت انسان وحیوان کے درمیان برزخ ہے'' اور اسی طرح کی بہت سی باتیں۔

ان تمام باتوں کے باوجود مغربیوں نے ایک سو اسی ڈگری کا فرق اس طرح لیا کہ تعجب ہوتا ہے اور اب وہی اس بات پر مصر ہیں اور ہزاروں دلیلوں سے یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ مرد ناقص الخلقت اور پست ہے اور عورت کامل ہے۔

اگر آپ نے ''ایشلی مونٹا گو'' (Ashley Montagu) کی کتاب ''جنس برتر'' پڑھا ہوگا تو آپ کو معلوم ہوگا کہ یہ شخص کس قدر زور وشور سے خرافات کے ذریعہ یہ ثابت کرنے پر لگا ہے کہ عورت مرد سے کامل تر ہے۔ آخر کیوں ایسا ہے کہ ایک دن تو عورت کو پست، ذلیل وحقیر ثابت کیا جائے اور پھر اسی بات کے لئے مجبور ہوا جائے کہ نہیں جو غلطی ہوئی ہے اس کی بھرپائی کی جائے۔ اور جو کمیاں عورتوں کے لئے ثابت کی تھیں انھیں کو مردوں پر تھوپ دی جائیں؟ کیا ضرورت ہے کہ عورت و مرد کے درمیان فرق کو ایک کے لئے سبب کمال اور دوسرے کے لئے سبب نقص ثابت کیا جائے اور پھر مجبور ہو جائیں کہ کبھی مرد کی طرفداری کریں اور پھر کبھی عورتوں کی؟

بہر حال، عورت و مرد کے درمیان کا فرق تناسب ہے نہ نقص وکمال، قانون خلقت اس فرق کے ذریعہ مرد وعورت کے درمیان تناسب برقرار کرتا ہے نہ کہ ایک کو ناقص اور دوسرے کو کامل ثابت کرتا ہے۔ (۱۲۶)

لہٰذا صفات، مردانہ ہوں یا زنانہ، اپنے صحیح محور پر ہوں اور اپنے تقاضوں کو پورا کرتے رہیں تو وہ عالم انسانیت کے لئے نمونہ ہیں اس طرح یہ کہنا کہ زنانہ صفات نمونہ ہیں غیر معقول اور غیر فطری بات ہے۔

مردوں میں ہر طرح کے صفات ہوتے ہیں اچھے اور برے اسی طرح عورتوں میں بھی اچھے اور برے صفات ہوتے ہیں جس طرح ایک مرد اپنے اچھے صفات کے ذریعہ نمونہ ہو سکتا ہے اسی طرح ایک عورت بھی اپنے اچھے صفات کے ذریعہ نمونہ ہو سکتی۔

ظاہری طور پر اور دنیاوی نقطہ نگاہ سے ایک اچھے مرد کے صفات جسمانی لحاظ سے قوی اور لحیم شحیم ہونا چاہیئے، خوبصورت اور خوبرو ہونے اور مالدار کے ساتھ ساتھ تعلیم یافتہ ہو تو اور بہتر ہے۔ سماج میں عام اخلاقیات کو بھی مرد کی

بہتری کی علامت تصور کیا جاتا ہے چنانچہ لوگوں سے مل جل کر رہنے والے، ملنسار اور ہنس مکھ مرد کو بھی لوگ ایک اچھا مرد تصور کرتے ہیں۔ وغیرہ، لیکن اسلام نے ایک اچھے مرد کے جو صفات بیان کئے ہیں وہ ان کے ساتھ ساتھ کچھ اور بھی ہیں۔

مثلاً تقویٰ، پرہیزگاری۔ چنانچہ جب امام حسن علیہ السلام سے کسی نے اپنی بیٹی کی شادی کے سلسلہ میں پوچھا تو آپ نے فرمایا:

''اپنی بیٹی کی شادی متقی شخص سے کرو اس لئے کہ اگر تمھاری بیٹی سے محبت کرے گا تو اس کا احترام کرے گا اور اگر اس سے محبت نہیں کرے گا تو اس پر ظلم نہیں کریگا''

اس کے علاوہ سخاوت، اسلامی نقطہ نظر سے ایک مرد کے بہترین صفات میں شمار ہوتی ہے چنانچہ حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

''عورتوں کی بہترین خصلت مردوں کی بدترین خصلت ہے۔ اور وہ ہے غرور، خوف اور بخل (کنجوس) اس لئے کہ اگر عورت مغرور ہے تو کبھی خود کو نامحرم کے سپرد نہیں کرے گی، اگر بخیل ہے تو اپنے اور اپنے شوہر کے مال کو محفوظ رکھے گی، اور اگر ڈرپونک ہوئی تو ہر اس چیز سے ڈرے گی جو اس کی بدنامی کا سبب ہو''

اسلامی نقطہ نظر سے زوجہ کا احترام ایک اچھے مرد کے صفات میں سے ہے۔ ساتھ ہی ذمہ داری کا احساس رکھنا بھی ایک مرد کی خصوصیات میں شمار ہوتے ہیں۔

چونکہ انسان مختلف المزاج حیوان ہے لہٰذا اس کے اندر جہاں بہت سارے اچھے صفات کا ہونا ممکن ہے وہیں یہ بھی ممکن ہے کہ اس میں کچھ برے صفات بھی پائے جاتے ہوں۔ لیکن انسانی فطرت کا تقاضہ ہے کہ وہ خوبیوں کو پسند کرتا ہے اور برائیوں کو ناپسند کرتا ہے لہٰذا معاشرہ کے وہ مرد جن کے اندر برے صفات پائے جاتے ہیں جیسے بداخلاقی، بدمزاجی، بے غیرتی، لڑائی جھگڑا، ضد وغیرہ، تو ایسے افراد کو کوئی شخص بھی اپنے لئے آئیڈیل اور نمونہ تصور نہیں کرتا اور ہر بڑا اپنے چھوٹے کو نمونہ عمل بنانے کے لئے کسی اچھے صفات والے فرد کی طرف راہنمائی کرتا ہے۔ لہٰذا صفات حسنہ جہاں بھی ہوں اچھے ہیں مرد میں ہوں یا عورت میں اور وہی صفات نمونہ ہو سکتے ہیں جو اچھے ہیں۔ ایسا ہرگز نہیں ہے کہ تمام عورتوں میں صرف اچھے صفات ہی پائے جاتے ہیں جس طرح برے صفات کے مرد نمونہ ہو سکتے ہیں اس طرح برے صفات کی عورتیں بھی نمونہ نہیں ہو سکتیں۔

جہاں تک رہی بات فطرت کی، تو فطرت نے عورت و مرد کو جن صفات کا حامل بنایا ہے، سماج میں تعادل و تناسب کے عین مطابق ہے۔ جب کوئی اس فطرت سے منحرف ہوتا ہے تب ہی اس کے اندر برے صفات رونما ہوتے ہیں ورنہ اگر

انسان اپنی فطری راہ پر گامزن ہوتو اس کی فطرت میں محبت، ہمدردی، عشق، عطوفت، تواضع وانکساری۔اور سب سے اہم انسانیت بدرجہ اتم پائی جاتی ہے جو کسی بھی سماج ومعاشرے کے لئے نمونہ بننے کی مکمل صلاحیت رکھتی ہے۔

ہم یہاں مناسب سمجھتے ہیں کہ مولانا اشرف علی تھانوی صاحب نے اپنی مشہور ومعروف کتاب ''بہشتی زیور'' میں عورتوں کے جو صفات تحریر کئے ہیں انھیں نقل کریں۔تا کہ یہ بات واضح ہو سکے کہ عورتیں سب کے سب اچھی صفات کی ہی حامل نہیں ہوتیں بلکہ انہیں اپنے فطری محور پر باقی رہنے کے لئے کافی جدوجہد کرنے کی ضرورت ہے۔

مولانا موصوف نے اپنی کتاب میں ایک فصل قائم کی ہے''بعض باتیں عیب اور تکلیف کی جو عورتوں میں پائی جاتی ہیں'' کے عنوان سے اور اس کے تحت کچھ عیوب تحریر کئے ہیں۔وہ کہتے ہیں کہ عورتوں میں:

۱-ایک عیب یہ ہے کہ بات کا معقول جواب نہیں دیتیں جس سے پوچھنے والے کی تسلی ہو جائے، بہت سی فضول باتیں ادھر ادھر کی اس میں ملا دیتی ہیں اور اصل بات پھر بھی معلوم نہیں ہو پاتی۔

۲-ایک عیب یہ ہے کہ کوئی کام ان سے کہا جائے تو سن کر خاموش ہو جاتی ہیں۔کام کہنے والے کو یہ شبہہ رہتا ہے کہ خدا جانے انھوں نے سنا بھی ہے یا نہیں سنا۔بعضی دفعہ غلطی سے اس نے یوں سمجھ لیا کہ سن لیا ہوگا اور واقع میں سنا نہ ہوتو اس بھروسہ پر وہ کام نہیں ہوتا اور یہ پوچھنے کے وقت یہ کہہ کر الگ ہو جاتی ہیں کہ میں نے نہیں سنا۔غرض وہ کام تو رہ گیا اور بعض دفعہ غلطی سے اس نے یوں سمجھ لیا کہ نہیں سنا ہوگا دوبارہ اس نے پھر کہا تو اس غریب کے لینے دینے ہو جاتے ہیں کہ سن لیا، سن لیا کیون جان کھائی۔

۳-ایک عیب یہ ہے کہ ماما اصیل (نوکرانی) کو جو کام بتادیں گی یا اور کسی سے گھر میں کوئی بات کہیں گی تو دور سے چلا کر کہیں گی۔اس میں دو خرابیاں ہیں۔ایک تو بے حیائی اور بے پردگی کہ باہر دروازے تک بلکہ بعض موقع پر تو سڑک تک آواز پہونچتی ہے۔دوسری خرابی یہ کہ زور سے کچھ بات سمجھ میں آئی اور کچھ نہ آئی۔جتنی سمجھ میں نہ آئی اتنا کام نہ ہوا۔اب بی بی خفا ہو رہی ہیں کہ تو نے یوں کیوں نہ کیا۔

۴-ایک عیب یہ ہے کہ چاہے کسی چیز کی ضرورت ہو یا نہ ہو لیکن پسند آنے کی دیر ہے۔ذرا پسند آئی اور لے لی خواہ قرض ہی ہو جاوے لیکن کچھ پرواہ نہیں اور اگر قرض بھی نہ ہوا تب بھی اپنے پیسے کو اس طرح بیکار رکھونا کوئی عقل کی بات ہے؟ اور فضول خرچی گناہ بھی ہے۔

۵-ایک عیب یہ ہے کہ جب کہیں جاتی ہیں تو خواہ شہر کے شہر میں یا سفر میں ٹالتے ٹالتے بہت دیر کر دیتی ہیں۔کہ وقت تنگ ہو جاتا ہے۔اگر سفر میں جانا ہے تو منزل پر دیر میں پہونچیں گی۔

۶-ایک عیب یہ ہے کہ آپس میں دو عورتیں جو باتیں کرتی ہیں اکثر یہ ہوتا ہے کہ ایک کی بات ختم ہونے نہیں پاتی کہ دوسری شروع کر دیتی ہے بلکہ بہت دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ دونوں ایک دم سے بولتی ہیں وہ اپنی کہہ رہی ہے اور یہ اپنی ہانک رہی ہیں نہ وہ اسکی سنے اور نہ یہ اسکی۔بھلا ایسی بات کرنے ہی سے کیا فائدہ۔

۷-ایک عیب یہ ہے کہ محفل میں سے آ کر تمام عورتوں کی صورت شکل ان کے زیور، پوشاک کا ذکر اپنے خاوند سے کرتی ہیں۔ بھلا اگر خاوند کا دل کسی پر آ گیا اور وہ اس کے خیال میں لگ گیا تو تم کو کتنا بڑا نقصان پہونچے گا؟

۷-ایک عیب یہ ہے کہ کپڑے پہنے پہنے سی لیتی ہیں بعض دفعہ سوئی چبھ جاتی ہے بےضرورت تکلیف میں کیوں پڑے۔

۸-ایک عیب یہ ہے کہ بچوں کو بے بھوک کھانا کھلاتی ہیں یا مہمان کو اصرار کر کے کھلاتی ہیں پھر بے بھوک کھانے کی تکلیف ان کو بھگتنی پڑتی ہے۔(۱۲۷)

چنانچہ مولانا موصوف نے اس طرح ۲۹ صفات گنائیں ہیں جو ناپسند ہیں۔

مولانا اشرف علی تھانوی صاحب مرحوم نے خواتین کے اندر پائے جانے والے عیبوں کو گنوادیا اگرچہ یہ ضروری نہیں ہے کہ یہ سارے عیوب ساری عورتوں میں پائے جاتے ہوں۔ یہ تجربات کی بنیاد پر بیان کئے گئے ہیں ممکن ہے کچھ ایسے اور عیب ہوں جو یہاں ذکر نہیں کئے گئے ہیں لیکن ان تمام مباحث کا ماحصل یہ ہے کہ کوئی بھی اس بات کا ادعا نہیں کر سکتا ہے کہ ساری عوتوں میں صفات حسنہ ہی پائے جاتے ہیں بلکہ اس میں جہاں بہت سی اچھائیاں ہیں وہیں بہت سی برائیاں بھی پائی جاتی ہیں۔اسی طرح تمام مردوں میں بھی صرف اچھائی ہی نہیں پائی جاتی بلکہ بہت سی برائیاں بھی پائی جاتی ہیں، بنابریں یہ کہنا کہ زنانہ صفات انسانیت کے لئے نمونہ ہیں بلکہ اصل بات یہ ہے کہ انسان کے لئے ہر وہ صفت نمونہ ہے جو اس کو ابدی سعادت و نیک بختی کی راہ پر لگادے چاہے وہ زنانہ ہوں یا مردانہ۔

☆انتہا پسندوں کا ماننا ہے کہ:

''تانیثی تحریک زنانہ تحریک ہے اور کوئی مرد اس تحریک میں عورت کے حقوق کا دفاع نہیں کر سکتا''

اگرچہ اٹھارہویں صدی سے خواتین کی تحریکیں آزادی اور حقوق کی بازیابی کے لئے فعال ہیں لیکن ان کی آواز ظلم کے خلاف،حقوق کے پامال کئے جانے کے خلاف ہونے کی وجہ سے ان تحریکوں میں ایک ایسی عمومیت کا جذبہ شامل ہوا کہ یہ تحریکیں صرف زنانہ نہ رہیں بلکہ ہر ظلم وستم کے خلاف آواز بن گئیں۔ چنانچہ مارکسی تانیثیت کا مطالعہ کرنے سے اس بات کی وضاحت ہوتی ہے کہ کارل مارکس کی تحریک کسی صنف سے مخصوص نہ تھی بلکہ سرمایہ داری کے خلاف آواز تھی جس کا شکار مرد وعورت سبھی تھے اور جب سرمایہ دارنہ نظام کے خلاف آواز اٹھی اور غریب ومزدور طبقہ کو ان کے حق دینے کی بات آئی تو اس میں بالتبع عورتیں بھی شامل ہوگئیں لہٰذا یہ کہنا کہ یہ تحریک صرف عورتوں سے مخصوص سے غلط ہے۔

نیز خواتین کی آزادی وحقوق کے لئے آواز اٹھانے والی صرف عورتیں ہی نہیں ہیں بلکہ اس تحریک میں مردوں نے بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ہے اور ہر طرح کی حمایت کی ہے، کتابیں تحریر کیں،مقالے لکھے اور متعدد مواقع پر تقریریں کر کے تحریک نسواں کی حمایت کا اعلان کیا اور آج بھی بہت سے فمینسٹ مرد ہیں جو خواتین کی تحریک میں شامل ہیں اور ان کے حقوق کے لئے جدوجہد کر رہے ہیں۔

اگر تانیثی تحریک خواتین پر ہونے والے ظلم وستم کے خلاف تحریک ہے تو اسلام اس تحریک کے ساتھ ہے اس لئے کہ اسلام ظلم وستم کو ناپسند کرتا ہے اور اس کا دفاع کرنے کا حکم دیتا ہے اور ظالم کی کسی بھی قسم کی مدد کرنے سے منع کرتا ہے چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

''تم ظالموں کی مدد نہ کرو کہ تم کو جہنم کی آگ پالے گی''

(۱۲۸)

اس طرح ظلم کے خلاف آواز اٹھانا کسی صنف سے مخصوص نہیں ہے بلکہ اسلامی نکتۂ نظر سے ظلم ایک بری صفت ہے جس کے خلاف کوئی بھی آواز اٹھا سکتا ہے اور ظالم کی مدد کرنا ممنوع ہے مرد کے لئے بھی اور عورت کے لئے بھی۔

فیمنسٹوں کا یہ کام ہرگز نہیں ہے کہ وہ لوگوں کی صنف دیکھ کر اپنے دائرے میں داخل یا خارج کریں بلکہ اس قسم کی صنفی عصبیت، تانیثیت کی بنیادوں کے برخلاف ہے۔ تانیثیت ایک فطری طریقہ کار ہے جو انسانوں کے درمیان امتیازات کو ختم کرنے کے لئے وجود میں لایا گیا ہے تا کہ قومیت، ملیت، مذہب اور جنسیت سے ہٹ کر تانیثیت کی نگاہ سے دنیا کو دیکھ سکے۔ لوگوں کو جس قدر تانیثیت کے متعلق معلومات زیادہ ہوگی اتنا ہی برابری کی طرف آگے بڑھیں گے۔ مردوں کو اپنی جسمانی خصوصیات کی وجہ سے خود کو مردسالار، یا مردسالاری کا دفاع خود بخود نہیں کرنا چاہئے۔ اس لئے کہ بہت سی عورتیں نظام مردسالاری سے فائدہ اٹھاتی ہیں اور اس کا دفاع بھی کرتی ہیں اور بہت سے مرد اس نظام سے نقصان اٹھا رہے ہیں۔

مردسالاری کو اکیلے مردوں نے نہیں بنایا ہے اور عورتیں تنہا اس سے مقابلہ بھی نہیں کرسکتی ہیں لہٰذا ایسا ہرگز نہیں ہے کہ مردسالاری سے مقابلہ کی تحریک کے لئے صرف عورت ہی ہونا ضروری ہے۔

اسلامی نظریات کا مطالعہ اس بات کی وضاحت کرتا ہے کہ اٹھارہویں صدی میں حقوق خواتین کی آواز اٹھنے سے صدیوں پہلے خواتین کی آزادی ان کے حقوق اور عزت واحترام کی آواز اسلام نے بلند کی اور مردانِ مسلمان نے اس سلسلہ میں بڑی جدوجہد کی ہے اگرچہ آج ان کو کوئی فیمنسٹ کے نام سے نہیں جانتا لیکن جن مطالبات کو آج تانیثی تحریکوں کے نام سے کیا جارہا ہے صدیوں پہلے مسلمان مردوں نے اس آواز کو بلند کیا اور آج بھی تانیثی تحریک کے عالمگیر ہونے کے ساتھ ہی جہاں دنیا کے بہت سے مردوں نے اس میں حصہ لیا وہیں مسلمان مصنفین اور مورخین نے بھی اس سلسلہ میں بڑی مشقتیں کی ہیں، کتابیں اور مقالات تو اس قدر ہیں کہ اگر صرف مردوں کے ذریعہ خواتین کے حقوق پر لکھی گئی کتابوں اور مقالوں کو جمع کیا جائے تو از خود ایک مکمل کتاب ہوجائے گی۔

☆انتہا پسندوں کی نظر میں:

''نکاح وہ سخت ترین حربہ ہے جسے مردوں نے عورتوں کو قید کرنے کے لئے استعمال کیا ہے اور شادی عورت کی قید کا پیغام ہے۔ عورت کو اس قید سے مقابلہ کرنا چاہئے''

نظام ازدواج یعنی شادی، اسلامی نقطہ نظر سے پہلے انسان کی تخلیق کے ساتھ ہے اور یہ نظام خداوند عالم نے بقائے

انسانیت کے لئے مرتب کیا ہے۔ چنانچہ سب سے پہلی مخلوق حضرت آدم علیہ السلام سے خداوند عالم نے ارشاد فرمایا:

''اے آدم تم اور تمہاری زوجہ جنت میں رہو اور جو چاہو اس میں
سے کھاؤ پیو'' (۱۲۹)

یعنی پہلا آدمی زوجہ کے ساتھ تصور کیا گیا ہے، لہٰذا نکاح، شادی اور ازدواج ایک نظام الٰہی ہے جس کا کوئی انکار نہیں کر سکتا اور یہ نظام مختلف نوعیّتوں سے ہر زمان و مکان اور قوم و ملت میں موجود رہا ہے اور اس نظام میں بہت ساری حکمتیں پوشیدہ ہیں کہ جس کی تمام حقیقت تک آج تک کوئی نہیں پہونچ سکا۔ لیکن پھر بھی قرآن کریم جو ایک پیغام الٰہی اور آسمانی کتاب ہے اس میں بعض مواقع پر بعض اشارے موجود ہیں۔ چنانچہ جس نکاح کے سسٹم کو آج کا ریڈیکل فمینسٹ عورتوں کے لئے قید بتا رہا ہے اسی کو اسلام نے مرد کے لئے سکون کا ذریعہ قرار دیا ہے اور شادی کے ذریعہ عورت قید نہیں ہوتی ہے بلکہ عورت اپنے مہر و عطوفت کے ذریعہ مرد کیلئے سکون کا باعث قرار پاتی ہے، ارشاد ہوتا ہے:

''خدا کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ ہے کہ اس نے تم میں
سے تمہارے لئے جوڑے (بیویاں) خلق کیں تا کہ تم اس کے
ذریعہ سکون حاصل کر سکو اور اس نے تمہارے درمیان محبت
رحمت قرار دیا'' (۱۳۰)

قابل توجہ بات یہ ہے کہ قرآن کریم نے اس آیت میں شادی کے مقصد کو سکون، اطمینان قرار دیا ہے اور لفظ ''لتسکنوا الیھا'' کا لفظ استعمال کر کے بہت سے مسائل کو بیان کر دیا ہے یہی الفاظ سورہ اعراف کی ۱۸۹ر میں بھی آئے ہیں۔ اور حقیقت یہی ہے کہ اس خصوصیت کے ساتھ عورتوں کا وجود، یا یوں کہا جائے کہ بیویوں کا وجود خدا کی عظیم ہدایا میں سے ایک ہے۔

اور یہ سکون اس وجہ سے ہوتا ہے کہ دو جنس ایک دوسرے کو مکمل کرنے والے اور ایک دوسرے کی خوشی، ترقی اور پرورش کا سر چشمہ ہوتے ہیں اس طرح کہ ہر ایک دوسرے کے بنا ناقص ہیں۔ تو یہ تو فطری ہے کہ آپس میں ایک دوسرے کے لئے کشش اور جاذبہ ہونا ہی چاہئے۔

الغرض یہ سکون جسمانی بھی ہے اور روحانی بھی اور انفرادی اور اجتماعی پہلو سے بھی۔

وہ امراض جو شادی کے ترک کرنے کی وجہ سے لاحق ہوتے ہیں قابل انکار نہیں ہیں۔ اسی طرح سے غیر شادی شدہ افراد میں روحانی اور نفسیاتی اضطراب کم و بیش ہر ایک کو معلوم ہے۔

اجتماعی لحاظ سے غیر شادی شدہ انسان کو ذمہ داری کا احساس بہت کم ہوتا ہے اسی وجہ سے خودکشی جیسے مسائل غیر شادی شدہ افراد میں زیادہ ہیں اور خطرناک جرائم بھی انہیں سے اکثر سرزد ہوتے ہیں۔

جب انسان تجرد سے خانوادگی زندگی کی طرف قدم بڑھاتا ہے تو اپنے اندر ایک نئی شخصیت کا احساس کرتا ہے اور

ذمہ داری کا زیادہ احساس کرتا ہے اور شادی کے سایہ میں سکون کے یہی معنی ہیں۔

لیکن مودت و رحمت کا مسئلہ جو اصل میں انسانی سماج کی عمارت کا سیمنٹ اور گارا ہے۔اس لئے کہ سماج، انسانی فرد و افراد سے تشکیل پاتا ہے جس طرح بڑی عمارتیں مختلف مصالحجات سے مل کر تیار ہوتی ہیں۔اگر یہ منتشر افراد آپس میں ایک دوسرے سے مرتبط نہ ہوں تو کوئی سماج یا عمارت وجود میں نہیں آسکتی۔

وہ ذات جس نے انسان کو اجتماعی زندگی کے لئے خلق کیا ہے اس نے اس کے دل و جان میں اس ضروری ربط کو ایجاد کیا ہے۔لہٰذا شادی کسی صورت میں بھی کسی کے لئے قید نہیں ہوسکتی۔(۱۳۱)

جو باتیں ریڈیکلس کہتے ہیں یہ اسلام سے پہلے کی ہیں۔اس لئے کہ اسلام سے پہلے شادی شدہ عورت اپنے شوہر کی بے دام کنیز اور لونڈی بن کر خدمت میں اور غلامی کرنے پر مجبور رہتی تھی اور شوہر کے مرنے کے بعد اس کو منحوس قرار دے کر کال کوٹھری میں مقید و محبوس کر دیا جاتا تھا، اس میں وہ اپنے خورد و نوش، نشست و برخاست اور بول و براز کرتی اور گھٹ گھٹ کر دم توڑ دیتی، یا اگر بچ جاتی تو اس کی ہڈیوں کے ڈھانچہ کو پورے شہر میں گشت لگوایا جاتا جو اس بات کی علامت ہوتا کا اس نے اپنی عدت پوری کر لی ہے۔شوہر، اولاد، والدین یا کسی بھی عورت کے مرنے کے بعد اس کا وراثت میں کوئی حصہ نہیں تھا، خود ہندوستان میں بیوہ عورتوں کے ساتھ ایسا نازیبا اور ناجائز سلوک کیا جاتا جن کو سن کر رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں۔ہندو دھرم میں بیوہ عورت کو اس کے شوہر کے ساتھ زندہ جلا دیا جاتا تھا۔

جب آفتاب اسلام ظہور پذیر ہوا تو اس نے روتی سسکتی، راندہ، بدنام، اچھوت، حقیر، بے کس اور لاچار و مجبور عورت کو اپنے دامن رحمت میں ڈھانپ لیا اور اسکو اس قدر محبت و شفقت اور اہمیت دی کہ اس پر جتنے عیب اور خرابیوں کے بدنما داغ دھبے تھے سب دھل گئے اور اسلام نے اس کو وہ عظمت و فضیلت عطا کی کہ اس کی شخصیت پر مردوں کو بھی رشک آنے لگا۔

حضرت آدمؑ کے ظہور سے تخلیق انسانیت کا آغاز ہوا اور وجود حوا علیہا السلام سے انسانیت کی تکمیل ہوئی حضرت آدمؑ کی تنہائیوں کو قرار مل گیا اور انہیں اپنی زندگی کا ساتھی اور ہمسفر مل گیا ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''وہ عورتیں تمہارا لباس ہیں اور تم ان کا لباس ہو''(۱۳۲)

تم سب ایک دوسرے کے لئے لباس کی طرح زیبائش ہو، زینت ہو، پردہ پوش ہو اور دائمی ساتھی اور ہمراز ہو تو پھر ان سے صرف فرائض اور ذمہ داریوں کا مطالبہ ہی کیوں ہے؟ حقوق کا بھی خیال رکھو۔اس طرح اسلامی نقطہ نظر سے شادی نہ صرف یہ کہ عورت کے لئے قید نہیں ہے بلکہ اس کے لئے لباس کی فراہمی، عزت و توقیر میں اضافہ، مرتبہ میں بلندی اور سماج میں اعلیٰ مقام کا باعث ہے۔

جس شادی کو انتہا پسند عورت کی قید کا نام دے رہے ہیں اسلام اسی شادی کو عورت کے لئے اس مقام کا ذریعہ تصور کرتا ہے جس تک کائنات کا کوئی مرد، نہ پہونچ سکا ہے نہ پہونچ سکے گا اور وہ ہے ''مامتا'' کہ شادی عورت کے لئے ماں

بننے کا ذریعہ ہے اور اسی طرح اسلام عورت کو ماں کا درجہ دے کر اولاد کی جنت اس کے قدموں میں ڈال دیتا ہے کہ اولاد کی جنت ماؤں کے قدموں کے نیچے ہیں۔ اگر یہاں ماں کے مرتبہ کی بحث کی جائے تو ہم اپنی بحث سے خارج ہو جائیں گے لیکن اسی قدر بس ہے کہ شادی اسلامی نقطہ نظر سے عورت کے قدموں میں جنت لا دیتی ہے۔

نیز اسلام میں جس شادی کا تصور ہے وہ اس شادی سے کہیں مختلف ہے جس کا ریڈیکلس تصور کرتے ہیں۔ اس لئے کہ تمام علمائے اسلام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ شادی میں مرد و عورت دونوں کی رضامندی شرط ہے۔ یعنی جب ایک شادی ہوتی ہے تو اس میں جہاں مرد کی مرضی شامل ہوتی ہے وہیں عورت کی رضامندی بھی ضروری ہے چنانچہ اگر عورت اپنی رضا کا اظہار نہ کرے تو وہ شادی جائز نہیں ہے اور نکاح باطل ہے اور یہ طے ہے کہ کوئی اپنی رضامندی سے قید میں جانے کو تیار نہیں ہوتا۔

ساتھ ہی اسلام میں شادی کے لئے بہت زیادہ تاکید وارد ہوئی ہے اور بے پناہ احادیث اس سلسلہ کی حضور اکرم ﷺ سے ہماری کتابوں میں موجود ہیں کہ ان سب کو یہاں نقل نہیں کیا جا سکتا۔ ہم یہاں بعض کا ذکر کر رہے ہیں۔

قرآن کریم نے بھی اس کی تاکید کی ہے اور ارشاد ہوتا ہے:

''غیر شادی شدہ عورتوں اور مردوں ،غلاموں اور کنیزوں کی شادی کرو اکہ اگر وہ فقیر ہوئے تو اللہ تعالی انہیں اپنے فضل و کرم سے غنی و بے نیاز کر دے گا'' (۱۳۳)

رسول اسلام ﷺ فرماتے ہیں:

''جو شادی کر لیتا ہے وہ اپنے آدھے دین کو محفوظ کر لیتا ہے'' (۱۳۴)

نیز آپ ارشاد فرماتے ہیں:

''چار موقعوں پر خداوند عالم کی رحمت کے دروازے کھول دئے جاتے ہیں۔
۱- بارش کے وقت ۔
۲- جب اولاد اپنے والدین کے چہرے پر محبت بھری نگاہ کرتے ہیں۔
۳- جس وقت خانہ کعبہ کا دروازہ کھولا جاتا ہے۔
۴- جس وقت کوئی عقد ہوتا ہے'' (۱۳۵)

نیز ارشاد ہوتا ہے:

''اہل جہنم میں اکثر لوگ وہ ہیں جو غیر شادی شدہ ہیں'' (۱۳۶)

اوراسی طرح کی احادیث سے کتابیں بھر پڑی ہیں لہٰذا اسلام نے شادی کے مسئلہ کو بہت اہمیت دی ہے اور ہمیشہ اس کی تاکید کی ہے ۔ یہاں تک کہ قرآن کریم نے شادی کو فقر وفاقہ سے نجات کا باعث قرار دیا ہے ۔اسلام میں شادی جہاں دوفرد کے درمیان میل ومحبت اورمہر وعطوفت کا ذریعہ ہے وہیں اس کے ذریعہ مرد وعورت پر بہت سے فرائض اور ذمہ داریوں کو عائد کرتا ہے،کوئی یہ نہ تصور کرے کہ شادی کر کے عورت کو کنیز کی طرح استعمال کیا جائے ، جانوروں کی طرح اس سے کام لیا جائے اور جس طرح دل چاہے استعمال کیا جائے ۔ بلکہ اسلام نے شادی کے ذریعہ مرد پر عورت کے لئے کچھ حقوق مقرر کئے ہیں اور اسی طرح عورت پر مرد کے کچھ حقوق معین کئے ہیں کہ جن سے روگردانی گناہ اور خدا کی نافرمانی ہے ۔جن کی تفصیلات ہم پہلے بیان کر آئے ہیں ۔

رسول اسلام ﷺ فرماتے ہیں:

''جو اپنے اہل وعیال کے حقوق کو ضائع کرتا ہے وہ خدا کی رحمت سے دور ہے''

نیز ارشاد فرمایا:

''تم میں سب سے بہتر وہ جو اپنی فیملی کے لئے بہتر ہو اور میں تم سب میں اپنی فیملی کیلئے بہتر ہو''

شادی کے بعد شوہر کے فرائض:

۱۔زندگی کے لوازمات کا مہیا کرنا: یعنی زوجہ کے لئے کھانے ، رہنے اور کپڑے کا انتظام کرنا اور اس کے علاوہ اس کی تمام ضروریات کو فراہم کرنا مثلاً مریض ہو تو علاج کرنا، کہیں جانا ہو تو مسافرت کے ساتھ اسباب سفر فراہم کرنا وغیرہ۔

۲۔ہمبستری: یعنی عورت کی جنسی خواہش کو پورا کرنا اور بنا عذر کے عورت سے دوری اختیار کرنا گناہ ہے لہٰذا عورت کی جنسی خواہش کو پورا کرنا بھی مرد کے فرائض میں سے ایک ہے۔

۳۔زندگی میں آرام وآسائش:

رسول اکرم ارشاد فرماتے ہیں:

''جو بازار جائے اور اپنی زوجہ کے لئے تحفہ خریدے ایسا ہے جیسے غریبوں میں تقسیم کرنے والا ۔یعنی اس کو وہی ثواب ہوگا جو غریبوں کو صدقہ دینے کا ہے''

۴۔زوجہ کا احترام:

رسول اکرم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

’’جوشادی کرے اس پر زوجہ کا احترام لازم ہے۔

چنانچہ ارشاد نبوی ہے کہ:

’’مجھے تعجب ہے اس شخص پر جو اپنی زوجہ کو مارتا ہے حالانکہ وہ خود مار کھانے کا زیادہ مستحق ہے۔‘‘

نیز ارشاد فرمایا:

’’زوجہ کے سلسلہ میں خدا سے ڈرو کہ یہ زندگی کی مشکلات کو برداشت کرتی ہیں اور قرآن وسنت وحکم خدا کے مطابق تم پر حلال ہیں اور چونکہ تمہاری لذتوں کا ذریعہ ہوتی ہیں، تمہارے بچوں کو حمل کرتی ہیں اور ولادت کے وقت خطرناک درد برداشت کرتی ہیں، تم پر واجب حق رکھتی ہیں، ان کے ساتھ مہربانی سے پیش آؤ، ان کا دل خوش رکھو تاکہ تمہارا ساتھ دیں۔ ان سے کراہت کا اظہار نہ کرو، جو ان کو مہر کے عنوان سے دیا ہے اس میں نیت نہ لگاؤ اور زبردستی اس میں سے کچھ واپس نہ لو۔‘‘

۵-پاک وآراستہ رہنا:

جس طرح مرد کو یہ بات پسند ہے کہ اس کی زوجہ خود کو سجائے، سنوارے، اور صاف ستھری رہے، اچھے کپڑے پہنے، معطر رہے، اسی طرح عورت بھی اپنے شوہر کے لئے یہی چاہتی ہے کہ وہ پاکیزگی، صفائی، خوشبو، اچھے لباس اور تمام حلال زینت جو مرد کرے عورت کو خوشحال کرتی ہے، لہٰذا مرد کو چاہئے کہ وہ اپنی زوجہ کے لئے خود کو سجائے، سنوارے اور بہتر سے بہتر رہنے کی کوشش کرے۔

۶-خوش زبانی:

بدزبانی اور سختی کسی کے ساتھ بھی ہو سامنے والے کو اچھی نہیں لگتی لہٰذا شوہر کا فرض ہے کہ وہ اپنی زوجہ سے اچھی زبان، بہتر لہجہ اور پیار ومحبت سے گفتگو کرے اور اس سے سختی یا بدزبانی سے بات نہ کرے۔

اس سلسلہ میں حضرت علیؑ فرماتے ہیں کہ:

’’اپنی بیویوں کے ساتھ ہر حال میں مہربان رہو اور ان کے ساتھ خوش زبانی اور نرمی سے گفتگو کرو اور تمام امور میں نیکی کرو تا کہ وہ بھی تمہارے ساتھ ایسا ہی کریں۔(۱۳۷)

شادی کو عورت کے قید کا نام دینے والوں کو چاہئے کہ اسلامی نقطہ نگاہ سے اس مقدس رشتہ کا مطالعہ کریں تو معلوم

ہوگا کہ جس عورت کو خداوند متعال نے مہر و محبت اور عشق وعطوفت کا مجسمہ بنایا ہے، جس کی فطرت میں نرمی، نزاکت، کو ودیعت کیا ہے، اس کے لئے مرد کو محافظ مقرر کیا ہے اور اس کا خادم بنادیا ہے۔ یہاں ہم نے عورت کے حقوق کا ذکر کیا ہے لیکن معلوم ہونا چاہئے کہ جس طرح مرد پر حقوق عائد ہوتے ہیں اسی طرح عورت یعنی زوجہ پر بھی کچھ ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں جن کا ادا کرنا اس پر فرض ہے اور اس طرح تعادل برقرار ہوتا ہے اور شادی انسانی زندگی کا پر لطف موڑ قرار پاتی ہے۔

ریڈکلس شادی کو عورت کے لئے خصوصی جیل کا نام دیتے ہیں جبکہ غیر شادی شدہ افراد اپنے نفس کے خصوصی جیل کے قیدی ہوتے ہیں اور اخلاقی فساد کے ذریعہ عمومی جیل کے۔

☆ ریڈیکلس مرد کو عورت کا دشمن قرار دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ:

''اگر عورت اپنے شوہر کے ساتھ تنہائی میں گئی تو گویا اس نے اپنے دشمن سے ہمبستری کی اور عورتوں کی تحریک کے ساتھ خیانت کی''

یہ وہ نظریہ ہے جس میں کسی قسم کی حقیقت نہیں ہے۔ اصلاً از آدم تا این دم کبھی مرد عورت کا دشمن نہیں رہا ہے اور جو کچھ ہو چکا یا ہو رہا ہے وہ زمانہ کا اتار چڑھاؤ ہے اور کچھ نہیں۔ اس لئے کہ انسانیت کے پچھلے صفحات کو الٹ کر دیکھو تو معلوم ہوتا ہے کہ ایک زمانہ، انسانی سماج میں زن سالاری کا تھا۔ ایک دور میں عورت کی پوجا ہوتی تھی اور اس کا مقام دیویوں کا تھا لیکن یہ زمانہ کی ستم ظریفی ہے کہ انسان نے اپنی فطرت یعنی انسانیت کو فراموش کردیا اور عورت پر ظلم وستم کو روا رکھا۔ لیکن اگر آپ قرآن کا مطالعہ کریں گے تو عورت کے سلسلہ میں عورت کا اسلامی نظریہ سامنے آئے گا۔ جہاں عورت کو مرد سے بالکل جدا تصور نہیں کیا گیا ہے بلکہ ایک کو دوسرے کے لئے لباس اور چین وسکون کا باعث قرار دیا گیا ہے۔ اور مرد وعورت کے درمیان کسی بھی اختلاف ودشمنی کی مخالفت کرتا ہے۔ جہاں اسلام میں شادی کی ترغیب دی گئی ہے اور اسکے لئے تاکید کرتے ہوئے زن وشوہر کے فرائض مقرر کئے گئے ہیں وہیں عورت کے ساتھ بدسلوکی، بدتمیزی، مار پیٹ، بدزبانی جیسے سلوک سے سختی سے منع کیا گیا ہے اور ساتھ ہی اگر زن وشوہر میں محبت نہیں رہ جاتی اور ساتھ جینے کے تمام راستے بند ہوجاتے ہیں تو اس کے لئے طلاق کے راستہ کو کھول دیا گیا ہے۔ لیکن طلاق جو ایک جائز کام ہے اس سلسلہ میں رسول اکرم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

''اللہ تعالی کے نزدیک سب سے زیادہ ناپسند حلال طلاق ہے''(۱۳۸)

نیز ارشاد ہوتا ہے:

''شادی کرو لیکن طلاق نہ دو کہ طلاق سے عرش الٰہی ہل جاتا ہے''(۱۳۹)

لہٰذا مرد کو عورت کا دشمن قرار دینا اسلامی نقطہ نظر سے بالکل غلط ہے آخر جو مرد وعورت مل کر ایک خانوادہ تشکیل

دیتے ہیں، ایک سماج بناتے ہیں وہ آپس میں، ایک دوسرے کے دشمن کس طرح ہو سکتے ہیں؟ جن دوجنسوں میں خدا نے ایک دوسرے کی طرف کشش ومیلان فطرت میں رکھی ہو وہ آپس میں ایک دوسرے کے دشمن کیسے ہو سکتے ہیں؟ دوجنس جو ایک دوسرے کے بنا ناقص ہوں اور ایک دوسرے کو کامل کرنے والے ہوں وہ ایک دوسرے کے دشمن کیونکر ہو سکتے ہیں؟ اور اگر دشمن ہوتے تو پھر انسانی کاروان آگے کیسے بڑھتا؟ خانوادہ اور سماج کیسے بنتا؟ اور انسان زمین کی پستیوں سے آسمانی کی بلندیوں کا سفر کس طرح طے کرتا؟ بقول آیۃ اللہ خمینی رحمۃ اللہ علیہ:

''از دامن زن مرد بہ معراج می رود'' مرد عورت کی آغوش سے معراج کی بلندیوں کو طے کرتا ہے۔'' (۱۴۰)

ذرا کوئی سوچے کہ اگر مرد، عورت کا دشمن ہوتا تو کیا کوئی عورت، مرد کو جنم دیتی؟ اپنا خون جگر پلا کے اس کو پروان چڑھاتی؟ اس کی صحت وسلامتی، اور تعلیم وتربیت کی راہ میں زحمتیں اٹھاتی؟ رات رات بھر جاگ کر اس کے آرام کی سبیل کرتی؟ ہرگز نہیں۔ لیکن ہاں آج کے دور میں مسئلہ اس کے برعکس ضرور ہے کہ مرد جس کو ریڈیکلس عورت کا دشمن کہتے ہیں ،عورت اس کی پیدائش پر خوش ہوتی ہے جشن مناتی ہے، لیکن عورت کو ولادت سے پہلے ہی ختم کر دینے کی درپئے ہے۔

اسلامی نقطہ نظر سے نہ یہ کہ مرد، عورت کا دشمن نہیں ہے بلکہ عورت کی شخصیت کو کمال عطا کرنے والا ہے، اس کی عزت وآبرو کا ذمہ دار اور اس کا ہر حال میں محافظ و پاسدار ہے۔

☆ انتہا پسند اپنی انتہا پسندوں کا نظریہ ہے کہ:

''عورت کو جنسی خواہش پوری کرنے کے لئے بہترین طریقہ ہم جنسی است''

مزید یہ کہ ''فمینزم ایک نظریہ اور ہم جنسی اس کا عمل ہے''

یہ وہ نظریہ ہے کہ جو نہ صرف یہ کہ قانون فطرت کے خلاف ہے بلکہ خلاف عقل وشعور بھی ہے اور یہ کہ اس کا بطلان روز روشن کی طرح واضح ہے۔ نظام خلقت میں نہ صرف مرد وزن بلکہ تمام مخلوقات میں دو الگ جنسوں کی تخلیق اور نظام تولید کا ایک دوسرے پر منحصر ہونا کسی پر مخفی نہیں ہے۔ انسان کیا حیوانات میں بھی جنسی خواہش کی تسکین کا ذریعہ بھی جنس مخالف میں ہے۔

اسلامی قانون شریعت کے اعتبار سے ہم جنسی (Homosexuality) یعنی اپنے ہم جنس کے ذریعہ جنسی خواہش کی تسکین (مردوں میں لواط اور عورتوں میں مساحقہ) کسی بھی طرح سے ہو حرام اور گناہ کبیرہ ہے۔ اور صرف اسلام میں نہیں بلکہ تمام الٰہی ادیان میں بھی حرام ہے اور دنیاوی واخروی برے نتائج کے علاوہ اس کے ناقابل تلافی اثرات بھی ہیں۔

چونکہ ہم جنسی ایک قسم کا جنسی انحراف (جنسی بے راہ روی) شمار کیا جاتا ہے اس لئے تمام انحرافات کی طرح اس کے

بھی برے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔جیسے جنس مخالف سے نفرت اور ہم جنس کی طرف رغبت وغیرہ۔اس کے حفظان صحت اورنفسیاتی نقصان کے علاوہ یہ عمل انسانی فطرت کے خلاف ہے جس کا انجام عدم تولیداور جنس مخالف کی طرف رغبت ومحبت ختم ہوجاناہے۔اورواضح ہے کہ یہ چیز انسانی تخلیق کے مقصد کے برخلاف ہے۔لہٰذا ہم جنس بازی حرام وگناہ کبیرہ ہے۔

اصلاً عورت ومرد کی فطرت کواس طرح سے خلق کیا گیا ہے کہ وہ سکون وخواہشات کی تسکین کواس کے جنس مخالف میں (شادی کے ذریعہ) تلاش کرے۔اوراس کے علاوہ کوئی بھی جنسی عمل انسانی سالم مزاج کے برخلاف اور ایک قسم کی نفسیاتی بیماری ہے۔اگراس کوترک نہ کیا جائے توروز بروزاس میں اضافہ ہوتا جاتا ہے جس کے نتیجہ میں جنس مخالف کی طرف عدم رغبت اور جنس موافق کے ذریعہ ایک غیرمحفوظ جنسی تسکین کا باعث ہوتا ہے۔اس طرح کے ناجائز روابط انسان کے نفس وروح پرخطرناک اثرات مرتب کرتے ہیں۔کلی طور پر انسان کوایک اچھے ماں باپ بننے سے روک دیتے ہیں اور کبھی کبھی تو انسان سے تولید کی صلاحیت کوبھی سلب کرلیتا ہے۔ہم جنس لوگ آہستہ آہستہ سماج سے بیگانہ اور پھرخود سے بھی بیگانہ ہوجاتے ہیں اورنفسیاتی تضاد میں گرفتار ہوجاتے ہیں کہ اگر وہ اپنی اصلاح نہ کریں تومختلف جسمانی اورروحانی امراض کا شکار ہوسکتے ہیں۔اسی وجہ سے اور دوسرے اخلاقی واجتماعی وجوہات کی وجہ سے اسلام ہم جنسی کوکسی بھی صورت میں حرام قرار دیتاہےاوراس کے لئے سخت سزا کا قائل ہے یہاں تک سزائے موت۔(۱۴۱)

ہم جنس پرستی چاہے مردوں میں ہو یاعورتوں میں ،اسلام میں گناہ کبیرہ شمار ہوتی ہے اور اسکے لئے حد شرعی ہے۔عورتوں میں اس عمل کی حد چار مرتبہ اقرار کرنے کے بعد یا چار گواہوں کے ذریعہ ثابت ہونے کے بعد (ان شرائط کے ساتھ جوفقہی کتابوں میں مذکور ہیں) سوکوڑے ہیں اور بعض فقہا کا کہنا ہے کہ اگر شوہر رکھنے والی عورت اس فعل کوانجام دے تواس کی سزاموت ہے۔(۱۴۲)

اس سلسلہ میں اسلامی رہنماؤں کی طرف سے نقل ہونے والی روایات کثرت سے ہیں اوران کے مضامین اس قدر سخت ہیں کہ ان روایات کو پڑھنے والے کواحساس ہوتا ہے کہ شاید ہی کوئی گناہ اس کے برابر ہوسکتا ہے۔چنانچہ پیغمبر اسلام ﷺ ایک روایت میں ارشادفرماتے ہیں:

> ''جس وقت قوم لوط نے اس شرمناک فعل کوانجام دیا (مردوں نے مردوں پر اور عورتوں نے عورتوں پر اکتفا کیا) اس وقت زمین نے اس طرح گریہ کیا کہ اس کے آنسو آسمان تک پہونچ گئے۔اورتب خداوند عالم نے آسمان کووحی کی کہ ان پر پتھروں کی بارش کرےاورزمین کوحکم دیا کہ انھیں نگل لے''(۱۴۳)

عظیم فقیہ،صاحب جواہرالکلام فرماتے ہیں کہ:

> ''بعض ائمہؑ سے روایت ہے کہ:عورتوں میں مساحقہ مردوں

میں لواط کی طرح ہے لیکن مساحقہ کی سزا سو کوڑے ہیں اس لئے
کہ مساحقہ میں کوئی عضو کسی عضو میں داخل نہیں ہوتا اور ایک
دوسری روایت میں ہے کہ مساحقہ زنائے اکبر ہے جس کو ابلیس
کی بیٹی نے عورتوں میں ایجاد کیا ہے۔ جس طرح ابلیس نے
مردوں میں لواط کو ایجاد کیا ہے'' (۱۴۴)

مغربی دنیا میں جہاں یہ عمل کثرت سے رائج ہے وہ اپنے اس برے عمل کی توجیہ کے لئے کہتے ہیں کہ اس میں کسی قسم کی طبی مشکل نہیں ہے۔ لیکن وہ بھول گئے ہیں کہ کسی قسم کی بھی جنسی بے راہ روی انسان کے وجود میں موثر ہوتی ہے اور اس کے تعادل کو ختم کر دیتی ہے اس لئے کہ کوئی بھی مرد یا عورت جو، جنس موافق میں رغبت رکھتے ہیں وہ کوئی بھی کامل مرد یا عورت نہیں ہیں۔ ہم جنس پرستی کی کتابوں میں اس کو اہم جنسی انحراف میں شمار کیا گیا ہے۔

لہٰذا ہم جنس سے جنسی تسکین (مساحقہ) انسان کی صحیح وسالم فطرت کے خلاف ہے اور اسلامی نقطہ نظر سے ایسے افراد گناہ کبیرہ کے مرتکب اور سخت سزا کے مستحق ہیں۔ (۱۴۵)

مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کہتے ہیں کہ:

''کہ یہ بات بالکل صریح حقیقت ہے کہ مباشرت ہم جنس قطعی طور پر وضع فطرت کے خلاف ہے اللہ تعالیٰ نے تمام ذی حیات انواع میں نر و مادہ کا فرق محض تناسل اور بقائے نوع کے لئے رکھا ہے اور نوع انسانی کے لئے اس کی مزید غرض یہ بھی ہے کہ دونوں صنفوں کے افراد مل کر ایک خاندان وجود میں لائیں اور اس سے تمدن کی بنیاد پڑے۔ اس مقصد کے لئے مرد اور عورت کی دو الگ صنفیں بنائی گئی ہیں ان میں ایک دوسرے کے لئے صنفی کشش پیدا کی گئی ہے۔ ان کی جسمانی ساخت اور نفسیاتی ترکیب ایک دوسرے کے جواب میں مقاصد زوجیت کے لئے عین مناسب بنائی گئی ہے اور ان کے جذب وانجذاب میں وہ لذت رکھی گئی ہے جو فطرت کے منشاء کو پورا کرنے کے لئے بیک وقت داعی ومحرک بھی ہے اور اس خدمت کا صلہ بھی مگر جو شخص اپنے ہم جنس سے شہوانی لذت حاصل کرتا ہے وہ ایک ہی وقت میں متعدد جرائم کا مرتکب ہوتا ہے۔

اولاً۔ وہ اپنی اور اپنے معمول کی طبعی ساخت اور نفسیاتی ترکیب سے جنگ کرتا ہے اور اس میں خلل عظیم برپا کر دیتا ہے جس سے دونوں کے جسم، نفس اور اخلاق پر نہایت برے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

ثانیاً۔ وہ فطرت کے ساتھ غداری وخیانت کا ارتکاب کرتا ہے، کیونکہ فطرت نے جس لذت کو نوع اور تمدن کی خدمت کا صلہ بنایا تھا اور جس کے حصول کو فرائض اور ذمہ داریوں اور حقوق کے ساتھ وابستہ کیا تھا وہ اسے کسی خدمت کی بجا آوری اور کسی فرض اور حق کی ادائیگی اور کسی ذمہ داری کے التزام کے بغیر چرا لیتا ہے۔

ثالثاً۔ وہ انسان اجتماع کے ساتھ کھلی بددیانتی کرتا ہے کہ جماعت کے قائم کئے ہوئے تمدنی اداروں سے فائدہ تو

اٹھالیتا ہے مگر جب اس کی اپنی باری آتی ہے تو حقوق اور فرائض اور ذمہ داریوں کا بوجھ اٹھانے کے بجائے اپنی لذتوں کو پوری خودغرضی کے ساتھ، ایسے طریقہ پر استعمال کرتا ہے جو اجتماعی تمدن اور اخلاق کیلئے صرف غیر مفید ہی نہیں بلکہ ایجاباً مضرت رساں ہے۔ وہ اپنے آپ کو نسل اور خاندان کی خدمت کے لئے نااہل بناتا ہے، اپنے ساتھ کم از کم ایک مرد کو غیر طبعی زنانہ پن میں مبتلا کرتا ہے اور کم از کم دو عورتوں کے لئے بھی صنفی بے راہ روی اور اخلاقی پستی کا دروازہ کھول دیتا ہے۔(۱۴۶)

اس عمل کے حرام اور ناجائز ہونے کے لئے علماء قرآن مجید سے سورہ مومنون کی آیت ۷ پیش کرتے ہیں جہاں کہا گیا ہے کہ:

''جس نے نفسانی خواہشات کی تسکین کے لئے ازدواج کے علاوہ کسی اور طریقہ کو اختیار کیا وہ باغی ہیں''(۱۴۷)

اس سلسلہ میں روایات کثرت سے ہیں۔ چنانچہ امام رضاؑ ارشاد فرماتے ہیں:

''عورتوں کے عورتوں، اور مردوں کے مردوں پر حرام ہونے کا فلسفہ یہ ہے کہ یہ چیز خلاف فطرت ہے کہ جو خداوند عالم نے عورت کو مرد کے لئے قرار دیا ہے۔ اس لئے اگر مرد و عورت ہم جنس پرست ہوجائیں تو نسل انسانی منقطع ہوجائے گی اور اجتماعی زندگی کی حکمت ختم ہوجائے گی اور کائنات ویران ہوجائے گی''(۱۴۸)

خلاصہ یہ کہ ہم جنس بازی مردوں میں ہو یا عورتوں میں اسلام نے اس کی سختی سے مذمت کی ہے اور ایسے لوگوں کے لئے ایسے غیر فطری عمل پر سزا بھی معین کی ہے تا کہ سماج میں اس کے بیماری اور خرابی نہ پھیلنے پائے۔ اور اس عمل کی حرمت پر قرآن کریم کی آیات اور معصومین کی روایات بھی کثرت سے ہیں۔ لیکن دوسری طرف ہم دیکھ رہے ہیں کہ مغربی ممالک میں نہ یہ کہ یہ پست عمل عام ہورہا ہے بلکہ حکومتیں اس کو قانونی درجہ بھی دے رہی ہیں۔ چنانچہ اکثر مغربی ممالک میں ہم جنس بازی کو قانونی حمایت حاصل ہے اور اس طرح کی شادیاں بھی ہورہی ہیں جس میں مرد، مرد سے اور عورت، عورت کے ساتھ رشتہ ازدواج میں بندھ رہے ہیں اور قانون انہیں زوج کا درجہ دے رہا ہے۔ چنانچہ ۲۰۱۲ء سے امریکہ میں ایسی شادیاں قانونی شمار ہورہی ہیں۔(۱۴۹)

☆ انتہا پسندوں کا نظریہ ہے کہ:

''اسقاط حمل عورت کا فطری حق ہے''

اسقاط حمل جسے انگریزی میں abortion کہا جاتا ہے اور اس سے مراد ایک ایسا عمل ہے کہ جس کے ذریعہ رحم

مادر(uterus) میں موجود بچہ جو کہ جنین(embryo) یا حمل (fetus) کے مراحل میں ہوسکتا ہے، رحم سے خارج ہوجاتا ہے۔ جو بچہ کی موت کا سبب بنتا ہے۔ اس کا مکمل طبی نام اسقاط حمل ہے اور یہ دو طرح سے ہوسکتا ہے۔

۱- مختاری اسقاط(spontaneous abortion) یعنی خود بخود ہوجانے والا اسقاط اس کو گرنا (miscarriage) بھی کہا جاتا ہے۔

۲- مائلی اسقاط (induced abortion) یعنی انسان کی مداخلت سے اور جراحی یا کیمیائی طریقوں کے ذریعہ مائل کیا جانے والا اسقاط۔(۱۵۰)

پچھلے اوراق میں ہم پڑھ چکے ہیں کہ انتہا پسند تانیثی نظریات کے حامل یعنی ریڈیکل فمینسٹ اس بات کے قائل ہیں کہ عورتیں اپنی جنسی خواہشات کو ہم جنسی کے ذریعہ پوری کریں اور اس کے لئے وہ مردوں کی محتاج نہ رہیں اور ہم نے یہ بھی پڑھا کہ عورت اگر مرد کے ساتھ جنسی رابطہ برقرار کرتی ہے تو گویا وہ صنف عورت کے ساتھ خیانت کرتی ہے۔ ان نظریات کے پیش نظر ایک عورت کا حاملہ ہونا بھی ریڈیکلس کی نظر میں ایک بڑا جرم شمار ہوتا ہے۔ اور اب مندرجہ بالا نظریہ کے ذریعہ وہ اس بات کو واضح کرنا چاہتے ہیں کہ اگر کوئی عورت کسی مرد سے جنسی رابطہ کے ذریعہ حاملہ ہو بھی جاتی ہے تو وہ اس حمل کو ساقط کر کے ایک انسان کو دنیا میں آنے سے روکنے کا حق رکھتی ہے۔ بلکہ یہ اس کا فطری حق ہے۔ اس سے یہ بات ظاہر ہے کہ مندرجہ بالا مذکورا سقاط کے طریقوں میں سے دوسرا طریقہ مقصود ہے۔ یعنی مائلی اسقاط۔ اس لئے کہ جو حمل ایک نظام یعنی شادی وازدواج اور مرد وعورت یعنی شوہر اور بیوی کی رضامندی سے قرار پائے گا اس کو مائلی طریقہ سے اسقاط کا کوئی سوال نہیں ہوتا۔ لہٰذا مائلی اسقاط حمل کے اہم اسباب کو ہم اس طرح تقسیم کر سکتے ہیں۔

۱- کچھ اسقاط جسمانی صحت کی مشکلات کی بنیاد پر ہوتے ہیں جس میں عورت کی جان کو خطرہ ہوجانے کی وجہ سے اسقاط کرادیا جاتا ہے۔

۲- کبھی کبھی رحم میں پلنے والے بچہ کو طبی مسائل درپیش ہوجاتے ہیں جس کی بنیاد پر اسقاط کرادیا جاتا ہے۔

۳- بعض عورتیں اس لئے سقط کرادیتی ہیں کہ وہ یا ان کے شوہر یا دونوں بچہ کے خواہش مند نہیں ہوتے ہیں اس لئے اسقاط کرادیتی ہیں۔

۴- کچھ اسقاط ان نوجوان اور جوان لڑکیوں کو کرانے پڑتے ہیں جو ابھی شادی شدہ نہیں ہوتی ہیں اور ناجائز تعلقات کی بنا پر حمل ہوجاتا ہے اور وہ اس کو ساقط کرادیتی ہیں۔

واضح رہے کہ تعلیمی ترقی اور طبی پیش رفت کی وجہ سے اب مانع حمل ذرائع عام ہوجانے کی وجہ سے بہت سارے حمل ہو ہی نہیں پاتے ہیں اور اس سلسلہ میں مغربی ممالک کافی آگے ہیں۔ چنانچہ مولانا مودودی لکھتے ہیں:

''ساٹھ ستر برس سے فرانس میں منع حمل کی تحریک کا زبردست پرچار ہورہا ہے اس تحریک کی بدولت سرزمین فرانس کے ایک ایک مرد اور ایک ایک عورت تک ان تدابیر کا علم پہونچایا جارہا ہے جن سے آدمی اس قابل ہوسکتا ہے کہ صنفی

تعلق اوراس کی لذات سے متمتع ہونے کے باوجود اس فعل کے قدرتی نتیجہ یعنی استقرار حمل اور تولید نسل سے بچ سکے اس کا نتیجہ یہ ہے کہ آزاد شہوت رانی کرنے والے لوگ ہی نہیں بلکہ شادی شدہ جوڑے بھی کثرت سے ان تدابیر کو استعمال کرتے ہیں اور ہر زن و مرد کی یہ خواہش ہے کہ ان کے درمیان بچہ یعنی وہ بلا جو تمام لطف ولذت کو کر کرا کر دیتی ہے کسی طرح خلل انداز نہ ہونے پائے۔

ان تدابیر کے باوجود جو حمل ٹھہر جاتے ہیں ان کو اسقاط کے ذریعہ ضائع کیا جاتا ہے۔اور اس طرح مزید تین چار لاکھ انسان دنیا میں آنے سے روک دیئے جاتے ہیں۔اسقاط حمل صرف غیر شادی شدہ عورتیں ہی نہیں کراتیں بلکہ شادی شدہ بھی اس معاملہ میں ان کی ہم پلہ ہیں۔اخلاقاً اس فعل کو نا قابل اعتراض بلکہ عورت کا حق سمجھا جاتا ہے۔قانون نے اس کی طرف سے آنکھیں گویا بند کر لی ہیں اگر چہ کتاب آئین میں یہ فعل ابھی تک جرم ہے۔(۱۵۱)

پوری دنیا میں فحاشی،عریانیت اور جنسی آزادی و بے راہ روی کے عام ہونے کے نتیجہ میں اسقاط حمل کی شرح میں بھی اضافہ ہوا ہے خاص طور پر مغربی ممالک میں جب سے اس کو قانونی منظوری دے دی گئی ہے اس وقت سے کافی اضافہ ہوا ہے۔

امریکہ میں ۲۲رجنوری ۱۹۷۳ء کو اسقاط حمل کو قانونی اعلان کر دیا گیا اگر چہ امریکہ کے بہت سے لوگوں کا ابھی بھی یہ ماننا ہے کہ اس قانون پر نظر ثانی ہونی چاہئے اور وہ اسے اصول اخلاق کے منافی مانتے ہیں۔

اسقاط حمل کے آزادی کے سلسلہ میں امریکیوں کے دو الگ الگ نظریہ ہیں۔بعض لوگ اسقاط حمل کو ماں کا حق تصور کرتے ہیں تو دوسرے بعض کا ماننا ہے کہ جو انسان پیدا نہیں ہوا ہے جنین کی صورت میں ہے اسکو زندگی کا حق ہے اور اسقاط حمل ایک قسم کا قتل شمار ہوتا ہے۔(۱۵۲)

اس کے باوجود مغربی ممالک میں اسقاط حمل کی شرح کی رپورٹ چونکا دینے والی ہے۔چنانچہ دو انگریز محققین لچ فیلڈر اور کنیش کی تحقیقات کے مطابق انگلستان میں اسقاط حمل کی کثرت کی وجہ سے ایسی بھٹیاں بنائی گئی ہیں جن میں بچوں کو جلایا جاتا ہے۔

حالیہ اعداد وشمار کے مطابق امریکہ میں ہر سال ۱۰۶ رملین اسقاط حمل کیا جاتا ہے۔

کنیڈا میں بھی عوامی مخالفت کے باوجود پارلیمنٹ نے سقط کا قانون پاس کیا اور ہزاروں بچے اس قانون کی بھینٹ چڑھ رہے ہیں۔اور قانون اور حکومت کی برکت سے آج عورتیں ان بچوں کی زندگی اور موت پر پورا حق رکھتی ہیں جو ابھی پیدا نہیں ہوئے ہیں اور اس اختیار اور حق سے کناڈا میں روزآنہ ۲۷۰ رمرتبہ،امریکہ میں ۲۴۰۰ رمرتبہ اور پوری دنیا میں ۱۵۰۰۰۰ رمرتبہ عورتیں استفادہ کرتی ہیں۔(۱۵۳)

دنیا میں اسقاط حمل کے سب سے زیادہ واقعات روس میں ہوتے ہیں جس نے اس عمل کو ۱۹۵۵ء میں قانونی قرار دیا۔اس طرح جنوبی افریقہ میں ۱۹۹۶ء کے مصوبہ قانون کے مطابق اسقاط حمل جائز ہے۔البتہ دوسرے ممالک میں مجبوری

کے علاوہ اسقاط غیر قانونی ہے۔اس طرح ۱۹۹۹ء میں اکثر اسلامی ممالک میں صرف ایرلینڈ ہی ایک ایسا ملک ہے جہاں کسی بھی صورت میں اسقاط حمل ممنوع ہے اسلئے بعض وہ عورتیں جو اسقاط کرانا چاہتی ہیں وہ انگلستان چلی جاتی ہیں۔(۱۵۴)

خلاصہ یہ ہے کہ مانع حمل تدابیر اور اسقاط حمل کے قانون ہونے کی وجہ سے بالخصوص مغربی ممالک میں فحشاء کو فروغ ملا ہے اور نسل کشی کے جرائم میں اضافہ ہوا ہے۔جنسی آزادی کی وجہ سے اخلاقی اقدار ختم ہوگئے ہیں اور نظام خانوادہ درہم برہم ہوگیا ہے۔

ہندوستان میں بھی اسقاط حمل ممنوع ہے اور طبی ذرائع سے جنین کی جنس معلوم کرنا بھی غیر قانون ہے۔اس لئے کہ یہاں طبی ذرائع سے رحم مادر میں بچے کی جنس معلوم کر کے اگر لڑکی ہو تو اس کا اسقاط کرا دینا عام ہوگیا تھا۔پھر بھی پنجاب اور ہریانہ وہ ریاستیں ہیں جہاں اسقاط حمل کی کثرت ہے۔

اسلامی نقطہ نظر سے اسقاط حمل حرام ہے اور قرآن واحادیث اور تمام علمائے اسلام نے اس کو حرام قرار دیا ہے۔اور قانونی اعتبار سے بھی یہ کام جرم ہے۔اور اسی طرح اسقاط کا کفارہ بھی ہے اور اگر بچہ میں جان پڑ گئی ہے تو اس کی دیت ہے جو ایک کامل انسان کے برابر ہوتی ہے۔

علماء نے اس کے حرام ہونے کے سلسلہ میں قرآن کریم کی درج ذیل آیات سے استفادہ کیا ہے۔

۱-سورہ انعام۔آیت/۱۵۱۔

''آؤ ہم تمہیں وہ چیزیں بتائیں جو تمہارے خدا نے تم پر حرام قرار دیا ہے۔یہ کہ تم خدا کا شریک نہ قرار دو اور والدین کے ساتھ نیکی کرو۔اور اپنے بچوں کو غربت کے خوف سے قتل نہ کرو ہم تمہیں اور انہیں رزق دیتے ہیں اور برے کاموں کے قریب نہ جاؤ چاہے وہ پوشیدہ ہوں یا ظاہر۔اور وہ انسان جس کا خون خدا نے محترم قرار دیا ہے اسے قتل نہ کرو مگر یہ کہ برحق ہو۔خداوند عالم تمہیں اسکی وصیت وتاکید کرتا ہے شاید تم سمجھو''

۲-سورہ نساء۔آیت/۲۹۔

''اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو ایک دوسرے کے اموال کو غلط (باطل) طریقہ سے نہ کھاؤ مگر یہ کہ دونوں کی رضامندی کے ساتھ تجارت کے ذریعہ ہو اور خودکشی نہ کرو بیشک خداوند عالم تم پر مہربان ہے''

۳-سورہ اسراء۔آیت/۳۳۔

''جس کے قتل کو خدا نے حرام قرار دیا ہے اسے قتل نہ کرو مگر باحق''

اس بات کے پیش نظر کہ اسقاط حمل قتل نفس ہے یہ آیات اسقاط کے حرام ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔

۴-اسی طرح سورہ اسراء کی آیت ۳۱/ میں ہے کہ:

''اپنے بچوں کو غربت کے خوف سے قتل نہ کرو۔ اس لئے کہ پچھلے ادوار میں اور آج بھی بہت سے لوگ غربت کے خوف سے اسقاط کرا دیتے تھے کہ اس پیدا ہونے والے بچے کو کہاں سے کھلائیں گے''

۵-سورہ ممتحنہ آیت ۱۲/ میں ہے کہ:

''وہ عورتیں اپنے بچوں کو قتل نہ کریں'' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسقاط بھی قتل ہے۔

۶-زمانہ جاہلیت میں یہ بات عام تھی کہ جب عورت کے یہاں ولادت کا وقت قریب آتا تھا تو ایک گڑھا کھودتے تھے اور اگر بچہ لڑکا ہوتا تو اسکو رکھ لیتے تھے اور اگر لڑکی ہوتی تو اس کو اسی میں دفن کر دیتے تھے۔(۱۵۵)

اسی کی طرف قرآن کریم میں اشارہ ہے جہاں ارشاد ہوتا ہے کہ:

''وہ کس جرم میں قتل کی گئی''(۱۵۶)

اسی طرح متعدد روایات میں اسقاط سے منع کیا گیا ہے اور اگر کوئی اس جرم کا ارتکاب کرتا ہے تو اس کے لئے کفارہ اور دیت بھی ہے۔ یہاں تک کہ اگر رحم میں نطفہ ٹھہر گیا ہو چاہے وہ ابھی شروع کے ہی مراحل میں کیوں نہ ہو، اسلام میں اس کو ضائع کرنا جائز نہیں ہے۔ حلال سے ہو یا حرام سے ہو۔(۱۵۷)

اسقاط حمل حرام ہے اور گناہان کبیرہ میں سے ہے اور ایسا کام کرنے والے کو چاہئے کہ وہ توبہ کرے اور کفارہ ادا کرے جو دو ماہ مسلسل روزہ رکھنا ہے اور اس کی دیت بھی ادا کرے۔

بچہ جب رحم میں ٹھہرتا ہے تو چالیس روز تک نطفہ ہے اور اس کے بعد اسقاط کی دیت ۲۰/مثقال شرعی سونا ہے۔ جو ہر مثقال ۱۸/چنے کے برابر ہے۔ پھر چالیس روز کے بعد علقہ ہے (یعنی منجمد خون) جس کی دیت ۴۰/مثقال ہے اور پھر چالیس روز کے بعد مضغہ ہے یعنی گوشت کا ٹکڑا، جس کی دیت ۶۰/مثقال ہے جو چار ماہ کی مدت ہو جاتی ہے اور اسکے بعد ہڈی کی شکل ہو جاتی ہے کہ اس کی دیت ۸۰/مثقال ہے پھر اس کے بعد گوشت چڑھنے لگتا ہے اور شکل وصورت بننے لگتی ہے کہ جس کی دیت ۱۰۰/مثقال ہے۔ اور جیسے ہی اس میں روح آجاتی ہے تو اگر وہ لڑکا ہو تو اس کی دیت ۱۰۰۰(ایک ہزار) مثقال اور اگر لڑکی ہو تو ۵۰۰(پانچ سو) مثقال ہے۔ اور اگر عورت خود کوئی ایسا کام کرے جس سے بچہ ساقط ہو جائے تو مندرجہ بالا تفصیلات کے حساب سے اسے چاہئے کہ وہ بچہ کے وارث کو دیت ادا کرے۔ خود وہ عورت اس دیت سے میراث نہیں پائے گی۔ لیکن اگر ورثاء اس کو دیت سے معاف کر دیں تو دیت ساقط ہو جائے گی لیکن جس بچہ میں روح پڑ گئی ہو اس کے اسقاط کی صورت میں اس پر قتل کی دیت واجب ہے۔(۱۵۸)

البتہ متعدد حنفی اور شافعی فقہائے کرام کے ساتھ حنبلی فقہا بھی چالیس روز سے پہلے (یعنی نطفہ کی صورت میں) اسقاط کو جائز قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ ابن ہمام، فتح القدیر ج ۳/ص ۴۰۱/ میں کہتے ہیں:

''حمل ٹھہرنے کے بعد ساقط کرنا جائز ہے بشرطیکہ انسانی تخلیق شروع نہ ہو''

مزید براں دیگر کئی مواقع پر (حنفی فقہاء، کا کہنا ہے کہ) تخلیق ۱۲۰/دن گذرنے کے بعد ہی شروع ہوتی ہے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ فقہاء نے تخلیق سے روح پھونکنا مراد لیا ہے ورنہ ۱۲۰/دنوں کے بارے میں ان کی یہ بات غلط ہوگی کیونکہ حمل میں ۱۲۰/دنوں سے قبل ہی انسانی اعضاء کی نش ونما شروع ہوجاتی ہے۔''

اسی طرح املی رحمۃ اللہ۔ نہایۃ المحتاج۔ ج ۸/ ص ۴۴۳/ میں کہتے ہیں:

''راجح موقف کے مطابق روح پھونکے جانے کے بعد کسی طور سے بھی اسقاط حمل حرام ہے لیکن روح پھونکے جانے سے قبل جائز ہے'' (۱۵۹)

البتہ فقہای امامیہ کا نظریہ وہی ہے جو اوپر بیان کیا ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ شریعت نے اسقاط حمل کو حرام کیوں قرار دیا ہے؟

اس حکم شرعی کے لئے دلیل شرعی یعنی کتاب وسنت سے اور دلیل عقلی بھی موجود ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں جیسا کہ ہم نے پہلے ذکر کیا خداوند عالم نے متعدد مقامات پر قتل نفس سے منع فرمایا ہے۔ جیسا کہ سورہ اسراء آیت ۳۳/ میں خداوند عالم نے کسی بھی نفس کو ناحق قتل کو منع کیا ہے۔ زمانہ جاہلیت میں لوگ بچوں کو غربت کے خوف سے قتل کردیتے تھے لیکن خدا وند عالم نے فرمایا کہ ہم انہیں رزق دیتے ہیں، تم رزق کے خوف سے انھیں قتل نہ کرو۔ اور آج ہم کو اس شرمناک جرم سے وحشت ہوتی ہے حالانکہ اس ترقی یافتہ دور میں ہم بھی وہی کام کررہے ہیں۔ اسقاط حمل کے ذریعہ جس کے بہانے اقتصادی اور جسمانی مسائل کے ساتھ سے آبادی پر کنٹرول بھی ہوتا ہے۔ (۱۶۰)

اسی طرح خداوند عالم ایک دوسرے مقام پر ارشاد فرماتا ہے:

''اگر کوئی کسی نفس کو بنا کسی قتل یا زمین پر فساد کی وجہ سے قتل کرے تو گویا اس نے تمام انسانوں کا قتل کیا ہے'' (۱۶۱)

تمام انسانوں کا خون محترم ہے اور اس کی اس قدر اہمیت ہے کہ ایک انسان کا قتل تمام انسانوں کے قتل کے برابر قرار دیا گیا ہے۔ یہاں تک کہ بعض آیات میں ایسا کام کرنے والے کے لئے ہمیشہ کی جہنم کی خبر دی گئی ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

''جو جان بوجھ کر کسی مومن کو قتل کرے تو اس کی جزا ہمیشہ کی جہنم ہے'' (۱۶۲)

ان آیات سے اسقاط حمل کی حرمت کا اندازہ بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔

عقلی اعتبار سے یہ کام برا ہے اس لئے کہ ظلم ہے اور مظلوم کے حق کو پامال کرنا ہے۔ حق یعنی ایک موجود کسی چیز کا

مستحق ہو اور اس کو وہ چیز ملنی چاہئے مثلاً زندگی ہر انسان کا حق ہے اگر کسی سے زندگی چھین لی جائے تو اس پر ظلم ہے اور اس طرح اس کا حق پامال کیا گیا ہے۔(۱۶۳)

اور اگر حمل کو بھی ساقط کیا جا رہا ہے تو گویا اس سے زندگی کا حق چھین لیا گیا ہے اور یہ ظلم ہے اور اس کے حق کو پامال کرنا ہے۔

اب ایک سوال یہ کیا جاتا ہے کہ: ''حرام کے ذریعہ ٹھہرنے والے حمل کو ساقط کردینا بہتر ہے یا حرام زادگی کا طمغہ لے کر جینا بہتر ہے؟ تو اس کا جواب بھی یہ ہے کہ حمل کا ساقط کرنا حرام ہے اس لئے کہ وہ بھی ایک نفس ہے اور نفس کا قتل کرنا حرام ہے۔ اس میں حرام یا حلال سے ہونے کی کوئی شرط نہیں ہے۔(۱۶۴)

☆انتہا پسندوں کا کہنا ہے کہ:

> ''دانشمندوں کو چاہئے کہ حفظ نسل کے لئے کوئی دوسرا راستہ تلاش کریں جس میں عورت کی ضرورت نہ ہو''

پوری کائنات میں اول تخلیق حضرت آدمؑ سے تا این دم نظام خلقت کے برخلاف نظریہ کا پیش کرنا کم عقلی نہیں بلکہ بے عقلی کی دلیل ہے۔ بدو خلقت سے حفظ نسل اور تولید کا کام نہ صرف انسانوں میں بلکہ تمام ذی روح موجودات میں صنف مونث کے ذمہ رہا ہے۔ اگر چہ یہ کام اس کا تنہا کا نہیں ہے اور ایک صنف مذکر کی ضرورت بہر حال ہے لیکن تولد کا کام صرف اور صرف عورت کا ہے اسی حقیقت کے پیش نظر مولانا مودودی لکھتے ہیں:

> ''عورت ہر وہ کام کرسکتی ہے جو مرد کرسکتا ہے لیکن مرد ہر وہ کام نہیں کرسکتا جو ایک عورت کرسکتی ہے چنانچہ عورت ماں بن سکتی ہے لیکن مرد کبھی ماں نہیں بن سکتا''(۱۶۵)

نظام فطرت اسی پر استوار ہے کہ ایک عورت اور ایک مرد کے ذریعہ انسانی کاروان آگے بڑھے اور عورت بچہ کو اپنے شکم میں معین مدت تک رکھ کر جنے اور اس کی دیکھ بھال کر کے اس کو پروان چڑھائے۔ چنانچہ قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے:

> ''ہم نے انسان کو تاکید کی ہے کہ وہ اپنے والدین کے ساتھ نیکی کریں کہ اس کی ماں نے اس کو مشکل سے حمل کیا اور بڑی سختی کے ساتھ جنا''(۱۶۶)

لہٰذا بچہ کو پیدا کرنا اس کی پرورش اور دیکھ بھال کرنا یہ عورت ہی کی ذمہ داری ہے اور اگر ذمہ داری نہ بھی ہو تو خالق نے ماں کے دل میں بچہ کے لئے وہ جذبہ ودیعت کر دیا ہے کہ وہ اسے اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھتی ہے اور اس بنا پر اس بات کا خیال کئے بغیر کہ اس کے لئے خاندان، ملکی یا علاقائی اور مذہبی قانون کیا ہے؟ وہ اپنے بچہ سے کمال محبت سے پیش آتی

ہےاس کا حد درجہ خیال رکھتی ہےاور دیکھ بھال میں کوئی کمی نہیں کرتی ۔اور ایسا صرف انسان ہی نہیں بلکہ تمام موجودات میں ہر ماں کرتی ہے۔ چاہے وہ انسان ہو یا کوئی اور جانور۔ چرند ہو یا پرند، یا کوئی درندہ، ہر صنف میں صنف مونث اس ذمہ داری کو بخوبی نبھاتی ہے۔ وہ لوگ خود جو اس نظریہ کو پیش کرتے ہیں انھیں چاہئے کہ ایک مرتبہ مڑ کر اپنی تخلیق اور تربیت پر غور کریں کہ اگر ماں نہ ہوتی ۔یا ایک عورت نہ ہوتی جو ان کے حمل کے مراحل طے کر کے ان کو زندگی اور موت کی کشمکش سے پیدا کر کے اس دنیا میں تحفظ کے ذریعہ تربیت نہ کرتی تو کیا آج وہ یہ بات کہنے کے لائق ہوتے؟

اگر چہ اس ٹیکنولوجی کی ترقی کے دور میں لقاح کے ذریعہ مصنوعی تولد کیا جار ہا ہے لیکن کوئی انصاف سے بتائے کہ کیا یہ طریقہ بقائے نسل انسانی کا ضامن ہے؟ کیا دنیا کی تمام عورتوں کو تولد کے کام سے روک کر نسل انسان کو آگے بڑھا یا جاسکتا ہے؟ دانشمند حضرات کتنے بچے مصنوعی طریقہ سے پیدا کر سکتے ہیں؟ گاؤں گاؤں اور شہر شہر میں کتنی ولادتیں مصنوعی اور ٹیکنیکل طریقہ سے ہوسکتی ہیں؟ اصلاً یہ امر ناممکن ہے۔اس لئے کہ یہ عمل نظام فطرت اور نظام خلقت کے عین منافی ہے اور کوئی بھی موجود فطرت سے نہیں لڑسکتا۔اور اس کے نظام سے مقابلہ کوئی عمل نہیں کرسکتا۔

☆انتہا پسندوں کا کہنا ہے کہ:

''اولاد کی پرورش اور تربیت بھی عورت پر ظلم ہے جس کو مردوں نے عورتوں پر مسلط کر رکھا ہے''

بچہ کی پیدائش کے بعد اس کی نگہداشت ،اور تربیت ،اس کی جسمانی اور نفسانی صحت وسلامتی کے لئے از حد ضروری ہے کہ اس کے وجود کے بعد اس کی بقاء کے لئے یہ لازمی امر ہے۔بچپن میں جب وہ ابھی بول نہیں سکتا اور اپنے کمزور ہاتھوں اور پیروں کے ذریعہ اپنے امور کو انجام نہیں دے سکتا اور بہت سی چیزوں کو سمجھ نہیں سکتا ،ایسے میں اس کی پرورش ضروری ہے لیکن یہ امور کس کے ذمہ نہیں؟

اگر چہ انتہا پسندوں کی نگاہ میں یہ ذمہ داری صرف اور صرف ماں کی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اسلامی نقطہ نظر سے یہ ذمہ داری ماں اور باپ دونوں کی ہے۔

اسلامی تعالیم میں اولاد خدا کی امانت ہیں اور ان امانتوں کی دیکھ بھال اور پرورش کی ذمہ داری ماں اور باپ دونوں پر ہے۔جس طرح ان کی اچھی غذا ،لباس اور حفظان صحت کی ذمہ داری ماں اور باپ دنوں پر ہے اسی طرح ان کی روحانی تربیت والدین کی ذمہ داری ہے۔

جس طرح والدین اپنے بچوں کو چلنا ،بولنا وغیرہ سکھاتے ہیں اسی طرح انھیں چاہئے کہ وہ ان کی صحیح راہ نمائی کریں تا کہ وہ غلط راستہ پر نہ پڑیں اور انہیں خدا کی معرفت ،ادب ،بڑوں کا احترام وغیرہ کی بھی تعلیم دیں تا کہ وہ سماج میں ایک اچھے انسان کی صورت میں متعارف ہوں ۔(١٦٧)

البتہ ان امور میں کچھ وہ ہیں جو صرف عورت کرتی ہے اور کچھ وہ ہیں جو دونوں کی شراکت سے انجام پاتے ہیں۔مثلاً بچہ کو دودھ پلانا، یہ کام صرف ماں کرسکتی ہے اگر اس کی اپنی چھاتی سے دودھ پلانا ہے تو ،ورنہ اگر ماں اپنے بچے کو

دودھ نہ پلائے یا اس کو دودھ نہ ہو تو باہر سے دودھ کا انتظام کرنا یہ باپ کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے بچے کے لئے دودھ کا انتظام کرے۔ اسی طرح بچے کے کپڑے دھلنا وغیرہ یہ کام عورت کا ہے لیکن اگر کسی وجہ سے عورت یہ امور انجام نہ دے پائے تو شوہر کی ذمہ داری ہے کہ اس کا انتظام کرے۔ اگر چہ اسلامی نقطہ نظر سے عورت اگر ان امور کو انجام دیتی ہے تو وہ شوہر سے اس کام کی اجرت بھی لے سکتی ہے۔

والدین پر آنے والی اہم ترین ذمہ داریوں میں سے اول نمبر کی ذمہ داری اولاد کی تربیت ہے۔ اس کے بعد یہ ذمہ داری ان کے اساتذہ پر عائد ہوتی ہے۔ اس لئے کہ اولاد کی تربیت کا سیدھا ربط سماج کی اصلاح وفساد سے ہے اور اگر بچے گھر میں اچھی طرح سے تربیت کئے گئے تو اس اعتبار سے سماج میں کوئی مشکل پیش نہیں آئے گی۔ لیکن اگر بری تربیت کے ساتھ بچے سماج میں آئے تو خواہ ناخواہ ان کے برے اثرات سماج پر ضرور مرتب ہوں گے۔ چنانچہ آج کے موجودہ سماج میں بہت سی مشکلات اور اخلاقی پستی کے ذمہ دار وہ جوان ہیں جن کی گھر میں تربیت ٹھیک سے نہیں ہوئی۔ لہٰذا والدین پر اولاد کی تربیت بہت زیادہ اہمیت کی حامل ہے کہ جس کا تعلق خود ان کی ذات کے علاوہ سماج سے بھی ہے۔

واضح رہے کہ اسلامی نقطہ نظر سے یہ اہم ذمہ داری صرف ماں کے (عورت) کاندھوں پر ہی نہیں رکھی گئی ہے بلکہ اس میں باپ کو بھی برابر کا ذمہ دار ٹھہرایا گیا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں ہم مطالعہ کرتے ہیں کہ جس وقت جناب عیسیٰؑ کی ولادت ہوئی اور قوم کے لوگ آئے تو انھوں نے جناب مریم سے یہی کہا کہ:

''نہ تمہارے باپ برے آدمی تھے اور نہ ہی تمہاری ماں غلط تھی
پھر یہ بچہ کہاں سے آیا'' (۱۶۸)

قرآن کے ان الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ بچے کی تربیت میں ماں اور باپ دونوں سہیم ہوتے ہیں اس طرح تربیت کی ذمہ داری دونوں کی ہوتی ہے حالانکہ یہ سہرا ماں کے سر ہی بندھتا ہے۔ چنانچہ جب بچہ بولنا سیکھتا ہے تو وہ وہی زبان بولتا ہے جو اس کے والدین بولتے ہیں لیکن اس کی زبان مادری ہی کہی جاتی ہے، بچہ اگر بہادری کے کارنامے انجام دیتا ہے تو اس کو ماں کے دودھ کا اثر کہا جاتا ہے یا اس کی گود کا کمال تصور کیا جاتا ہے کہ یہ کس گودی کا پلا ہے۔

البتہ تناسب میں بچہ کی پرورش کی ذمہ داری کا زیادہ حصہ ماں کا اس لئے ہوتا ہے کہ بچہ ماں سے زیادہ قریب ہوتا ہے اور باپ کسب معاش کے لئے گھر سے باہر ہوتا ہے تب بھی بچہ ماں کے ساتھ ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ بچہ کے لئے پہلا مدرسہ ماں کی آغوش کہا گیا ہے۔ جہاں وہ بولنا، چلنا اور آداب واطوار سے آشنا ہوتا ہے۔ اس طرح اسلام تربیت کی پوری ذمہ داری عورت پر نہیں ڈالتا۔ بلکہ عورت ومرد دونوں کو اس کا ذمہ دار ٹھہراتا ہے۔

۴۔اشترا کی تانیثیت کے اہم نظریات:

۱-خلقت دوطرح کی نہیں ہے بلکہ عورت ہونا اسی طرح ہے جس طرح کالا یا گورا ہونا ہے لہٰذا عورت بھی ایک انسان ہے اپنی بعض خصوصیات کے ساتھ۔

۲-عورت کی محرومیوں کی وجہ بعض حصوں میں مردسالاری نظام ہے اور بعض میں سرمایہ دارانہ نظام ہے اور کچھ میں دونوں ہیں۔

۳-شادی ایک فطری عمل نہیں ہے بلکہ اس کو بنایا گیا ہے۔البتہ اس کی مخالفت نہیں کی جاسکتی۔

۴-شادی میں خانوادہ کی تشکیل کے لئے دونوں کی طرف سے مساوی شرائط رکھے جائیں۔

۵-موجودہ مردسالاری نظام میں اصلاح کی جائے تاکہ عورت کو اس کا حق مل سکے۔(۱۶۹)

اشتراکی تانیثیت:

جیسا کہ ہم پہلے بیان کر آئے ہیں کہ انتہا پسند تانیثیت کے نظریات نے تانیثی تحریک میں ایک قسم کی ہل چل مچادی اور آزادیِ نسواں کی صدا سے لے کر تسلط نسواں تک کا سفر کچھ اس شدت کے ساتھ طے کیا کہ تفکرات، عقلی اقدار اور عقلانیت سے خارج ہو گئے۔ نظام فطرت کا نہ صرف انکار بلکہ اس کے مقابلہ تک کی نوبت آ گئی اور ایسے ایسے نظریات پیش کر دئے گئے کہ جن کی وجہ سے مرد کیا خواتین بھی اس تحریک کی مخالف ہو گئیں۔ چنانچہ اسقاط حمل اور ہم جنس پرستی جیسے غیر فطری اور غیر اخلاقی مطالبات نے تحریک آزادیِ نسواں کو تحریک آزاریِ نسواں میں تبدیل کر دیا جس کے پیش نظر کچھ لوگوں نے ان نظریات میں اصلاحات کے مطالبہ کے ساتھ اعتدال کا راستہ اختیار کیا اور اشتراکی تانیثیت کا نظریہ سامنے آیا جس کے ذریعہ انتہا پسندیت کے سد باب کی کوشش کی گئی۔

☆اشتراکی تانیثیت کا نظریہ ہے کہ:

''خلقت دو طرح کی نہیں ہے بلکہ عورت ہونا اسی طرح ہے جس طرح کالا یا گورا ہونا ہے لہٰذا عورت بھی ایک انسان ہے اپنی بعض خصوصیات کے ساتھ''

مذکورہ بالا نظریہ میں اشتراکی فمینسٹوں نے ذات اور صفات کو ملا دیا ہے۔ اس لئے کہ انسان کی ذات ایک چیز ہے اور صفات ایک الگ چیز ہے، جسم کی خلقت ایک چیز ہے اور ہدف خلقت ایک دوسری چیز ہے مثلاً کالا ہونا یہ ایک صفت ہے جو مرد اور عورت دونوں میں ہو سکتی ہے لیکن خلقت ذات کے دو حصے ہیں جسم اور نفس اور ہم نے پچھلی بحثوں میں یہ بات واضح کی ہے کہ مرد اور عورت کی جسمانی تخلیق میں فرق ہے اور اسی لئے اس کے تقاضے بھی مختلف ہیں اسی طرح احساسات اور جذبات، فکر و نظر میں بھی فرق ہے اگر چہ اسلامی نقطہ نظر سے ہدف خلقت دونوں کا ایک ہے لہٰذا یہ کہنا کہ مرد و عورت خلقت میں الگ نہیں ہیں غلط ہے اس لئے کہ اس بات سے کسی کو انکار نہیں ہے کہ مرد و عورت کی جسمانی ساخت و ساز جدا ہے اسی طرح اس کے نفسیات بھی الگ الگ ہیں۔ اور خلقت کو صفت پر مقائسہ نہیں کیا جا سکتا۔

ہاں جہاں تک بات ہے کہ ''عورت بھی ایک انسان ہے اپنی بعض خصوصیات کے ساتھ'' تو اس کو اسلام بھی قبول کرتا ہے اور عورت کو اسی طرح ایک انسان مانتا ہے جس طرح ایک مرد کو، اس لئے اسلام عورت کو وہی انسانی حقوق فراہم کرنے کی وکالت کرتا ہے جو ایک مرد کے لئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم میں جب خطابات وارد ہوتے ہیں تو کسی صنف خاص (مرد یا عورت) سے خطاب نہیں ہوتا ہے بلکہ ''**ایھا الناس**''، یعنی اے لوگو یا ''**ایھا الذین آمنو**''، یعنی اے وہ لوگ جو ایمان لائے ہو، ''**یا بنی آدم**''، یعنی اے اولاد آدم وغیرہ جیسی تعبیرات کا استعمال ہوا ہے جس میں مرد و عورت برابر

سے شریک ہیں یہ اس بات کی کھلی ہوئی دلیل ہے کہ اسلام جس طرح ایک مرد کو انسان مانتا ہے اسی طرح ایک عورت کو بھی انسان مانتا ہے۔اسی بنا پر اجر وثواب اور جزاوسزا میں دونوں کو مساوی رکھتا ہے۔

قرآن کریم عورت ومرد کی حقیقتِ خلقت میں کسی قسم کے فرق کا قائل نہیں ہے بلکہ ہر ایک کی ذمہ داریوں پر اعتماد کرتا ہے اور ہر ایک کے فرائض کے سلسلہ میں جداگانہ بحث کرتا ہے۔اگر ہم وجود ہستی میں دل کی آنکھوں سے دیکھیں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ مادیات ومجردات اپنی خاص ذمہ داریوں کے ساتھ الگ الگ مراتب رکھتے ہیں۔

سورہ نساء کی آیت ۱ میں خداوند عالم کا ارشاد ہے:

''اے لوگو ڈرو اس خدا سے کہ جس نے تم کو ایک جان سے پیدا
کیا اور اس کے ہمسر کو اس کی جنس سے خلق کیا اور اس جوڑے
سے بہت مرد وعورت کو وجود بخشا''

مذکورہ آیت کی روشنی میں یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ مرد وعورت کی اصل خلقت میں کوئی فرق نہیں ہے اور ان کی خلقت ایک گوہر سے ہے اور تمام عورت ومرد کا مبدا ایک ہے۔

اسی طرح جس جگہ پر رحم مادر میں تخلیق انسان کی تفصیلات کا ذکر ہے وہاں تمام مراحل خلقت کو عام بیان کیا ہے چنانچہ سورہ مومنون میں ارشاد ہوتا ہے:

''یقیناً ہم نے انسان کو خالص مٹی سے خلق کیا ہے پھر ہم نے
اس کو نطفہ بنایا اور مضبوط جگہ (رحم مادر میں) اس کو قرار دیا۔ پھر
ہم نے نطفہ کو علقہ (جما ہوا خون) اور پھر علقہ کو مضغہ (گوشت کا
ٹکڑا) بنایا پھر ہم نے اس کو ہڈی میں تبدیل کیا اور اس کے بعد
ان ہڈیوں پر گوشت چڑھایا اور پھر اس کو ایک دوسری مخلوق (مرد
یا عورت) بنایا، پس بابرکت ہے وہ خدا جو بہترین خلق کرنے
والا ہے'' (۱۷۰)

اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ خلقت انسان مرد ہو یا عورت اس میں کسی قسم کا کوئی فرق نہیں ہے اور تمام مراحل تخلیق سب کے لئے یکساں ہیں جسے مرد، عورت دونوں برابر سے طے کرتے ہیں البتہ جسمانی اعتبار سے دونوں میں فرق ہے اور خلقت کا حسن اسی فرق میں مضمر ہیں۔ پہلا فرق مرد وعورت کا جسم کے اعتبار سے ہے کہ دونوں کا جسم اس پر عائد کی گئی ذمہ داریوں کے مطابق ہے اور دوسرا فرق نفسانی ہے کہ جو ان کی فطرت کے اعتبار سے ان کے اندر رکھا گیا ہے۔ (۱۷۱)

لہٰذا قرآنی نقطہ نظر سے مرد وعورت دونوں انسان ہونے میں ایک ہیں اور دونوں میں اس اعتبار سے کوئی فرق نہیں ہے۔ دونوں کے جسمانی اور روحانی خصوصیات الگ ہونے کی وجہ سے ان کے فرائض وذمہ داریاں بھی الگ الگ ہیں اور یہ

کہنا کہ ان کے درمیان کالے گورے جیسا فرق ہے یہ غلط ہے بلکہ دونوں کے جسمانی ساخت وساز، اورنفسیات، احساسات وجذبات فرق کرتے ہیں۔

☆اشترا کی تانیثیت کا ایک نظریہ یہ ہے کہ:

''عورت کی محرومی کی اصل وجہ کچھ تو مردسالاری نظام ہے اور کچھ سرمایہ دارانہ نظام اور کچھ دونوں مل کر وجہ بنتے ہیں''

گذشتہ بحثوں میں ہم بیان کرآئے ہیں کہ حریت پسند تانیثی نظریہ کا ماننا ہے کہ دنیا میں رائج مردسالاری نظام عورتوں کی محرومی کا باعث ہے جہاں مردوں کی حکومت ہے اور عورت کو ثانوں حیثیت حاصل ہے اور انھیں تمام حقوق انسانی سے محروم رکھا گیا ہے۔اس طرح مارکسی تانیثیت کا یہ ماننا ہے کہ سرمایہ دارانہ نظام عورتوں کی محرومیت کا باعث ہے جہاں مزدوروں کو ان کے کام کی صحیح اجرت نہیں دی جاتی اور ان کی محنت کا ثمر سرمایہ داروں کو ملتا ہے اور اس طرح عورت سرمایہ دارانہ نظام میں محرومیتوں کا شکار ہوتی ہیں۔اب اشترا کی تانیثیت اس بات کی قائل ہے کہ یہ دونوں نظام علیٰحدہ یا مل کر عورتوں کی محرومی کا سبب ہیں۔

ہم نے وہاں اس بات کو ثابت کیا ہے کہ اسلام میں مردسالاری یا زن سالاری کا کوئی تصور نہیں ہے اسلام جس نظام کی تاکید اور تائید کرتا ہے وہ نظام عدل ہے چاہے اس کی سالار عورت ہو یا مرد ہو۔لہٰذا گر سماج میں عدل حاکم ہوگا تو سالار کوئی بھی ہو نظام عدل میں کوئی محروم نہیں رہے گا۔عورت ہو یا مرد، دنیا کے سماج میں رائج نظام (جس کو مردسالاری کہا جاتا ہے) اسلام کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

رہی بات سرمایہ درانہ نظام کی تو ہم نے اسی باب میں اس بات کو واضح کیا ہے کہ اسلامی نقطہ نظر سے مرد اور عورت دونوں حق ملکیت رکھتے ہیں اور اسی حق ملکیت کے تحت وہ اپنے مال میں حق تصرف بھی رکھتے ہیں اور قرآن نے اعلان کردیا ہے کہ:

''مرد جو کچھ کمائے وہ اس کا مالک ہے اور عورت کچھ کمائے وہ
اس کی مالک ہے''(۱۷۲)

اس طرح اسلام عورت ومرد ہر ایک کو حق ملکیت دیتا ہے اور ساتھ میں ذخیرہ اندوزی اور احتکار کو منع کر کے نظام سرمایہ داری کی نفی کرتا ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے کہ:

''جو لوگ سونا چاندی ذخیرہ کرتے ہیں اور اسے اللہ کی راہ میں
خرچ نہیں کرتے انھیں دردناک عذاب کی خبر دو''(۱۷۳)

اس کے علاوہ اور بہت سی آیات ہیں جو مال کو ذخیرہ کرنے کی منع کرتی ہیں گویا سرمایہ دارانہ نظام سے منع کرتی ہیں یہی نہیں اسلامی قانون اقتصاد میں سودخوری، ملاوٹ، دھوکا دھڑی، کسی چیز کو اسکی معمولی قیمت سے زیادہ میں بیچنا وغیرہ کو سختی

سے منع کیا گیا ہے۔ دوسری طرف امانتداری، جائز خرید وفرخت، فقراء ومساکین کی خبر گیری کی نہ صرف یہ کہ از حد تاکید کی گئی ہے بلکہ ایک معین مقدار میں مال کے کچھ حصہ کوزکوٰۃ کے عنوان سے ادا کرنے کو واجب بھی قرار دیا گیا ہے اور اس کو اس قدر اہمیت دی گئی ہے کہ قرآن کریم میں اکثر مقام پر نماز کے ساتھ فوراً زکوٰۃ کا ذکر ہے۔ اس سے اس کی اہمیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ جو چیز بقول رسول اکرم ﷺ کے دین کا ستون (نماز) ہے اس کے ساتھ زکوٰۃ کا ذکر فوراً ہے چنانچہ لفظ زکات قرآن کریم میں ۳۱ رمرتبہ ذکر ہوا ہے۔ جہاں فقراء کوزکوٰۃ ادا کرنے کی بات کی گئی ہے۔ لہٰذا اسلام میں سرمایہ داری اس عنوان سے کہ ایک شخص مال کو جمع کر کے رکھے رہے اور دوسرا غربت کی مار جھیلتا رہے ہرگز ممنوع ہے۔ اسلامی سیاست اس بات کی ہرگز اجازت نہیں دیتی اور اس سلسلہ میں مرد وعورت کی کوئی قید نہیں ہے۔

علمائے اسلام نے اقتصاد پر بہت ساری کتابیں اور مقالے تحریر کئے ہیں جن میں مذکورہ باتوں کی وضاحت تفصیل سے کی گئی ہے۔

لہٰذا اسلام اس بات کو قبول کرتا ہے کہ وہ سرمایہ دارانہ نظام جس میں کام کرنے والے کو اس کی صحیح اجرت نہ دی جائے، مزدوروں کا استحصال کیا جائے، غرباء وفقراء کا خیال نہ رکھا جائے، مال کی ذخیرہ اندوزی کر کے دوسروں کو محروم کیا جائے، ایسا نظام نہ صرف یہ کہ عورتوں بلکہ مردوں کی بھی محرومی کا سبب ہے اور اسلام ایسے نظام کی ہرگز تائید نہیں کرتا۔ اور واضح رہے کہ ایسا نظام انسانوں نے خود بنایا ہے اسلامی نظام نہ ہی اس کی تائید کرتا ہے اور نہ اس کا ایسے نظام سے کوئی تعلق ہے۔

☆ اشتراکی تانیثیت کا نظریہ ہے کہ:

''شادی ایک فطری عمل نہیں ہے بلکہ اس کو بنایا گیا ہے۔ البتہ اس کی مخالفت نہیں کی جا سکتی''

ہم اسی باب کی پچھلی فصل میں شادی کے سلسلہ میں سیر حاصل بحث کر آئے ہیں جہاں انتہا پسندوں کا یہ ماننا تھا کہ شادی کو عورت پر تحمیل کیا گیا ہے۔ عورت پر برتری حاصل کرنے کے لئے۔ ہم دوبارہ ان تفصیلات میں نہیں جانا چاہتے لیکن یہ کہنا کہ شادی ایک فطری عمل نہیں ہے کہاں تک صحیح ہے؟ خداوند عالم نے انسان کی فطرت کو اس طرح بنایا ہے کہ اس کے اندر کچھ خواہشات (احساسات) کو رکھا ہے جس کی وہ ضرورت محسوس کرتا ہے اور پھر اس کو پوری کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ مثلاً بھوک کا احساس ہے کہ جب اس کو بھوک لگتی ہے تو وہ اپنی بھوک مٹانے کی تدبیر کرتا ہے۔ اسی طرح جب اس کو پیاس لگتی ہے تو وہ پیاس بجھانے کی کوشش کرتا ہے، یا جب سردی کا احساس کرتا ہے تو اس سے دفاع کے لئے تدابیر کرتا ہے، گرمی سے بچنے کیلئے ہوا کا انتظام کرتا ہے وغیرہ تو کیا ہم کہہ سکتے ہیں کہ کھانا پکانا، ٹھنڈے پانی کا مہیا کرنا، گرم کپڑے یا آگ کے ذریعہ سردی سے بچنے کی کوشش کرنا یہ فطری عمل نہیں ہے یا اس کا فطرت سے کوئی تعلق نہیں ہے؟ یقیناً یہ ایک فطری عمل ہے اس لئے کہ اس کے ذریعہ فطرت کے تقاضوں کو پورا کیا جا رہا ہے۔

اسی طرح جنسی خواہش کی تسکین بھی ایک فطری تقاضا ہے جس تقاضے کو پورا کرنے کیلئے شادی کی جاتی ہے (البتہ

یہ بات واضح رہے کہ شادی صرف جنسی تسکین کی تکمیل کے لئے نہیں ہوتی اس کے اور بہت سے فوائد اور مصالح ہیں جن کو پہلے ذکر کیا جا چکا ہے) لہٰذا جنسی خواہش چونکہ فطری ہے اس لئے شادی بھی ایک فطری عمل ہے جس کے ذریعہ مرد اور عورت دونوں کے فطری تقاضے کی تکمیل ہوتی ہے۔ یہ اور بات ہے کہ دنیا کی ہر قوم وملت میں مختلف رسومات ورواج کے ذریعہ اور مختلف طریقوں سے اس کام کو انجام دیا جاتا ہے اور خاص طریقہ سے خاص رسم ورواج کے ساتھ اس کو اس لئے انجام دیا جاتا ہے تاکہ سماج نظام خانوادہ کے ذریعہ محفوظ اور پاک وصاف رہے اور جنسی بے راہ روی کا شکار نہ ہونے پائے۔ ساتھ ہی خاندان اور نسل کا تشخص محفوظ رہے۔

اسلامی نقطہ نظر سے شادی (نکاح) وہ مقدس بندھن ہے جو ایک خاص صیغہ یا خاص رسم ورواج کے ذریعہ ایک مرد وعورت کے درمیان قرار پاتا ہے جس کے ساتھ ہی کچھ فرائض اور وظائف مرد وعورت دونوں پر عائد ہو جاتے ہیں اور یہ انسانوں کا نہیں بلکہ خالق کائنات کا بنایا ہوا قانون ہے۔ چنانچہ خداوند عالم سب سے پہلے انسان یعنی حضرت آدم علیہ السلام کو جب پہلا خطاب کیا تو فرمایا:

''اے آدم تم اور تمہاری زوجہ جنت میں رہو''

یعنی روز اول سے ہی زوجیت کا تصور پیش کر کے یہ بات واضح کر دی کہ یہ ایک فطری عمل ہے۔ اگر چہ دور حاضر میں پوری دنیا میں ایسی لہر چل رہی ہے جس سے لوگوں میں شادی کی مخالفت کا جذبہ پیدا ہو رہا ہے۔ جس کے بہت سے اسباب ہیں۔ کہیں جنسی بے راہ روی کی وجہ سے شادیوں کی مخالفت ہو رہی ہے تاکہ آزاد مرد اپنی شہوت کی آگ کو آزادانہ طریقہ سے بجھا سکیں اور کسی بھی ذمہ داری اور فرض کے متحمل بھی نہ ہوں، تو کہیں عورت پر مرد کا تسلط اور حکومت ہے اور عورت مرد کی محکوم بن جاتی ہے لہٰذا عورت کو آزاد رہنے کے لئے شادی نہیں کرنی چاہئے۔

جن سماجوں میں شادی رائج ہے اور وہاں ابھی اس قدر بے غیرتی نہیں پھیلی ہے کہ انسان جہاں چاہے اور جس عورت کے ذریعہ چاہے اپنی شہوت کی آگ بجھالے وہاں شادی کے شرائط کو روز بروز اس قدر سخت کیا جا رہا ہے کہ لوگ شادی کے نام سے خوفزدہ ہونے لگے ہیں۔ کہیں یہ مصیبت مرد پر پڑتی ہے تو کہیں عورت پر۔ ہم یہاں اس باب کو نہیں کھولنا چاہتے اس لئے کہ یہ ہماری بحث سے خارج ہے لیکن خلاصہ یہ ہے کہ بعض ممالک میں مرد کو اگر شادی کرنا ہے تو وہ اپنی زوجہ کی مہر اور زندگی کے ساز وسامان کے لئے سرمایہ اکٹھا کرے اور اس قدر اکٹھا کرے کہ وہ شادی کر کے ازدواجی زندگی گزار سکے اور یہ مسئلہ اس قدر سخت ہو گیا ہے کہ بعض مرد سرمایہ اکٹھا کرتے کرتے جوانی کی دہلیز سے پار ہو جاتے ہیں اور شادی اور ایک ازدواجی زندگی کی خواہش ان کے اندر مردہ ہو کر رہ جاتی ہے۔

اس کے برخلاف بعض ممالک میں عورت کو شادی کرنے کے لئے کثیر رقم اور جہیز مہیا کرنا پڑتا ہے اور ازدواجی زندگی گزارنے کے لئے اسے کافی دولت اور جہیز کی ضرورت ہوتی ہے جس کو مہیا کرنے کے لئے والدین اپنا سب کچھ قربان کرنے کو تیار رہتے ہیں لیکن بعض لڑکیاں اس دولت وجہیز کا انتظام نہ ہو پانے کی وجہ سے اپنی تمام خواہشات، احساسات،

جذبات کو اپنے سینے میں دفن کر دیتی ہیں اور ازدواجی زندگی کی آرزو لے کر چلی جاتی ہیں۔

البتہ دونوں طریقے اسلام کے نقطہ نظر سے غلط ہیں اسلام نے جو طریقہ بتایا ہے وہ اس قدر آسان ہے کہ ہر مرد و عورت شادی کر کے اپنی زندگی گزار سکتا ہے لیکن لوگوں نے اس کو مشکل بنا دیا ہے تو اس میں اسلام کا کیا قصور ہے۔

☆اشتراکی تانیثیت کا ایک نظریہ یہ ہے کہ:

''شادی میں خانوادہ کی تشکیل کے لئے دونوں طرف سے مساوی شرائط رکھے جائیں''

جیسا کہ ہم نے پہلے ذکر کیا شادی ایک مقدس بندھن ہے جس کے ذریعہ ایک خاص مرد ایک خاص عورت سے منسوب ہو جاتا ہے اور ازدواجی زندگی گزار سکتا ہے۔ اور چونکہ شادی کے ذریعہ مرد و عورت دونوں ایک نئی اور مشترک زندگی کا آغاز کرتے ہیں اس لئے دونوں پر ہی فرائض و وظائف عاید ہوتے ہیں۔ اب جبکہ یہ دونوں ایک نئی زندگی کا آغاز کر رہے ہوتے ہیں تو اس وقت (یعنی نکاح کے وقت) اور اس وقت سے پہلے دونوں کو اسلام پوری آزادی دیتا ہے۔

یعنی ہمسفر کے انتخاب کی آزادی کہ مرد آزاد ہے جس عورت کا چاہے انتخاب کرے اور اسی طرح عورت آزاد ہے کہ اپنی ازدواجی زندگی کے لئے جس مرد کا چاہے انتخاب کرے یا کسی کے انتخاب پر رضامندی کا اظہار کرے جب دونوں کو انتخاب میں آزادی مل چکی ہے تو اب اس نئی زندگی شروع کرتے وقت میں دونوں آزاد ہیں کہ وقت نکاح شرطیں رکھ سکتے ہیں چنانچہ فقہ جعفری میں ہے کہ:

''انسان چاہے مرد ہو یا عورت نکاح کے وقت جائز چیزوں کی شرط رکھ سکتا ہے۔ اور اگر شرط رکھ دی گئی ہے تو چاہے وہ شرط مرد یا عورت کسی کے بھی خلاف ہی کیوں نہ ہو اس کے اوپر اس شرط کا پورا کرنا واجب ہے۔ اس شرط کے ساتھ کہ اس نے اس شرط کو قبول کر لیا ہو۔ جیسا کہ ہم نے کہا کہ نکاح کے ساتھ کی گئی شرط شرعی اور جائز ہونی چاہئے۔ اسی لئے امام خمینی نے صراحت کی ہے کہ:

> ''اگر کوئی نکاح کے وقت ایسی چیز کی شرط کرے جو خلاف شرع ہو تو شرط باطل ہے۔ مثلاً عورت شرط کرے کہ شوہر اسے کبھی بھی گھر سے باہر نکلنے سے منع نہ کرے یا شوہر دوسری بیوی کے ہم خوابی کے حق کی رعایت نہ کرے یا یہ کہ وہ دوسری شادی نہ کرے تو یہ شرط باطل ہے اس لئے کہ یہ خلاف شرع ہے''(۱۷۴)

واضح رہے کہ حکم کلی تمام اسلامی فرقوں میں یکساں ہے یعنی ''وہ شرطیں جو خلاف شرع ہیں وہ نکاح کے ضمن میں نہیں کی جاسکتیں''

اگر چہ ان کے بعض مصادیق میں اختلاف ہے۔ لیکن اتنا تو طے ہیں کہ اسلام شادی کے وقت مرد اور عورت دونوں

کو شرطیں رکھنے کی اجازت دیتا ہے لیکن ایسی ہی شرطیں جو قانون اسلام کے خلاف نہ ہوں۔ رہی بات مساوی شرط کی جس کا اشتراکی تانیثیت نے ذکر کیا ہے تو اس سے کیا مراد ہے؟

اگر مساوی شرط سے کوئی ایسی چیزیں مراد ہیں جن سے مرد یا عورت اور کسی اور کا حق ضائع ہو رہا ہے تو عقل یہ کہتی ہے کہ ایسے شروط نہیں ہونے چاہئے جس سے کسی کا حق ضائع ہو۔ یا جس سے کسی کو کسی قسم کی محرومی کا شکار ہونا پڑے یا استحصال اور جبر کی صورت پیش آئے، چاہے مرد کے ساتھ ہو یا عورت کے ساتھ۔ بلکہ ایسی شرطیں ہوں جن سے مرد یا عورت کو کسی قسم کی مشکل نہ پیش آئے اور ازدواجی زندگی کو برباد نہ کردے۔

ہاں اسلام کی رو سے شادی کے وقت جو شرط بھی شرعی و عقلی ہو رکھی گئی ہے اور مرد یا عورت اس کو قبول بھی کیا ہے تو اس کو پورا کرنا واجب ہے ورنہ شرط توڑنے والا گناہ گار ہوگا اگر چہ عقد صحیح ہے اور نکاح باطل نہیں ہوگا۔ اس طرح اسلام شادی میں شرطیں رکھنے کی اجازت بھی دیتا ہے اور ساتھ ہی اگر شرطیں رکھی گئی ہیں تو ان کو پورا کرنے کو واجب بھی قرار دیتا ہے۔ لیکن شرطوں کو اسلامی قوانین کے منافی نہیں ہونا چاہئے۔

اشتراکی تانیثیت کے حامی اگر اسلام کے مسائل ازدواج کا غور سے مطالعہ کریں گے تو انھیں معلوم ہوگا کہ جس چیز کا آج وہ مطالبہ کررہے ہیں اسلام نے چودہ صدیوں پہلے مسلمانوں کو وہ حق دے دیا ہے اور اس پر پابند بھی ہے۔ لیکن اسلام مسلمانوں کے عمل کا ذمہ دار نہیں ہے۔

☆ اشتراکی تانیثیت کا ایک نظریہ ہے کہ:

''موجودہ مرد سالاری نظام میں اصلاح کی جائے تاکہ عورت کو اس کا حق مل سکے''

اشتراکی تانیثیت کے اس نظریہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ مرد سالاری نظام کی مخالفت نہیں کرتا بلکہ اس نظام کو قبول کرتے ہوئے اس میں اصلاح کی بات کرتا ہے۔

اسی باب میں ہم مرد سالاری نظام کے سلسلہ میں گفتگو کرآئے ہیں جہاں ہم نے اس بات کو واضح کیا ہے کہ اسلام کسی سالاری کی وکالت نہیں کرتا۔ نہ مرد سالاری کی اور نہ زن سالاری کی، بلکہ اسلام جس نظام کی وکالت اور حمایت کرتا ہے وہ عدل سالاری ہے۔ چنانچہ جو خرابیاں اور نقائص مرد سالاری نظام میں پائے جاتے ہیں وہی نقائص اور خرابیاں زن سالاری نظام میں بھی پائے جاسکتے ہیں لہٰذا اگر کوئی زن سالاری نظام کا مطالبہ کرتا ہے تو اس کو بھی اس بات کا دھیان رکھنا چاہئے کہ زن سالاری نظام میں مرد محرومیت اور ظلم وستم کا شکار نہ ہو۔

لہٰذا ہم اپنی بات پھر یہاں دہراتے ہیں کہ سب سے اعلی وافضل نظام عدل سالاری کا ہے چاہے اس کا سالار مرد ہو یا عورت۔ عدالت کی بنیادوں پر قوانین مرتب کئے جائیں گے تو کوئی صنف بشر ظلم وستم اور محرمیت کا شکار نہیں ہوگا۔ اسی لئے اسلام نظام عدل کا حامی ہے اور اسی کی وکالت کرتا ہے۔

۵۔اسلامی تانیثیت کے اہم نظریات

ا۔سماج میں عورتوں پر ہونے والے ظلم وستم اور عدم مساوات کی اصل وجہ غلط رسومات ورواج اوراسلام کی غلط تفسیر وتبیین ہے

۲۔دین کو تانیثی نظریہ کے ساتھ پڑھا جانا چاہئے اوراس کو زنانہ طور پر پیش کیا جانا چاہئے تا کہ اس طرح تانیثی تعلیمات کو بنا کسی مخالفت کے دین کے قوانین کے ساتھ پیش کیا جاسکے۔

۳۔قوانین اسلام کواس طرح تجزیہ وتحلیل کیا جانا چاہئے کہ جس کا نتیجہ عورت اور مرد کے حقوق میں مشابہت ہو۔

۴۔فقاہتی اسلام،مرد سالاری اسلام ہے اور چونکہ تمام فقہاء مرد ہیں اس لئے دین کا بیان مردانہ ہے اسی وجہ سے میراث،دیت،شہادت(گواہی)اور خانوادہ کے مسائل میں عدم مساوات ہے۔

۵۔احکام کے استنباط میں نیا طریقہ اپنایا جانا چاہئے۔

۶۔آج کا اسلام حقیقی اسلام نہیں ہے۔

۷۔اجتماعی روابط کی بنیاد سماج ہے اس میں دین کی کوئی دخالت نہیں ہونی چاہئے۔

۸۔صدر اسلام میں حجاب۔بدکار عورتوں سے پاکدامن عورتوں کو الگ کرنے اور شناخت کا ذریعہ تھا۔اب اس کی ضرورت نہیں ہے۔(۱۷۵)

۹۔اسلام کی کوئی بھی توجیہ وقرائت مرد وعورت کے درمیان مساوات کو ظاہر نہیں کرتی۔

۱۰۔ہمیں چاہئے کہ اجتہادی طریقوں سے مرد سالاری طریقہ کو ختم کریں۔

۱۱۔عورت ومرد کے درمیان جنسی فرق کی بنیاد پر حقوق میں فرق نہیں ہونا چاہئے۔(۱۷۶)

۵۔اسلامی تانیثیت:

اٹھارہویں صدی سے آزادی نسواں کی اٹھنے والی آواز نے انیسویں صدی کے اواخر تک مختلف ادوار وحالات کا سامنا کیا۔اس درمیان اس تحریک نے اپنا نیا نام اور تشخص حاصل کیا اور انیسویں صدی کے ختم ہوتے ہوتے تانیثیت فمینزم کا ایک مستحکم وجود عالمی پیمانہ پر ہوگیا اور کافی حد تک یہ تحریک اپنے مقصد میں کامیاب رہی جس کی تفصیلات ہم پچھلے صفحات پر درج کر آئے ہیں۔

تانیثی تحریکوں نے پوری دنیا میں تمام ممالک پر اپنا اثر چھوڑا اور ہر قوم وملت کے افراد کو متاثر کیا چنانچہ 1979ء میں ایران کے اسلامی انقلاب کے بعد پوری دنیا میں ایک ہل چل مچی اور اس انقلاب کے موافقین اور مخالفین نے اپنے اپنے اعتبار سے اپنی فعالیت شروع کردی۔انقلاب اسلامی کے مخالفین جو ایران چھوڑ کر دوسرے ممالک میں چلے گئے اور انھوں نے باہر رہ کر انقلاب اسلامی ایران کے خلاف کام کیا،مگر کسی طرح کی کامیابی انھیں حاصل نہیں ہوئی۔اسلامی تانیثیت کا نظریہ پیش کرنے والے عام طور پر یہی لوگ ہیں۔

تقریباً دو دہائی قبل یہ نظریہ سامنے آیا اس لئے اس کا شمار جدید تانیثی نظریات میں ہوتا ہے اس نظریہ کی حمایت کرنے والے افراد پوسٹ ماڈرن تانیثیت سے متاثر ہوکر اس بات کی کوشش کرتے ہیں کہ خواتین کے مسائل کو ایک خاص زاویہ سے پوسٹ ماڈرن تانیثیت سے ملا کر پیش کریں،تاکہ مسلمانوں میں کسی بھی حساسیت کے بغیر اپنے تانیثی نظریات کو رائج کردیں۔

اسلامی ممالک میں اس نظریہ کی حمایت کرنے والے بڑی تیزی کے ساتھ پیدا ہوگئے اور بہت جلد ہی عالمی سطح پر اس نے اپنا ایک مقام بنالیا۔اسلامی فمینسٹ اسلام کے ایک خاص بیان کا دعوی کرتے ہیں۔

☆اسلامی تانیثیت کا ماننا ہے کہ:

''سماج میں عورتوں پر ہونے والے ظلم وستم اور عدم مساوات کی اصل،وجہ غلط رسم ورواج اور اسلام کی غلط تفسیر وتبیین ہے''

سماج میں رائج رسم ورواج تمام اقوام وملل اور تمام ادیان ومذاہب میں مختلف ہیں۔ چنانچہ مسلمانوں کے رسم ورواج مختلف ممالک اور مختلف اسلامی مذاہب میں الگ ہیں بلکہ ایک ہی ملک کے مختلف علاقوں میں الگ الگ رسومات ہیں۔اسی طرح مختلف مواقع پر مختلف رسمیں ہیں کہ اگر ان رسومات کے لئے ایک دائرۃ المعارف تیار کیا جائے تو کئی جلدیں بھی ناکافی ہوں گی۔ہم اگر دیگر ممالک اور دیگر مذاہب سے صرف نظر کریں تو صرف ہندوستان کے مختلف علاقوں اور

مختلف اسلامی مذاہب میں اتنی رسمیں ہیں کہ جن کو شمار نہیں کیا جا سکتا۔

بچہ کی پیدائش پر لڑکا ہو تو الگ رسم ہے اور لڑکی ہو تو الگ، مغربی ہندوستان میں الگ ہے، تو مشرقی ہند میں الگ، جنوب وشمال کی رسمیں بھی جدا ہیں۔ یہی نہیں بلکہ ایک ہی ریاست میں ایک علاقہ میں الگ ہے اور دوسرے علاقہ میں الگ، شادی بیاہ کی رسمیں تو الامان والحفیظ، اس قدر ہیں کہ اگر ایک کتاب مرتب کی جائے تو اس کی کئی مجلدات درکار ہوں گی۔ اسی طرح موت کے وقت اور مرنے کے بعد بے پناہ رسمیں ہیں اور یہ سب کچھ اس طرح کہ اگر یہ کہا جائے کہ آج کا مسلمان اپنے بنائے ہوئے رسومات سے زیادہ آشنا اور اس پر زیادہ سختی سے پابند ہے بنسبت اسلامی قوانین کے تو ہرگز غلط نہ ہوگا، یہ ایک ایسا موضوع ہے جس پر تفصیلی مضمون درکار ہے لیکن ہم یہاں صرف اس بات کی طرف اشارہ کریں گے کہ اسلام کا ان رسومات سے کیا تعلق ہے؟ ان میں سے کتنے رسومات اسلام نے بنائے ہیں؟ ان میں سے کتنی رسومات کو اسلام جائز اور کتنے کو ناجائز قرار دیتا ہے؟ ان تمام سوالوں کا اسلام کے پاس ایک جواب ہے۔

اسلام نے اجتماعی زندگی گزارنے کے لئے اصول وقواعد مقرر کئے ہیں اور ایک شریعت بنائی ہے لہٰذا جو رسومات ان قوانین کے برخلاف ہیں اسلام ان کی اجازت نہیں دیتا، چنانچہ جو رسمیں بھی اسلامی سماج میں رائج ہیں انھیں اسلامی معیار پر پرکھنا چاہئے کہ اگر وہ اسلامی قوانین کے خلاف ہیں تو اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا لیکن اگر ان سے قوانین اسلام پامال نہیں ہورہے ہیں، کسی قسم کے فعل حرام کا ارتکاب نہیں ہورہا ہے یا کسی کا حق ضائع نہیں ہورہا ہے تو اسلام اس کو مباح قرار دیتا ہے اور منع نہیں کرتا ہے۔ رہی بات یہ کہ رسومات عورتوں پر ظلم وستم اور عدم مساوات کا سبب بنتے ہیں تو سوال یہ ہے کہ یہ رسمیں کس نے بنائی ہیں؟ اگر اسلام نے بنائی ہیں تو اس کا ذمہ دار اسلام ہے لیکن اگر اسلام نے یہ رسمیں نہیں بنائی ہیں تو اسلام اس کے لئے جوابدہ نہیں ہے۔ لہٰذا یہ شکایت اسی سماج سے کی جانی چاہئے جس نے ان رسومات کو جنم دیا ہے اور اگر اسی سماجی رسومات کے ذریعہ عورت پر ظلم ہورہا ہے یا عدم مساوات کا مسئلہ سامنے آرہا ہے تو اسلام ان رسومات سے سختی سے منع کرتا ہے اور ان کی اجازت نہیں دیتا۔

لہٰذا اسلامی فیمنسٹوں کو چاہئے کہ ان رسومات کے ذریعہ عورتوں پر ہونے والے ظلم وستم اور عدم مساوات کا ذمہ دار اسلام کو نہ ٹھہراتے ہوئے اس کی شکایت اس سماج سے کریں جس نے ان کو بنایا ہے۔

رہی بات اسلام کی غلط تفسیر وتبیین کی۔ تو اسلام کے پاس دو بڑے ماخذ ہیں، ایک قرآن کریم ہے اور دوسرے احادیث ان کی تشریح وتبیین کا کام حضور اکرم ﷺ کے ذمہ تھا اور آپ کے بعد آپ کے جانشینوں کا اور پھر ان کے بعد علماء کا لہٰذا جب بھی اسلام کی تفسیر قرآن وحدیث کی روشنی میں ہوگی تو اس میں یہ بات طے ہے کہ کسی پر ظلم وستم نہیں ہوگا اور اگر ظلم وستم ہورہا ہے تو یقیناً غلط تفسیر ہے۔ چنانچہ خداوند عالم نے قرآن مجید میں بارہا اس بات کی تکرار کی ہے وہ کسی پر ظلم نہیں کرتا اور نہ ہی ظالمین کو پسند کرتا ہے۔

''بیشک خداوند عالم ایک ذرہ برابر بھی ظلم نہیں کرتا'' (سورہ نساء، آیت ۴۰)

''اللہ تعالیٰ لوگوں پر تھوڑا سا بھی ظلم نہیں کرتا'' (سورہ یونس، آیت/۴۴)

''اور اللہ ظلم کرنے والے کو پسند نہیں کرتا'' (سورہ آل عمران، آیت/۵۱)

بنابریں اگر کوئی تفسیر و تبیین ظلم کا باعث ہے تو خداوند متعال کے قانون کے برخلاف ہے۔ البتہ یہ بات واضح رہے کہ بعض اوقات ہم بعض چیزوں کو غلط سمجھتے ہیں حالانکہ حکمت الٰہی اس میں کارگر ہوتی ہے اور دراصل وہ ہمارے نفع میں ہوتی ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔

''بسا اوقات تم کسی چیز کو ناپسند کرتے ہو حالانکہ وہ تمہارے لئے
بہتر ہوتی ہے اور کبھی کبھی تم کسی چیز کو پسند کرتے ہو حالانکہ وہ
تمہارے لئے بری ہوتی ہے اور اللہ (تمہاری اچھائی و برائی
کو) جانتا ہے تم نہیں جانتے'' (۱۷۷)

لہٰذا ہم میں اپنی محدود فکر و فہم و عقل کے ذریعہ قانون الٰہی پر اعتراض کرنے کا حق نہیں ہے۔ شاید ہماری سمجھ میں کمی ہو۔

☆ اسلامی فمینسٹوں کا نظریہ ہے کہ:

''دین کی تانیثی نظریہ کے ساتھ قرائت ہونی چاہئے اور اس کو زنانہ طور پر پیش کیا جانا چاہئے تا کہ اس طرح تانیثی تعلیمات کو بنا کسی مخالفت کے دین کے قوانین کے ساتھ پیش کیا جا سکے''

دین ایک مستحکم قانون ہے اور خاص طور سے یہ آخری شریعت جو ہمارے آخری نبی کی لائی ہوئی ہے اور اس کا امتیاز یہ ہے کہ یہ آخری دین ہے اور اس کے قوانین قیامت تک کے لئے ہیں اور ایسے ہیں کہ اس میں تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ روایت میں ہے کہ:

''حضور اکرم ﷺ کی شریعت کا حلال قیامت تک کے لئے حلال ہے اور آپ کی شریعت کا حرام قیامت تک کے لئے حرام ہے''

لہٰذا حلال و حرام طے ہیں۔ یہ بھی طے ہے کہ اسلام میں خداوند عالم نے قوانین، مرد و عورت کی خلقت و فطرت کے تقاضوں کو مدنظر رکھ کر کچھ اس طرح سے بنائے ہیں کہ کسی کی حق تلفی نہ ہو اور اگر اسلامی آئین کی کتاب قرآن کریم کا تانیثی نظریہ سے مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ قرآن کریم میں عورت اور مرد کے درمیان کسی قسم کا فرق نہیں رکھا گیا ہے۔ اور دونوں کی وجودی اہمیت یکساں ہے اور ان میں سے کوئی بھی ذاتی طور پر بدبختی کی وجہ یا گناہ کا سبب نہیں ہیں بلکہ ان کے وجود میں کسی قسم کا کوئی نقص نہیں ہے ان کو بہترین خلقت کے ساتھ پیدا کیا گیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

''خداوند عالم نے ہر چیز کو اس کے وجود کے ساتھ جو کچھ ضروری تھا اس کے ساتھ خلق کیا اور اس کی ہدایت کی''۔

لہٰذا عورت کے وجود کو جن چیزوں کی ضرورت تھی اس کے ساتھ اور مرد کے وجود کو جن چیزوں کی ضرورت تھی اس

کے ساتھ خلق کیا اور کسی میں کوئی نقص نہیں رکھا چنانچہ ایک اور مقام پر ارشاد ہوتا ہے:

''یقیناً انسان کو بہترین اور خوبصورت ترین کیفیت و مراتب کے
ساتھ ہم نے خلق کیا'' (۱۷۸)

اور انسان ہونے کے اعتبار سے مرد و عورت میں کوئی فرق نہیں ہے۔

اس طرح عورت اور مرد کے درمیان استقلال و اختیار میں کوئی فرق نہیں ہے۔ عورت بھی مرد کی طرح ایک مستقل وجود رکھتی ہے اور ان کے درمیان اگر کوئی چیز برتری کا سبب ہے تو وہ ہے تقویٰ اور پرہیز گاری جو کسی صنف سے مخصوص نہیں ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

''اے لوگو ہم نے تم کو مذکر اور مونث سے خلق کیا اور تمہیں
خاندانوں اور قبیلوں میں قرار دیا تا کہ تمہاری پہچان رہے یقیناً
خدا کے نزدیک تم میں وہ برتر ہے جو زیادہ تقویٰ
رکھتا ہے'' (۱۷۹)

اور ایک مقام پر ارشاد ہوتا ہے کہ:

''میں کسی عمل کرنے والے کے عمل (کے اجر) کو ضائع نہیں
کرتا چاہے وہ مرد ہو یا عورت'' (۱۸۰)

اس آیت میں اس بات کی وضاحت ہے کہ عورت و مرد دونوں اپنے وجود میں مستقل ہیں اور ہر عمل کرنے والا اپنے عمل کے اجر کو پائے گا بنا کسی فرق کے۔ اس آیت میں مرد اور عورت کے لفظ کی تصریح کر کے کسی بھی شک و شبہ کے باب کو بند کر دیا گیا ہے۔ اسی طرح اور بھی آیات میں مرد اور عورت کی تصریح کی گئی ہے اور یہ طے کر دیا گیا ہے کہ دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

''جو بھی نیک کام انجام دے، چاہے مرد ہو یا عورت اور وہ
ایمان دار ہو تو وہ جنت میں داخل ہونگے اور ان پر ظلم نہیں
ہوگا'' (۱۸۱)

چنانچہ اسلام کی رو سے جنت کسی کی جاگیر نہیں ہے بلکہ عمل صالح کے عوض میں ہے، چاہے مرد کرے یا عورت اور ایک مقام پر ارشاد ہوتا ہے:

''عورت اور مرد میں سے جس نے بھی عمل صالح انجام دیا ہے
اسے ہم حیات طیبہ عطا کریں گے اور ان کے عمل کا زیادہ بہتر اجر
انہیں دیں گے'' (۱۸۲)

اب کوئی بتائے کہ اس آیت کی زنانہ تفسیر وتشریح کیا ہوگی کیا خداوند عالم نے مرد وعورت دونوں کو مساوی نہیں رکھا ہے؟ خدا کے نظام عدل میں اجر عمل کے مقابلہ میں ہے، تقویٰ و پرہیزگاری کے بدلہ ہے، صنف وجنس کے اعتبار کے بغیر۔ کیا دنیا کا کوئی فمینسٹ یہ ثابت کرسکتا ہے کہ اسلام میں اگر ایک عورت دو رکعت نماز پڑھے تو اس کا ثواب کم ہے اور اگر مرد پڑھے تو زیادہ ہے؟ ہرگز نہیں۔ نیکی کا بدلہ مرد اور عورت دونوں کو برابر دینے کا وعدہ قرآن کرتا ہے تو پھر تانیثی زاویہ سے مطالعہ کرنے سے اس میں کسی قسم کا فرق نہیں ہوجائے گا۔

دنیا کی تاریخ کے صفحات کی چھان بین کا نتیجہ اس تلخ حقیقت کے سوا کچھ نہیں ہے کہ عورت ہمیشہ غلامی وکنیزی کا شکار رہی ہے اور کسی دین ومذہب نے اس شخصیت کے استقلال اور اس کے وجود کی اہمیت کا دفاع نہیں کیا ہے۔

قرآن کریم نے ان مظالم کی مذمت کی ہے اور عورت کے مقام اور شخصیت کا دفاع کیا ہے اور اس کی وجودی اہمیت اور استقلال کا پوری دنیا میں اعلان کیا ہے، قرآن نے بڑی فصاحت وبلاغت کے ساتھ لڑکیوں کو برا سمجھنے کی مذمت کی ہے اور اسے لوگوں کی سرزنش کی ہے۔ جو لڑکی کو منحوس اور برا تصور کرتے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے:

> ''اور جب ان میں سے کسی کو لڑکی کی پیدائش کی خبر دی جاتی تو
> اس کا چہرہ سیاہ پڑ جاتا اور وہ غمزدہ ہوتا تھا۔ اور وہ اس خبر کی وجہ
> سے قوم سے چھپا پھرتا تھا کہ اس لڑکی کو اپنے پاس بے عزتی کی
> علامت کے طور پر رکھے یا اسے دفن کردے یہ کس قدر برا فیصلہ
> ہے'' (۱۸۳)

قرآن کریم اس طریقہ سے لوگوں کی عورتوں کے بارے میں غلط فکر اور ان پر ہونے والے ظلم وستم اور اہانت کی مخالفت کرتا ہے یہاں تک کہ زندہ درگور کی جانے والی لڑکیوں کے لئے سخت مواخذہ کا قائل ہے کہ ارشاد ہوتا ہے:

> ''جب نومولود (لڑکی) کے بارے میں پوچھا جائے گا کہ کس
> جرم میں قتل کی گئی'' (۱۸۴)

اس طرح اسلام میں مرد وعورت کی وجودی اہمیت میں کوئی فرق نہیں ہے اور جہاں بھی کلی مسائل میں مرد کی بات کرتا ہے وہاں عورت کی بات کرتا ہے بغیر کسی فرق کے جیسے:

> ''یقیناً مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں ، مومن مرد اور مومن
> عورتیں، سچے مرد اور سچی عورتیں صبر کرنے والے مرد اور صبر
> کرنے والی عورتیں، خشوع کرنے والے مرد اور خشوع کرنے
> والی عورتیں راہ خدا میں خرچ کرنے والے مرد اور راہ خدا میں
> خرچ کرنے والی عورتیں ، روزے رکھنے والے مرد اور روزے

رکھنے والی عورتیں ،اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے
مرد اور حفاظت کرنے والی عورتیں، کثرت سے خدا کا ذکر کرنے
والے مرد اور ذکر کرنے والی عورتیں ان سب کے لئے خداوند
عالم نے مغفرت اور بخشش کو آمادہ کرر کھا ہے اور اجر عظیم
کو‘‘(۱۸۵)

مذکورہ آیت کوملاحظہ کرکےاس کی زنانہ تفسیر کیا کی جاسکتی ہے؟ جہاں نقطہ بہ نقطہ عورت کو مرد کے ساتھ رکھا گیا ہے اور اگر الفاظ قرآن کو ملاحظہ کریں تو ایک خاص بات جو قابل غور ہے وہ یہ ہے کہ جب شرمگاہوں کی حفاظت کی بات آتی ہے تو ارشاد ہوتا ہے’’اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے مرد۔اور حفاظت کرنے والی عورت اس مرحلہ میں عورت کا خدا نے کس قدر خیال رکھا ہے کہ وہاں شرمگاہ کے لفظ کو تکرار تک نہیں کیا۔کیا یہ تانیثی نظریہ کی حمایت نہیں ہے۔اور عورت کی عزت واحترام نہیں ہے؟

ایسی بہت سی آیات ہیں جہاں خداوند عالم نے مرد اور عورت کو تصریح کے ساتھ ذکر کیا ہے اس کے علاوہ قرآن کریم میں جو عام خطاب ہیں’’اے لوگو‘‘،’’اے ایمان والو‘‘،’’جس نے یہ کام کیا‘‘،’’جس نے یہ برائی کی‘‘وغیرہ۔ان تمام خطابات میں جس قدر خطاب مرد سے ہے اسی قدر عورت سے بھی ہے اور جو اہمیت مرد کی ہے وہی اہمیت عورت کی بھی ہے اور جو اجر وثواب وعذاب مرد کے لئے ہے وہی عورت کے لئے بھی ہے۔

اسی طرح اسلام نے عورت کو اقتصادی معاملات میں مستقل اور آزاد رکھا ہے اور اس کو حق ملکیت کے ساتھ حق تصرف بھی دیا ہے ارشاد ہوتا ہے:

’’مردوں کے لئے وہ حصہ ہے جو انھوں نے حاصل
(کمایا) کیا ہے اور عورتوں کے لئے وہ حصہ ہے جو انھوں نے
حاصل کیا ہے‘‘(۱۸۶)

قرآن کریم نے صراحت کے ساتھ یہ بات کہی ہے کہ جس طرح مرد اپنے کام کی اجرت کا مالک ہے اور حق تصرف رکھتا ہے اسی طرح عورت بھی اپنے کام کی اجرت کی مالک ہے اور حق تصرف رکھتی ہے۔اسی طرح ترکہ اور میراث میں بھی مرد اور عورت دونوں کو حقدار بنایا ہے۔ارشاد ہوتا ہے:

’’والدین اور رشتہ دار جو میراث چھوڑیں اس میں مرد کا اپنا حصہ
ہے اور اسی طرح والدین اور اقرباء جو میراث چھوڑیں اس میں
عورت کا اپنا حصہ ہے‘‘(۱۸۷)

حقیقت یہ ہے کہ اسلام نے کبھی یہ نہیں چاہا کہ مرد کے فائدہ اور عورت کے نقصان یا عورت کے فائدہ اور مرد کے

نقصان کے لئے کوئی قانون بنائے۔ نہ اسلام مرد کا طرفدار ہے اور نہ عورت کا، بلکہ اسلام دونوں کی سعادت کا طلبگار ہے ۔اب تانیثی نظریہ کا مطالبہ اس میں کیا تبدیلی کرسکتا ہے؟

البتہ بعض لوگ میراث کے سلسلہ میں اعتراض کرتے ہیں کہ ایسا کیوں ہے کہ میراث میں مرد کے لئے دہرا حصہ ہے اور عورت کے لئے ایک حصہ ہے؟ چنانچہ یہی سوال جب امام کاظمؑ سے کیا گیا تو آپ نے ارشاد فرمایا:

''وہ اس لئے کہ عورت کو شوہر سے میراث اور نفقہ دونوں ملتا ہے اور مہر بھی اس کو ملتا ہے''

ہمارا مختصر مقالہ اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ تمام جوانب پر سیر حاصل بحث کی جائے ،ہم نے یہ چند نمونے پیش کئے ہیں ان کے علاوہ بھی قرآن کریم عورت کی حمایت ،اس کی وجودی اہمیت ،اس کے استقلال و آزادی ،اقتصادی، معاشی، سیاسی اور مسائل میں خودمختاری کے مطالب سے بھرا پڑا ہے اور قرآن کے احکام کچھ اس قدر مستحکم ہیں کہ چاہے اس کی زنانہ تفسیر ہو یا مردانہ، مفسر مرد ہو یا عورت کسی پر بھی ظلم و ستم نہیں ہوسکتا ہے اس لئے کہ قرآن کریم نظام عدل کی وکالت کرتا ہے اور اسکے قوانین عدالت کے معیار پر کھرے اترتے ہیں ۔اگر سماج کے لوگ قرآنی تعلیمات کو فراموش کرکے اپنے اعتبار سے احکام بنالیں تو اس کی ذمہ داری قرآن کی نہیں ہے اور اسلام اس کا جوابدہ نہیں ہے۔

☆اسلامی تانیثیت کا نظریہ ہے کہ:

''قوانین اسلام کو اس طرح تجزیہ و تحلیل کیا جائے کہ جس کا نتیجہ عورت اور مرد کے حقوق میں مشابہت ہو''

ہم نے اسی بات میں اس سلسلہ کی مکمل بحث کی ہے اور حقوق کے مساوی اور مشابہ ہونے کو واضح کیا ہے حقوق کا مساوی ہونا اور ہے اور مشابہ ہونا اور ہے چونکہ عورت اور مرد، شرافت اور انسانی حیثیت میں مشترک ہیں یعنی دونوں انسان ہیں تو اس انسانی حیثیت میں مشترک ہونے کا لازمہ کیا ہوگا؟

کیا اس کا لازمہ یہ ہے کہ مرد و عورت دونوں کے حقوق مساوی ہوں؟ اس طرح کہ کوئی حقوقی امتیاز اور ترجیح نہ ہو؟ یا پھر اس کا لازمہ یہ ہے کہ عورت و مرد کے حقوق مساوی ہونے کے ساتھ مشابہ اور ایک جیسے بھی ہوں اور کسی طرح کے کام یا فرائض کی تقسیم نہ ہو؟

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ انسانی حیثیت میں عورت و مرد کے اشتراک کا لازمہ حقوق کا مساوی ہونا ہے لیکن ان حقوق میں مشابہت کیسے ہوسکتی ہے؟

مثلاً اگر آپ کے سامنے دو بھوکے ہوں ایک آٹھ سال کا بچہ اور ایک بیس سال کا جوان اور آپ دونوں بھوکوں کو روٹی دیں ،اس طرح کہ بچے کو دو روٹی اور جوان کو چار روٹی تو یہ مساوات ہے یا مشابہت؟ کوئی بھی عقلمند آدمی اس کو سمجھ سکتا ہے کہ یہ مساوات ہے لیکن مشابہت نہیں۔اس لئے کہ مشابہت میں دونوں کو چار چار روٹیاں دینی ہوں گی، یا دونوں کو دو

دواور دونوں صحیح نہیں ہے۔اس لئے کہ مساوات اور ہے مشابہت اور ہے۔

اور یہ طے ہے کہ اسلام حقوق میں مشابہت کا قائل نہیں ہے۔اسی طرح اسلام عورتوں کی بنسبت مردوں کے سلسلہ میں کسی ترجیح اور امتیاز کا بھی قائل نہیں ہے بلکہ عورت ومرد کے درمیان اصل مساوات کی رعایت کرتا ہے اور ان کے درمیان مساوات کا حامی اور مشابہت کا مخالف ہے۔

شہید مطہری لکھتے ہیں کہ:

''تساوی حقوق (حقوق میں مساوات) کس قدر اچھی اور مقدس تعبیر ہے۔کون ہے جو پاک فطرت وجذبہ رکھتا ہو اور ان دونوں الفاظ کے سامنے سر تسلیم خم نہ کرے؟

لیکن پتہ نہیں کیا ہو گیا ہے کہ دوسرے لوگ عورت ومرد کے حقوق کی مشابہت کے باب میں اپنے نظریات کو جو بات مسلم ہے وہ یہ ہے کہ اسلام نے ہر جگہ عورت ومرد کے لئے مشابہ حقوق نہیں بنائے ہیں۔جس طرح ان کے لئے ہر مقام پر ایک جیسے فرائض اور سزائیں بھی نہیں رکھی ہیں۔لیکن کیا کلی طور پر جو حقوق عورت کے ہیں وہ مردوں کے حقوق سے کم اہمیت رکھتے ہیں؟ جی نہیں! (۱۸۸)

لہٰذا اسلامی تانیثیت کے حامیوں کو یہ بات معلوم ہونی چاہئے کہ قوانین اسلام کی ایسی تحلیل وتجزیہ جس سے حقوق مشابہ اور ایک جیسے ہو جائیں یہ بات اسلام کے قوانین کے برخلاف ہے اس لئے کہ اگر کوئی کسی تحلیل وتجزیہ کے ذریعہ حقوق کو مردوں کے مشابہ کرنے کی کوشش بھی کرے گا تو پھر نظام عدل کو بالائے طاق رکھنا پڑے گا۔اس لئے کہ پھر دو روٹی سے بچے کا پیٹ تو بھر جائے گا لیکن جوان بھوکا رہ جائے گا یا چار روٹی سے جوان کا پیٹ تو بھر جائے گا لیکن دو روٹی ضائع اور اسراف ہو جائے گی کہ ہر دو صورت اسلام کے نقطۂ نظر سے صحیح نہیں ہے۔لہٰذا اسلام کے نقطۂ نظر سے حقوق میں مساوات ہے مشابہت نہیں۔

☆اسلامی فمینسٹ کہتے ہیں کہ:

''فقاہتی اسلام مردسالاری اسلام ہے اور چونکہ تمام فقہاء مرد ہیں اس لئے دین کا بیان مردانہ ہے۔اسی وجہ سے میراث، دیت، شہادت (گواہی) اور خانوادہ کے مسائل میں عدم مساوات ہے''

اسلامی فیمنسٹوں کے اس نظریہ میں اسلام کو فقاہتی کہا گیا ہے حالانکہ اسلام کے اور بہت سے خصوصیات ہیں مثلاً عرفانی اسلام، اخلاقی اسلام، تفسیری اسلام، عقیدتی اسلام۔تو پھر اسلام کو فقہ سے مخصوص کرنے کی کیا وجہ ہے؟ شاید آپ کہیں کہ اسلام کے زیادہ تر معارف فقہی ہیں۔لیکن سب کو پتہ ہے کہ ایسا ہرگز نہیں ہے۔یا شاید سب سے زیادہ موثر اور سب سے زیادہ ضرورت اسلام میں فقہ کی ہوتی ہے یا یہ کہ تمام معارف میں اس کو زیادہ اہمیت حاصل ہے اس لئے اس کو فقاہتی اسلام کہا جاتا ہے ورنہ اسلام کو فقاہتی کہنے کی کوئی وجہ نہیں تھی۔اور چونکہ تمام فقہاء مرد ہیں اس لئے اس کو مردسالاری اسلام کہا گیا ہے۔جبکہ ہماری پچھلی بحثوں سے یہ بات واضح ہے کہ دین کا بیان کسی زاویہ سے بھی، کسی صنف یا جنس سے

مخصوص نہیں ہے۔اسلام کا بیان نہ مردانہ ہے اور نہ زنانہ، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اسلام کا بیان عادلانہ ہے۔جس میں نہ مرد پر ظلم روا ہے اور نہ عورت پر،اس لئے کہ قوانین خدا کے بنائے ہوئے ہیں اور اس کے قوانین حکمتوں اور مصلحتوں کی بنیاد پر استوار ہیں۔

رہی بات میراث، دیت،شہادت اور خانوادہ کے مسائل کی،تو اس میں ہماری فکر کی کوتاہی ہے کہ ہم نے مسائل کو ٹھیک طور پر سمجھا نہیں ہے۔یہی وجہ ہے کہ اکثر کم فہم یا نافہم افراد یہ سوال کرتے ہیں کہ اسلام میں عورت کی میراث مرد کی آدھی کیوں ہے؟ یا عورت کی دیت مرد کی دیت سے نصف کیوں ہے؟ یا یہ کہ دوعورتوں کی گواہی ایک مرد کے برابر کیوں ہے؟ وغیرہ..............

میراث و دیت:

سوال یہ ہے کہ: اسلام میں عورت کی میراث اور دیت کیوں نصف ہے؟ کیا عورت کی اہمیت مرد سے کم ہے ؟اسلام کو عدل کا دین کس طرح کہا جاسکتا ہے؟ جبکہ وہ عورتوں کے ساتھ ناانصافی کررہا ہو؟

(۱)عورت و مرد کی اہمیت میں مساوات:

جواب: دین اسلام ابتدائے ظہور سے ہی عورتوں پر ظلم کے خلاف اٹھ کھڑا ہوا اور خلقت و کمال میں عورت و مرد کی یکساں اہمیت کا تعارف کرایا،قرآن کریم کے خطابات مسلسل عورت و مرد کو برابر سے شامل رہے اور اگر عربی گرامر کی وجہ سے مشترک امور میں مردانہ الفاظ کا استعمال کیا جائے یا ضمیر مذکر کو استعمال کیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ اس کو مردوں سے مخصوص تصور کیا جائے۔

اسماء بنت عمیس کہتی ہیں کہ میں نے حضور اکرم ﷺ سے عرض کیا کہ: قرآن کریم میں جو فضائل جمع مذکر کی صورت میں بیان ہوئے ہیں عورتوں کے لئے کیوں نہیں ہیں۔یا عورتوں کے سلسلہ میں کیوں نہیں ہیں۔اسی وقت سورہ احزاب کی آیت/۳۵ نازل ہوئی۔جس میں تمام فضائل و مناقب کو جمع کر کے مذکر کے ساتھ جمع مونث کی صورت میں بھی ذکر کیا''

اسی طرح قرآن کریم نے برتری کے معیار کے لئے جنسیت اور خاندان کو نہ قرار دے کر تقویٰ اور پرہیزگاری کو برتری کا معیار قرار دیا جس میں عورت،مرد کی کوئی شرط نہیں ہے۔جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ سورہ حجرات کی آیت/ ۱۳ میں انسان کی برتری اور کمال کا معیار تقویٰ ہے نہ کہ مرد یا عورت ہونا۔

(۲)عورت و مرد کا اقتصادی فرق:

اسلامی حقوق میں عورت و مرد کے لئے خاص فرائض بیان کئے گئے ہیں مثلاً نفقہ اور بیوی کا خرچ روٹی، کپڑا اور مکان کا اہتمام،مہر کی ادائیگی یہ سب مرد کے ذمہ ہے۔اسی لئے اگر عورت اپنا کوئی مستقل ذریعہ آمدنی رکھتی ہو تب بھی شریعت کی رو سے گھر کا خرچ اور مکان کا اہتمام عورت کا فرض نہیں ہے اور شوہر اس کے لئے اسے مجبور بھی نہیں کرسکتا۔اس

لئے اس کو نصف میراث ہے۔

رہی بات دیت کی تو۔دیت وہ مال ہے جو اس نقصان کے بدلے میں لیا جاتا ہے جو انسان کو ہوا ہے۔اور اس کی مقدار کا تعلق نقصان اٹھانے والے شخص سے نہیں ہے اس لئے یہ نہیں کہا جاسکتا ہے کہ چونکہ عورت کی اہمیت مرد سے کم ہے اس لئے اس بات کی دیت مرد سے نصف ہے۔اور عورت کی دیت مرد کی بنسبت آدھی ہے۔اسی وجہ سے اگر کوئی بڑی علمی یا سیاسی شخصیت غیر عمدی طور پر (اتفاقاً) قتل ہوجائے تو اس کی دیت اور ایک مزدور کی دیت میں کوئی فرق نہیں ہے۔(جو غیر عمدی طور پر قتل ہوگیا ہو)۔لہٰذا چونکہ اسلام نے خانوادہ کی اقتصادی ذمہ داری مرد کے کاندھوں پر ڈالی ہے اور عورت اس ذمہ داری سے معاف ہے اور اس بات کے پیش نظر کہ دیت اس خلا کو پر کرنے کے لئے ہے جو اس نقصان کی وجہ سے خانوادہ میں ہوا ہے۔یہ دیت، مرد کی پوری لی جاتی ہے۔اور میراث کے سلسلہ میں بھی یہی مسئلہ ہے کہ مرد گھر کی ذمہ داریاں رکھتا ہے اس لئے اس کو زیادہ حصہ ملتا ہے لیکن عورت پر چونکہ کوئی ذمہ داری نہیں ہوتی، اسے گھر چلانا نہیں ہوتا، اسے صرف اپنے خرچ کی ضرورت ہے اس لئے اس کو آدھی میراث دی جاتی ہے۔(۱۸۹)

اس سلسلہ میں امام جعفر صادقؑ کی روایت ہے کہ جب آپ سے سوال کیا گیا کہ ایسا کیوں ہے کہ عورت جو کہ مرد سے کمزور ہے اس کی میراث مرد کی میراث سے آدھی ہے تو آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا:

> ''اس لئے کہ مرد پر زیاہ اور بڑی ذمہ داریاں ہیں، مرد کو جہاد پر جانا ہے اور عورت کا خرچ مہیا کرنا ہے، مرد اپنے خرچ کے علاوہ زوجہ کی زندگی کا خرچ پورا کرے، عورت، مرد کے عاقلہ کی فہرست میں ہے یعنی اگر اس کا کوئی رشتہ دار کوئی جرم کرے تو اس کو جرمانہ بھرنا ہے حالانکہ عورت پر یہ تمام ذمہ داریاں نہیں ہیں''(۱۹۰)

مزید یہ کہ میراث کا قانون ایک اقتصادی و مالی موضوع ہے جو اسلام میں عدالت کی بنیاد پر بنایا گیا ہے جس میں عورت و مرد کی اجتماعی اور خانوادگی ذمہ داریوں کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔اگر اسلام کے حقوقی نظام میں غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ عورتیں جن کے اوپر کوئی اقتصادی ذمہ داری نہیں ہے ان کا حصہ مکمل منصفانہ ہے اور عورت کی عزت نفس اور کرامت کا ضامن ہے۔

نزول قرآن کریم اور ظہور اسلام کے دور میں دنیا کی تمام اقوام میں عورت کی میراث سے محرومیت رائج تھی اور عورت، بیوی، ماں، بیٹی یا بہن کسی بھی حیثیت سے میراث نہیں پاسکتی تھی لیکن اسلام نے اس سلسلہ میں انقلاب برپا کردیا اور عورتوں کو میراث کا حق عطا کیا اور زمانہ جاہلیت کے تمام ان قوانین کو جو نظام قبیلہ کے عقائد اور آداب و رسوم کی بنیاد پر بنائے گئے تھے سب کو منسوخ کردیا۔

زمانہ جاہلیت میں نہ صرف یہ کہ عورت کو میراث نہیں دیتے تھے بلکہ اس کی اجازت اور توجہ کے بغیر اس کے مرحوم کے اموال کو بانٹ لیتے تھے قرآن کریم نے اس جاہلی قانون کو منسوخ کر دیا۔

اسلام نے میراث کے قوانین کو مرد وعورت کی جنسیت کی بنیاد پر نہیں بنایا بلکہ خانوادہ میں ان دونوں کی اقتصادی و مالی ذمہ داریوں کی بنیاد پر بنایا۔ چنانچہ کسی مقام پر عورت کو مرد سے زیادہ حصہ بھی ملتا ہے۔ اس لئے میراث کا حصہ خانوادہ ،ذمہ داریوں اور فرائض کی تقسیم کے حساب سے اسلامی لحاظ سے عادلانہ ہے۔

عورتوں کی میراث کی بحث میں تین مفروضے ہیں:

۱-کبھی عورت اور مرد مساوی میراث پاتے ہیں۔ جب میت (اولاد) کے باپ اور ماں ہوں کہ دونوں کو برابر 1/6 میراث ملے گی۔ یہاں باپ کا حصہ مرد ہونے کی وجہ سے ماں سے زیادہ نہیں ہوگا۔

۲-ایک مقام پر عورت مرد سے کم میراث پاتی ہے۔ مثلاً بیٹی جو بیٹے سے کم میراث پاتی ہے۔

۳-اور بعض جگہوں پر عورت کی میراث مرد سے زیادہ ہے۔ مثلاً جب میت کے پاس باپ اور بیٹی کے علاوہ کوئی دوسرا وارث نہ ہو تو اس صورت میں باپ کو 1/6 اور بیٹی کو اس سے زیادہ ملے گا۔ یا جب میت کے پوتے یا نواسے ہوں اور اس کے بچے اس کی زندگی ہی میں مر چکے ہوں تو اس صورت میں بیٹے کی اولاد کو بیٹے کا حصہ ملے گا اور بیٹی کی اولاد کو بیٹی کا حصہ ملے گا۔ یعنی اگر پوتی ہو اور نواسا ہو تو پوتی کو نواسے کا دوگنا حصہ ملے گا۔(۱۹۱)

لہٰذا کلی طور پر سوال نہیں کیا جا سکتا کہ کیوں عورت کی میراث مرد سے کم ہے اس لئے کہ کہیں پر عورت کی میراث مرد کے برابر ہے، کہیں عورت کو مرد سے زیادہ حصہ ملتا ہے۔ صرف بعض مواقع ایسے ہیں جہاں عورت کی میراث مرد سے کم ہے۔ لہٰذا سوال اس طرح ہونا چاہئے کہ کیوں بعض مواقع پر عورت کی میراث مرد کی میراث سے آدھی ہے؟

امام رضا علیہ السلام اس سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:

> ''جب عورت شادی کرتی ہے تو کچھ مال مہر کے عنوان سے لیتی ہے اور اسکی زندگی کا خرچ مرد کے ذمہ ہوتا ہے اور مرد کو چاہئے کہ وہ عورت کا نفقہ اور زندگی کے تمام مخارج کو دے لیکن عورت کے ذمہ کچھ نہیں ہے اس لئے مرد کا حصہ زیادہ ہے''(۱۹۲)

اب کوئی بتائے کہ فقہ اسلامی میں اگر زنانہ بیان ہو تو کیا قانون بدل جائے گا؟ اگر عورتیں بھی قرآن وحدیث سے احکام کو حاصل کریں گی تو یہی مسائل سامنے آئیں گے اور یہی اسلام کا نظام عدل ہے۔

رہی بات یہ کہ اسلام میں دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کے برابر کیوں ہے؟ کیا اس حکم سے عورت کا حق ضائع نہیں ہوتا؟ یا یہ عدم مساوات نہیں ہے؟

پہلی بات تو یہ ہے کہ گواہی دو طرح کی ہے۔

۱-حق اللہ کی گواہی۔

۲-حق الناس کو گواہی۔

اسلام نے حق اللہ میں عورت کو گواہ کے عنوان سے قبول نہیں کیا ہے اس لئے کہ خدا نہیں چاہتا ہے کہ عورت جس پر خانوادہ اور گھر کی بہت سی ذمہ داریاں ہیں وہ عدالتوں میں گواہی دیتی پھرے، مزید یہ کہ عورت کی عفت وحرمت کا تقاضا یہ ہے کہ وہ گھر میں رہے۔ عدالتوں میں مردوں کے درمیان آ کر گواہی کے جھمیلوں میں نہ پھنسے۔

لیکن حق الناس، جس کی اہمیت زیادہ ہے اور جہاں کسی کا کوئی حق ضائع ہو جانے کا خطرہ ہے ایسے مقام پر خداوند عالم نے عورت کی گواہی کو قبول کیا ہے تا کہ کسی کا حق ضائع نہ ہو۔

اس سے ایک بات کا پتہ چلتا ہے کہ خداوند عالم نے انسانی حیثیت میں عورت کے ساتھ کسی امتیاز کا برتاؤ نہیں کیا ہے اور اس کی گواہی کو بھی اہمیت دی ہے اور قابل قبول قرار دیا ہے اور یہی اسلامی نقطۂ نظر میں عورت کی کرامت کی دلیل ہے۔ رہی بات یہ کہ دو عورت کی گواہی ایک مرد کے برابر ہے؟

تو واضح رہے کہ جیسا کہ ہم نے میراث کے سلسلہ میں بیان کیا کہ ایسا نہیں ہے کہ ہر جگہ عورت کی میراث مرد کی میراث کی آدھی ہے۔ اسی طرح ایسا نہیں ہے کہ ہر جگہ دو عورت کی گواہی ایک مرد کے برابر ہو۔ بلکہ بعض مواقع ایسے ہیں جہاں صرف عورت کی گواہی قبول ہے، مرد کی قبول نہیں ہے۔ مثلاً خواتین کے مخصوص مسائل میں۔ اور مذکورہ مدعی کے لئے قرآن کی ایک آیت کو پیش کیا جاتا ہے وہ ہے، سورہ بقرہ کی آیت ۲۸۲، جہاں قرض کے سلسلہ میں گفتگو ہو رہی ہے اور حکم یہ ہے کہ جب کسی کو قرض دو تو اسے لکھ لو اور اس پر گواہ بھی بناؤ، دو مرد کو اور اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتوں کو۔ یہاں کئی مسائل سامنے آتے ہیں؟

۱- کیا تمام مقامات پر دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کی گواہی کے برابر ہے؟

۲- کیوں مرد گواہی قبول کرنے اور گواہی دینے کے لئے زیادہ مناسب ہے؟

۳- کیوں عورت کی بھی گواہی قبول کی جاتی ہے اور اس کو مرد کی گواہی کے نصف مانا گیا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ: گواہ بنانا، گواہ بننے کو قبول کرنا اور گواہی دینا یہ سب اس لئے ہے کہ کوئی حق ضائع اور پامال نہ ہو اس لئے گواہ کے لئے دو صفت کا ہونا ضروری ہے۔

۱- گواہی کو قبول کرنے کے مقام میں ہوشیار اور زیرک (چالاک) ہو اور واقعات کو دھیان سے یاد رکھے۔

۲-اور گواہی دیتے وقت حالات سے متاثر نہ ہو۔ جو کچھ اس نے دیکھا ہو اس کو بغیر کسی کمی وزیادتی کے بیان کر دے۔

ممکن ہے گواہ گواہی دیتے وقت اپنے جذبات واحساسات سے متاثر ہو جائے اور حق کو پامال کرتے ہوئے اس شخص کے فائدہ میں گواہی دیدے جو اس کا کوئی رشتہ دار مثلاً باپ، ماں، بہن، بھائی، بیوی، شوہر یا اولاد یا کوئی اور رشتہ دار ہو یا

اس کا دوست ہو یا یہ کہ وہ انسان غریب و مسکین ہے۔وغیرہ.......

اس سلسلہ میں خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے:

''اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو پوری طرح عدالت سے کام لو ۔خدا کے لئے گواہی دو چاہے (یہ گواہی) تمہارے یا تمھارے والدین یا قرابت داروں کے خلاف ہی کیوں نہ ہو اور اگر وہ امیر ہوں یا غریب ہوں گے تو خداوند عالم ان کی حمایت کے لئے زیادہ مناسب اور بہتر ہے'' (۱۹۳)

اگر جنس مرد وعورت کو ان دونوں صفات کی روشنی میں دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ مرد، دونوں اعتبار سے عورتوں سے برتر ہیں اس لئے گواہی قبول کرنے کے لئے مرد زیادہ مناسب ہیں۔اس لئے اصل اس بات یہ ہے کہ مرد گواہ بنے اور گواہی دے۔ اسی طرح قضاوت وفیصلہ میں بھی یہی نوعیت ہے ۔نیز یہ کہ عام طور سے حوادث کے موقع پر مردوں کا موجود ہونا سماج میں عورتوں کی بنسبت زیادہ ہے۔یعنی زیادہ تر واقعات وحادثات کے موقع پر مرد حاضر ہوتے ہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ بہت مواقع پر اگر عورت کی گواہی قبول نہ ہو اور اس کو معتبر نہ قرار دیا جائے تو بہت سارے حقوق ضائع ہو جائیں گے۔عام طور سے ایسے لوگوں سے گواہی کا مطالبہ کیا جاتا ہے جو مسئلہ کے دونوں جانب کی دست رس میں ہوں تا کہ اگر کوئی اختلاف ہو تو وہ حاضر ہو سکے اور گواہی دے۔واضح ہے کہ ضروری نہیں ہے کہ ہمیشہ اور ہر جگہ دو مرد مل ہی جائیں اس لئے ضروری ہے کہ عورت کی گواہی بھی معتبر ہو تا کہ جب مرد فراہم نہ ہوں تو عورت بھی گواہی دے سکے اور اگر صرف مرد کی گواہی سے کسی کا حق پامال ہو رہا ہو تو اس صورت میں عورت کی گواہی قابل قبول ہے۔

لیکن یہ سوال کہ عورت کی گواہی مرد کی گواہی کے برابر نہیں ہے؟

جواب میں کہا جا سکتا ہے:

کہ عورت گواہی کو قبول کرنے کے سلسلہ میں زیادہ قادر نہیں ہے اور نہ ہی اس کو ادا کرنے میں یعنی گواہی دینے میں ۔اس لئے کہ ممکن ہے کوئی عورت، واقعہ کو بھول جائے یا احساسات وجذبات سے متاثر ہو جائے اور حق سے تجاوز کر جائے۔ جیسا کہ آیت میں اس حکمت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ حکم کی احتیاط یہ ہے کہ ایک دوسری عورت بھی اس کے ساتھ ہو تا کہ حق کی پامالی اور غلطی کے امکان میں کمی ہو جائے۔(۱۹۴)

اس کے علاوہ آپ آیت میں غور کریں گے تو معلوم ہوگا کہ جہاں یہ ارشاد ہو رہا ہے کہ تم دو مردوں کو یا ایک مرد اور دو عورتوں کو گواہ بناؤ وہیں دو عورتوں کی گواہ کے ساتھ ساتھ ایک وجہ بھی بیان کی گئی ہے کہ ''اگر ان میں سے ایک کچھ بھول جائے تو دوسری اس کو یاد دلا دے'' قرآن کریم میں ہرگز یہ نہیں کہا گیا ہے کہ دونوں گواہی دیں۔گواہی میں ایک بیان قلم بند کیا جاتا ہے اس بیان کو بدلا نہیں جا سکتا لیکن اگر کوئی چیز بھول جائے تو جو یاد دلائے گا اس کو گواہی دینا نہیں کہیں گے اس

طرح معلوم ہوتا ہے کہ دوسری عورت کو گواہی دینے کے لئے نہیں بلکہ بھولی چیزوں کو یاددلانے کے لئے احتیاطاً رکھا گیا ہے اس لئے گواہی ایک مرد کے مقابلہ میں ایک ہی عورت کی ہے۔ دوسری عورت، یاددھانی کے لئے ہے۔لہٰذا یہ کہنا کہ دوعورت کی گواہی ایک مرد کے برابر ہے ہرگز غلط ہے۔

اس کے علاوہ سورہ نور کی آیت ٦/ ۔٩ کا مطالعہ کریں جہاں گفتگو زنا کی تہمت کے سلسلہ کی ہے کہ اگر مرد اپنی زوجہ پر زنا کی تہمت لگائے تو عورت اپنا دفاع کس طرح کرسکتی ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

''جولوگ اپنی بیویوں پر منافی عفت عمل (زنا) کا الزام لگاتے ہیں اور اپنے علاوہ ان کے پاس کوئی گواہ نہیں تو ان میں سے ہر ایک اللہ کے نام کی چار شہادتیں (گواہیاں) دے کہ وہ سچوں میں سے ہے۔اور پانچویں مرتبہ کہے کہ اس پر خدا کی لعنت ہو اگر وہ جھوٹوں سے ہو۔ وہ عورت بھی اپنے تئیں (زنا کی) سزا سے بچا سکتی ہے اگر چار مرتبہ اللہ کو شاہد (گواہ) قرار دے کہ (عورت پر اس الزام میں) مرد جھوٹا ہے۔اور پانچویں مرتبہ کہے کہ اس پر خدا کا غضب ہو اگر مرد سچوں میں سے ہے'' (١٩٥)

اس آیت میں بہت سے نکات قابل غور ہیں:

١۔ایسا نہیں ہے کہ صرف مرد کی بات کو مان کر عورت پر حد شرعی کا حکم لاگا دیا ہو۔

٢۔ یہ کہ خداوند عالم نے عورت کو بھی اپنا دفاع کرنے کا موقع دیا ہے۔

٣۔جس طرح ایک مرد کے لئے حکم ہے کہ وہ چار گواہیاں دے اسی طرح عورت کو بھی چار ہی گواہیاں دینے کا حکم ہے۔(١٩٦)

اب جو یہ کہتے ہیں کہ اسلام میں دوعورتوں کی گواہی ایک مرد کے برابر ہے ان کے حساب سے یہاں عورت کو آٹھ گواہیاں دینی چاہئے تھیں۔لیکن یہاں مرد کی طرح عورت سے بھی چار گواہیوں کا مطالبہ اس بات کو واضح کرتا ہے کہ گواہی کے سلسلہ میں عورت اور مرد میں کو یہ فرق نہیں ہے۔اس لئے کہ یہاں چار گواہی مرد کی ہے تو چار گواہی عورت کی بھی ہے اس طرح دونوں برابر ہیں۔(اس عمل کو اسلامی اصطلاح میں لعان کہا جاتا ہے جس کے مفصل احکام فقہی کتابوں میں تفصیل سے ذکر ہیں) لہٰذا اسلامی تانیثیت کے حامیوں کو چاہئے کہ قرآن کی آیات کی صحیح تفاسیر پر توجہ دیں۔لوگوں کی افواہوں اور غلط تفسیروں کو اہمیت نہ دیں۔

جہاں تک بات ہے خانوادہ کے مسائل میں مساوات کی۔تو ہم پچھلے صفحات سے پر اس بات کو واضح کرچکے ہیں کہ خانوادہ کا ادارہ کرنا مرد اور عورت دونوں کا کام ہے اور بچہ کی تعلیم و تربیت کی ذمہ داری دونوں کی ہے اور مرد اور عورت دونوں

کے جسمانی اور نفسانی تقاضوں کے اعتبار سے دونوں کی ذمہ داریاں تقسیم کی ہوئی ہیں۔ان مسائل میں مساوات کا کیا مطلب ہوسکتا ہے؟عورت اور مرد ہر ایک کا الگ الگ کام ہے جو اس کے ذمہ کیا گیا ہے تاکہ خانوادہ میں تعادل وتناسب برقرار رہے اگر گھر کے اندر کام اور بچوں کی جسمانی پرورش کی ذمہ داری عورت کے سپرد کی گئی ہے تو عورت اور بچوں کی خرچ اور تحفظ کی ذمہ داری مرد کے کاندھوں پر ہے۔اگر مساوات سے مراد آپ کی یہ ہے کہ بچوں کو ایک بار عورت نہلائے تو ایک بار مرد،ایک مرتبہ عورت کھانا کھلائے اور ایک مرتبہ مرد،ایک وقت کا کھانا عورت پکائے تو ایک مرتبہ مرد،ایک مرتبہ عورت کپڑے دھلے تو ایک مرتبہ مرد.........اس طرح خانوادہ کے تمام اندرونی اور بیرونی مسائل میں مرد اور عورت مساوات کی رعایت کریں تو کوئی بھی صاحب عقل شعور اس نظام کو نہ یہ کہ تسلیم نہیں کرے گا بلکہ اس کو عملی طور پر ناممکن قرار دے گا۔لہٰذا مرد اور عورت کو اپنی اپنی ذمہ داریوں کا ادا کرنا ہی مساوات ہے۔اور اسی میں خانوادہ کی خوشحالی اور خوش بختی ہے۔

☆اسلامی تانیثیت کا ایک نظریہ یہ ہے کہ:

''احکام کے استنباط میں نیا طریقہ اپنایا جانا چاہئے''

فقہ کی اصطلاح میں استنباط کے معنی ہیں قرآن وحدیث سے دلیلوں کے ذریعہ فقہی احکام کو حاصل کرنا۔علمائے اسلام نے قرآن وحدیث سے احکام اسلامی کو حاصل کرنے کے لئے کچھ قواعد بنائے ہیں کہ جن کو اصول فقہ کہا جاتا ہے ۔ان قواعد کو بنانے کی ضرورت اس لئے پڑی کہ قرآن کریم میں تمام احکام صریحاً نہیں بیان ہوئے ہیں ۔لہٰذا کچھ قواعد بنانا ضروری ہوا تاکہ ان کے پیش نظر احکام کی تفصیلات قرآن وحدیث سے حاصل کی جاسکے اور احکام خمسہ(یعنی واجب،حرام،مستحب،مکروہ یا مباح)میں کسی ایک کا حکم لگایا جاسکے ۔انھیں اصول کے مطابق احکام اسلامی حاصل کئے جاتے ہیں اور مسائل بیان ہوتے ہیں۔

اصول فقہ کوئی ایسے اصول نہیں ہیں کہ جو کوئی پوشیدہ راز ہوں،ان کو عورت بھی پڑھ سکتی ہے اور مرد بھی اور ان کے مطابق عورت اور مرد دونوں قرآن وحدیث سے احکام حاصل کرسکتے ہیں۔اگر طریقہ استنباط کی تبدیلی سے آپ کی مراد یہ ہے کہ احکام اسلامی کا سرچشمہ جو قرآن وحدیث ہے اس سے ہٹ کر کوئی اور چیز بنالی جائے تو یہ سراسر غلط ہوگا۔اس لئے قرآن وحدیث کی نفی کرکے کوئی اسلامی قانون نہیں بنایا جاسکتا۔البتہ استنباط کے راستے کھلے ہوئے ہیں اور اسلام میں کوئی حکم نہیں ہے کہ مرد استنباط کرسکتا ہے،عورت استنباط نہیں کرسکتی ۔چنانچہ اگر عورت بھی اس علمی مرتبہ کو پہونچ جائے کہ جہاں اسکے اندر قرآن وحدیث سے احکام کے استنباط کرنے کی صلاحیت پیدا ہوجائے تو اس کو استنباط کرنے سے کوئی منع نہیں کرتا ہاں عورت کو فتویٰ دینے کی اجازت نہیں ہے یہ ایک الگ مسئلہ ہے۔اور اس کی بحث الگ ہے کہ اسلام میں عورت کو حق افتاء کیوں نہیں ہے۔

☆اسلامی تانیثیت کا ماننا ہے کہ:

''آج کا اسلام حقیقی اسلام نہیں ہے''

یہ وہ نظریہ ہے جس پر ایک چھوٹا طالب علم بھی بحث کرسکتا ہے اس لئے کہ ان فمینسٹوں کی نظر میں اسلام کیا ہے؟ یہ کہنا کہ ''آج کا اسلام'' اسی سے اندازہ ہوتا ہے کہ انھوں نے اسلام کو سمجھا نہیں۔ اس لئے کہ اسلام ایک قانون ہے، آئین ہے، الٰہی ادیان کا آخری دین ہے۔ جو جاودانی یعنی ہمیشہ رہنے والا ہے اور زمان ومکان کے بدلنے سے جس کے احکام میں تبدیلی ناممکن ہے، لہٰذا یہاں اسلام کے ساتھ ''آج کا'' کی قید کا اضافہ کرنا کوئی معنی نہیں رکھتا ہے۔ اس لئے کہ اسلام ،اسلام ہے اس میں آج اور کل میں کوئی فرق نہیں ہے اسلامی قانون کے لحاظ سے جو نماز چودہ سو سال پہلے دو رکعت تھی آج بھی وہ دو ہی رکعت ہے اور جو نماز چودہ سو سال پہلے واجب (فرض) تھی وہ آج بھی فرض ہے، جو چیز چودہ سو سال پہلے حلال تھی وہ آج بھی حلال ہے اور جو چودہ سو سال پہلے حرام تھی وہ آج بھی حرام ہے۔ اس طرح کل کے اسلام اور آج کے اسلام میں کوئی فرق نہیں، کتاب وہی ہے، کعبہ بھی وہی ہے، محرمات وواجبات وہی ہیں اور اسلام کے انفرادی واجتماعی قوانین سب وہی ہیں۔ اسلئے اگر آج کا اسلام حقیقی نہیں ہے تو پھر کل کا اسلام بھی حقیقی نہیں تھا۔ اور اگر کل کا اسلام حقیقی تھا تو آج کا اسلام بھی حقیقی ہے۔۔

ہاں یہ بات آپ کہہ سکتے ہیں کہ کل کے مسلمان اور آج کے مسلمان میں فرق ہوگیا ہے۔ کل کا مسلمان حقیقی تھا اور آج کا مسلمان حقیقی نہیں ہے۔ اس لئے کہ جو مسلمان اسلام کے قوانین کی رعایت نہ کرے وہ حقیقی مسلمان کب ہوسکتا ہے ؟اگر آج دنیا میں مسلمان نماز نہیں بڑھ رہے تو اس میں اسلام کی کیا خطا ہے، اگر دنیا کے مسلمان محرمات کو انجام دے رہے ہیں تو اس اسلام کی کیا غلطی ہے؟ اسلام کی ذمہ داری پیغام کو پہونچادینے کی ہے زبردستی عمل کرانے کی نہیں ہے چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

''اور ہم پر سوائے (دین کو) پہونچادینے کے کوئی ذمہ داری نہیں ہے'' (۱۹۷)

اسلام جھوٹا نہیں ہے مسلمان چاہے جھوٹا ہو

اسلام بے ایمان نہیں ہے مسلمان چاہے بے ایمان ہو

اسلام دہشت گرد نہیں ہے مسلمان چاہے دہشت گرد ہو

اسلام امن پسندی، بھائی چارگی، حسن اخلاق اور رحم وکرم کا مذہب ہے۔ چاہے کل کا ہو یا آج کا۔ مسلمان بدل سکتا ہے اسلام نہیں۔

☆ اسلامی تانیثیت کے بعض حامیوں کا ماننا ہے کہ:

''صدر اسلام میں حجاب بدکار عورتوں سے پاکدامن عورتوں کو الگ کرنے اور شناخت کا ذریعہ تھا اب اس کی ضرورت نہیں ہے''

''محسن سعید زادہ کا حجاب کے سلسلہ میں کہنا ہے کہ:

''صدر اسلام میں فاحشہ اور بدکار عورتوں کی کثرت تھی اور ایسی عورتیں فراوان تھیں جو زیادہ مردوں سے رابطہ رکھتی

تھیں ایسے حالات میں پیغمبر اسلامﷺ نے مسلمان اور پاکدامن عورتوں کو ان بدکار عورتوں سے الگ کرنے کے لئے حکم دیا ہے کہ مسلمان عورتیں سر پر چادر اوڑھیں تا کہ ان کی پہچان رہے اس طرح حجاب پاکدامنی کی علامت و پہچان کے علاوہ اور کچھ نہیں۔ لہٰذا آج کے زمانہ میں چونکہ اب وہ حالات نہیں ہیں لہٰذا اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ حجاب اس زمانہ سے مخصوص تھا اور اب اس حکم کی علت ختم ہوگئی ہے لہٰذا اس کا وجوب (واجب ہونا) بھی ختم ہو گیا ہے۔

اور پاکدامنی یعنی یہ کہ عورت اپنے شوہر کے علاوہ دوسرے مردوں سے رابطہ نہ رکھے۔ لیکن بالوں کا چھپانا، میک اپ نہ کرنا وغیرہ کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے'' (۱۹۸)

پہلی بات تو یہ ہے کہ حجاب دین اسلام کے مسلمات میں ہے اور دیگر واجبات ومحرمات کی طرح ہے۔ یعنی جس طرح نماز، روزہ وغیرہ کا حکم ہے اسی طرح حجاب کا بھی ایک مستقل حکم ہے جس میں زمان ومکان کی قید نہیں ہے جس طرح اور دوسرے احکام اسلامی ہیں۔

دوسرے یہ کہ محسن سعید زادہ کا حجاب کے سلسلہ میں بیان مستند نہیں ہے بلکہ جس طرح سے دوسرے احکام اسلامی وآیات کے نزول کے ساتھ واجب وحرام ہوتے ہیں اسی طرح حجاب بھی قرآن کریم کی آیات کے نزول کے ساتھ ہی واجب ہوا ہے۔ چنانچہ سورہ احزاب اور سورہ نور کی آیات، حجاب کے واجب ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔

پیغمبر اسلام ﷺ کے مدینہ ہجرت کرنے اور آپ کے ذریعہ حکومت اسلامی تشکیل دئے جانے کے بعد بھی عورتوں کو حجاب کرنے کا کوئی خاص حکم نہیں تھا اگر چہ آپ اور آپ کے گھر کی عورتیں خود بخود حجاب کی رعایت کرتی تھیں لیکن عام مرد وعورت، عورتوں کے حجاب کے سلسلہ میں کوئی خاص توجہ نہیں رکھتے تھے یہاں تک ہجرت کے پانچویں سال ماہ ذیقعدہ میں آیت نازل ہوئی اور عورتوں پر پردہ واجب ہوا۔ (۱۹۹)

حجاب کی آیت یہ ہے:

''اے رسول اپنی بیویوں، بیٹیوں اور تمام مومنین کی عورتوں سے
کہہ دو کہ خود کو پردہ میں چھپا کر رکھیں یہ اس لئے تا کہ (انکی
آزادی اور پاکدامنی) کی پہچان ہو سکے اور وہ (ہوس بازوں
کی) ایذا رسانی سے محفوظ رہیں اور خدا وند عالم غفور ورحیم ہے
(۲۰۰)''

اس آیت کے نازل ہونے کے بعد عورتوں پر پردہ واجب ہوگیا۔ اس آیت کی شان نزول کے سلسلہ میں بہت سی روایتیں ہیں جن میں سے ہم بعض کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

۱- مسلمان عورتیں (آزاد، غلام وکنیز) مردوں کی طرح گھر سے باہر نکلتی تھیں اور نماز جماعت میں شرکت کے لئے مسجد میں آیا کرتی تھیں۔ ہوس باز لوگ ان کے راستے میں بیٹھے رہتے اور ان کو ستاتے تھے اور جب اندھیرا ہو جاتا تو آزاد

اور غلام عورتوں میں کوئی تمیز نہیں ہوتی اسی وجہ سے ساری عورتوں کو اذیت ہوتی تھی اور سب ان ہوس بازی کا شکار ہو جاتی تھیں یہاں تک کہ حجاب کی آیت نازل ہوئی اور مسلمان عورتیں خاص طور پر آزاد عورتیں شرعی حجاب میں آ گئیں اور تمام مملوک اور اہل کتاب عورتوں سے الگ ان کی پہچان ہو گئی اور اس طرح وہ ہوس بازوں کی اذیت سے محفوظ ہو گئیں۔(۲۰۱)

ایک دوسری روایت میں ہے کہ:

۲-ایک روز رسول خدا اپنی زوجہ حضرت عائشہ کے ساتھ کھانا کھا رہے تھے اس وقت کچھ اصحاب بھی آ گئے اور ساتھ میں کھانا کھانے لگے۔لقمہ اٹھاتے وقت آپ کے بعض اصحاب کا ہاتھ حضرت عائشہ کے ہاتھ سے لگ جا رہا تھا اور یہ چیز حضور اکرم ﷺ کو ناگوار گزر رہی تھی اور آپ کو بہت تکلیف دے رہی تھی یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی اور اس کے بعد عورتوں پر پردہ اور نامحرموں سے پرہیز واجب ہو گیا۔(۲۰۲)

اسی طرح سے سورہ نور کی تیسویں آیت کے شان نزول میں بھی کہا گیا ہے کہ چونکہ اس زمانہ میں عورتیں اپنے دوپٹے پیچھے ڈال دیتی تھیں جس سے ان کی گردنیں اور اس کے اطراف کا حصہ کھلا رہتا تھا اس لئے آیت آئی کہ مومن عورتوں کو چاہئے کہ وہ اپنے دوپٹے اپنے سینوں پر ڈال کر رکھیں۔اور اپنی زینت (میک اپ) کو ظاہر نہ کریں،تاریخی محققین بھی اس مسئلہ کی تائید کرتے ہیں۔(۲۰۳)

ایک اور مقام پر اس آیت کی شان نزول میں اس طرح آیا ہے کہ مرحوم کلینی اپنی سند کے ساتھ سعد اسکاف سے نقل کرتے ہیں کہ امام محمد باقرؑ نے فرمایا:

''انصار کا ایک جوان مدینہ میں ایک عورت سے روبرو ہوا۔اس زمانہ میں عورتیں اپنے دوپٹے اپنی پشت پر ڈال دیا کرتی تھیں جس کی وجہ سے ان کی گردن اور اس کے آس پاس کا حصہ کھل جایا کرتا تھا۔جب وہ عورت اس جوان کے پاس سے گذری تو اس نے سر گھمایا اور اس عورت کو دیکھتے ہوئے آگے بڑھا اسی طرح وہ پیچھے دیکھتے ہوئے آگے چلتا رہا اور ایک گلی میں داخل ہو گیا جہاں اس کا چہرہ کسی ہڈی یا شیشے سے جو دیوار سے نکلی ہوئی تھی لگا اور خون جاری ہو گیا جب وہ عورت آنکھوں سے اوجھل ہوئی تو اس کو ہوش آیا اس نے دیکھا کہ اس کا لباس خون سے تر ہے۔اس نے کہا خدا کی قسم رسول خدا کی خدمت میں حاضر ہو کر اس مسئلہ کو بتاؤں گا۔بس وہ رسول خدا کی خدمت میں حاضر ہوا۔آپ نے اس کی اس حالت کے بارے میں دریافت کیا اور اس نے پورا قصہ کہہ سنایا۔بس جبریل نازل ہوئے اور سورہ نور کی ۳۰/اور ۳۱/آیت سنایا''(۲۰۴)

سیوطی نے بھی ابن مردویہ سے حضرت علیؑ کے ذریعہ اس شان نزول کو نقل کیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حجاب کے سلسلہ کی یہ پہلی آیت ہے۔(۲۰۵)

مذکورہ سورہ احزاب کی آیت/۵۹ کے سلسلہ میں مولانا ابوالاعلی مودودی صاحب لکھتے ہیں کہ:

''یہ آیت خاص چہرے کو چھپانے کیلئے ہے،پھر انھوں نے آیت کے الفاظ کی لغوی تحلیل کر کے اس بات کو ثابت

کیا ہے اور اس کے بعد متعدد مفسرین کے نظریہ کو بیان کیا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ:

''اے نبی اپنی بیویوں، بیٹیوں اور مسلمانوں کی عورتوں سے کہہ دو کہ جب اپنے گھروں سے کسی حاجت کے لئے نکلیں تو لونڈیوں کے سے لباس نہ پہنیں کہ سر اور چہرے نہ کھلے ہوئے ہوں بلکہ وہ اپنے اوپر اپنی چادروں کے گھونگھٹ ڈال لیا کریں تا کہ کوئی فاسق ان سے تعرض نہ کر سکے اور سب جان لیں کہ وہ شریف عورتیں ہیں''(۲۰۶)

نیز علامہ ابوبکر جصاص لکھتے ہیں:

''یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ جوان عورت کو اجنبیوں سے چہرہ چھپانے کا حکم ہے اور اسے گھر سے نکلتے وقت پردہ داری اور عفت مآبی کا اظہار کرنا چاہئے تا کہ بدنیت لوگ اس کے حق میں طمع نہ کر سکیں''(۲۰۷)

اس کے بعد علامہ نیشاپوری کی تفسیر غرائب القرآن، امام فخر رازی کی تفسیر کبیر اور قاضی بیضاوی کی تفسیر بیضاوی کے اقوال کو نقل کر کے لکھتے ہیں کہ:

''ان اقوال سے ظاہر ہے کہ صحابہ کرام کے مبارک دور سے لے کر آٹھویں صدی تک ہر زمانہ میں اس آیت کا ایک ہی مفہوم سمجھا گیا ہے اور وہ مفہوم وہی ہے جو اس کے الفاظ سے ہم نے سمجھا ہے اس کے بعد احادیث کی طرف رجوع کیجئے تو وہاں بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت کے نزول کے بعد سے عہد نبوی میں عام طور پر مسلمان عورتیں اپنے چہروں پر نقاب ڈالنے لگی تھیں اور کھلے چہروں کے ساتھ پھرنے کا رواج بند ہو گیا تھا۔''(۲۰۸)

آپ اسلامی شریعت کا دقیق مطالعہ کریں گے تو یہ بات آپ پر واضح و روشن ہو جائے گی کہ اسلام میں حجاب کا مسئلہ نہ ہی وقتی ہے کہ کبھی تھا اور اب نہیں ہونا چاہئے اور نہ ہی حالات کے اعتبار سے ہے کہ بعض حالات میں ہے اور بعض حالات میں نہیں ہے۔ بلکہ یہ ایک شرعی حکم ہے جو ہمیشہ کے لئے ہے۔ اور نہ ہی مذکورہ آیات کسی دوسری آیت کے ذریعہ نسخ ہوئی ہیں۔ نیز اس سلسلہ میں علماء و محققین نے سیکڑوں کتابیں مختلف زبانوں میں تالیف و تصنیف کی ہیں اور تمام اسلامی مما لک اور مذہبی گھرانوں میں عورتیں حجاب کرتی ہیں اور آج چودہ صدیاں گزر جانے کے بعد بھی مسئلہ حجاب اسلامی و شرعی

ہے جو حالات کے بدلنے اور ترقیات کے ہونے کے باجود تبدیل نہیں ہے اور نہ ہوگا۔

محققین نے فلسفہ حجاب، فوائد حجاب، مفاسد حجاب جیسے موضوعات پر مفصل کتابیں تحریر کی ہیں اور خاص طور پر انیسویں صدی کے اواخر میں مغربی ممالک کی طرف سے حجاب پر کئے گئے سوالوں اور نظریات کے جواب میں بہت سے مقالے اور کتابیں تحریر کی گئی ہیں۔ اس سلسلہ میں مولانا مودودی نے بہت سخت لہجہ اختیار کیا ہے اور بڑی کڑی گولی دے ڈالی ہے وہ کہتے ہیں:

''یہ نقاب (veil) وہی ہے جس کو یورپ انتہا درجہ کی مکردہ اور گھناؤنی چیز سمجھتا ہے جس کا محض تصور ہی فرہنگی ضمیر پر ایک بار گراں ہے جس کو ظلم اور تنگ خیالی اور وحشت کی علامت قرار دیا جاتا ہے، اور جب یہ بیان کرنا ہوتا ہے کہ مشرقی قوم تہذیب وتمدن میں ترقی کررہی ہے تو سب سے پہلے جس بات کا ذکر بڑے انشراح وانبساط کے ساتھ کیا جاتا ہے وہ یہی ہے کہ اس قوم سے ''نقاب'' رخصت ہوگئی ہے، اب شرم سے سر جھکا لیجئے کہ یہ بعد کی چیز نہیں، خود قرآن نے اس کو ایجاد کیا ہے اور محمد ﷺ اس کو رائج کر گئے ہیں، مگر محض سر جھکانے سے کام نہ چلے گا۔ آپ اپنا سر جھکائیں تو ضرور جھک جائے گا مگر قرآن کی آیت نہ مٹے گی، نہ تاریخ سے ثابت شدہ واقعات محو ہوجائیں گے، تاویلات سے اس پر پردہ ڈالئے گا تو یہ شرم کا داغ اور زیادہ چمک اٹھے گا (جیسا کہ آج کے اسلامی فمینسٹ کررہے ہیں)

جب وحیِ مغربی پر ایمان لاکر آپ اس کو ''شرم کا داغ'' مان ہی چکے ہیں تو اس کو دور کرنے کی اب ایک ہی صورت ہے اور وہ یہ ہے کہ اس اسلام ہی سے اپنی برائت کا اعلان فرمادیں جو نقاب، گھونگھٹ اور سترِ وجوہ جیسی گھناؤنی چیز کا حکم دیتا ہے۔

آپ ہیں ترقی کے ''خواہش مند'' آپ کو درکار ہے ''تہذیب'' آپ کے سامنے وہ مذہب کیسے قابل اتباع ہوسکتا ہے جو خواتین کو شمع انجمن بننے سے روکتا ہو، حیا اور پردہ داری اور عفت مآبی کی تعلیم دیتا ہو، گھر کی ملکہ کو اہل خانہ کے سواہر ایک کے لئے قرۃ العین بننے سے منع کرتا ہو بھلا ایسے مذہب میں ترقی کہاں؟ اور ایسے مذہب کا ''تہذیب'' سے کیا واسطہ؟ ترقی اور تہذیب کے لئے تو ضروری ہے کہ عورت۔ نہیں لیڈی صاحبہ۔ باہر نکلنے سے پہلے دو گھنٹے تمام مشاغل سے دست کش ہوکر صرف اپنی تزیین وآرائش میں مشغول ہوجائیں، تمام جسم کو معطر کریں، رنگ ووضع کی مناسبت سے انتہائی درجہ کا جاذب نظر لباس زیب تن فرمائیں۔۔۔۔

پھر وہ آگے لکھتے ہیں کہ: جیسا کہ ہم بارہا کہہ چکے ہیں اسلام اور مذہبی تہذیب کے مقاصد میں بعد المشرقین ہے اور وہ شخص سخت غلطی کرتا ہے جو مغربی نقطہ نظر سے اسلامی احکام کی تعبیر کرتا ہے مغرب میں اشیا کی قدر وقیمت کا جو معیار ہے، اسلام کا معیار اس سے بالکل مختلف ہے، مغرب جن چیزوں کو نہایت اہم اور مقصود حیات سمجھتا ہے اسلام کی نگاہ میں ان کی کوئی اہمیت نہیں اور اسلام جن چیزوں کو اہمیت دیتا ہے مغرب کی نگاہ میں وہ بالکل بے قیمت ہیں۔ اب جو شخص مغربی معیار کا قائل ہے تو اس کو تو اسلام کی ہر چیز قابل ترمیم ہی نظر آئے گی'' (۲۰۹)

لہٰذا اسلامی تانیثیت کے حامی یہ بات سمجھ لیں کہ اسلام، اسلام ہے اس کے معیارات قابل تعبیر نہیں ہیں اور خاص طور پر اس صورت میں جب اس کا قانون جاودانی ہو۔تو پھر یہ کہنا صریحاً غلط ہے کہ اب اسلامی حجاب کی ضرورت نہیں ہے اس لئے کہ حجاب کا معیار بدل گیا ہے؟

☆اسلامی تانیثیت کا ایک نظریہ یہ ہے کہ:

''اسلام کی کوئی بھی توجیہ وقرائت مرد وعورت کے درمیان مساوات کو ظاہر نہیں کرتی''

اس کے قبل انتہا پسند تانیثیت اور حریت پسند تانیثیت کی فصل میں ہم اس موضوع پر تفصیل سے بحث کر آئے ہیں کہ اسلام میں کہیں بھی مرد وعورت کے درمیان کوئی فرق نہیں رکھا گیا ہے بلکہ ہر مقام پر عورت اور مرد کو مساوات کا درجہ دیتے ہوئے بات کہی گئی ہے۔اس سلسلہ میں ہم نے قرآن کریم کی آیات وروایات کا سہارا لیتے ہوئے اپنے مدعیٰ کو ثابت کیا ہے۔چنانچہ اس فصل میں میراث اور دیت کی گفتگو میں ہم اس بات کو واضح کر آئے ہیں کہ جو اعتراضات اسلامی احکام پر میراث کی تقسیم یا دیت کی ادائیگی کو لے کر کئے جاتے ہیں وہ بالکل بے بنیاد ہیں۔اور ہم نے وہاں واضح کیا ہے کہ میراث ہر جگہ عورت کی مرد سے آدھی نہیں ہے۔اور دیت مرد کی بنسبت عورت کی آدھی ہونے کا راز کیا ہے؟(اس فصل کی میراث اور دیت کی بحث کی طرف رجوع کریں)

رہی بات یہ کہ اگر کوئی مساوات کہہ کر مشابہت مراد لے تو اس کو بھی ہم اس فصل میں اور اس سے پہلے کی فصلوں میں واضح کر آئے ہیں کہ مساوات اور مشابہت میں فرق ہے۔اسلام حقوق میں مساوات کا تو قائل ہے لیکن مشابہت کا نہیں۔لہٰذا مرد اور عورت کے حقوق میں مساوات تو ہے لیکن مشابہت کسی بھی جہت سے ممکن نہیں ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلام دین عدل ہے اور عدل کا تقاضہ حقوق کو مساوات کے ساتھ ادا کرنا ہے مشابہت کے ساتھ نہیں۔اس لئے کہ مشابہت کے ساتھ حق معین کرنے میں حق تلفی ہوتی ہے اور ظلم ہوتا ہے اور اسلام کسی پر ظلم نہ کرتا ہے اور نہ کرنے کی حمایت کرتا ہے۔

لہٰذا اسلام کی کوئی بھی صحیح توجیہ اور صحیح قرائت جو غرض وتعصب سے خالی ہو اسلام کے اندر مرد وعورت کے درمیان مساوات ہی کو ظاہر کرتی ہے۔لیکن شرط یہ ہے کہ اسلام کو اسلام کی نظر سے دیکھا جائے، الٰہی دید سے اس کی توجیہ وتعریف کی جائے، مغربی چشمہ لگا کر اگر اسلام کی توجیہ کی جائے گی تو اس میں جگہ جگہ عدم مساوات اور ظلم وستم نظر آئے گا اس لئے کہ مغرب کا معیار اور ہے اور اسلام کا معیار اور ہے۔عالم مادہ تک محدود رہ جانے والوں کی فکر ونظر اور ہے اور ماورائے مادہ بھی کسی وجود کے قائل کے فکر کی پرواز کے حدود اور ہیں۔

☆اسلامی تانیثیت کا ایک نظریہ یہ ہے کہ:

''ہمیں چاہئے کہ اجتہادی طریقوں سے مردسالاری طریقوں کو ختم کریں''

سب سے پہلی بات تو یہ کہ اجتہادی طریقوں سے آپ کا کیا مقصد ہے؟ کہ جہاں سے آپ مردسالاری طریقوں کو ختم کرنا چاہتے ہیں، ہم نے اس فصل میں اس بات کو واضح کیا ہے کہ اجتہاد اور استنباط کچھ اصولوں کے معیار پر ہوتا ہے

۔وہ اصول علم اصول الفقہ کی کتابوں میں تفصیل سے تحریر ہیں جن سے استفادہ کرنے کا حق سب کو ہے ان اصولوں کے معیار پر کوئی بھی استنباط کرسکتا ہے۔چنانچہ ایک عورت بھی ان اصولوں کے معیار پر استنباط کر کے احکام اسلام کو حاصل کرسکتی ہے اس سلسلہ میں کوئی پابندی نہیں ہے۔

یادرہے کہ اجتہاد کے بھی طریقے ہیں ان میں کسی کی کوئی سالاری نہیں ہے ۔نہ مردسالاری نہ زن سالاری، اصول،احکام کو حاصل کرنے کے لئے بنائے گئے ہیں جن کا نتیجہ قرآن وحدیث سے احکام شرعی کا حصول ہے اور اول تو ان اصولوں کے ذریعہ جو احکام حاصل ہوتے ہیں اسلامی بنیادی قانون عدل کے مطابق ہوتے ہیں جس میں مرد اور عورت کسی پر ظلم وزیادتی نہیں ہوتی اور اگر بالفرض یہ مان لیا جائے کہ ان اصولوں کے ذریعہ حاصل شدہ کسی حکم میں کسی صنف کی حق تلفی ہورہی ہے تو یقیناً کہیں نہ کہیں استناط میں مجتہد کو غلطی ہوتی ہے تو ایسی صورت میں اس کو اپنے اجتہاد پر نظر ثانی کرنا ہوگی۔

☆اسلامی تانیثیت کا ماننا ہے کہ:

''عورت ومرد کے درمیان جنسی فرق کی بنا پر حقوق میں فرق نہیں ہونا چاہئے''

اس سلسلہ کی گفتگو اس باب میں ہم پہلے کر چکے ہیں اور یہ بات ثابت کر چکے کہ مرد اور عورت کے درمیان جسمانی اور نفسانی اعتبار سے فرق پایا جاتا ہے اور اسلامی تانیثیت بھی اس بات کو قبول کرتی ہے کہ مرد وعورت میں فرق ہے مگر سوال یہ ہے کہ کیا جسمانی فرق حقوق میں فرق ہونے کا باعث ہے؟

اس سوال کے جواب میں بہت سے نظریات سامنے آتے ہیں جن میں دو اہم یہ ہیں:

ا-یہ کہ جنسیت کا انسانیت میں کوئی کردار نہیں ہے۔یعنی جنسیت انسان کے نقص وکمال یا قوی وضعیف ہونے کا سبب نہیں ہے اس کے باوجود قانون سازی میں جنسیت موثر ہے اور حقوق کے فرق کا سبب بنتی ہے۔

۲-یہ کہ جنسیت نہ صرف یہ کہ اصل انسانیت میں بلکہ حقوق کے مسائل میں بھی کوئی اثر نہیں رکھتی۔

پہلا نظریہ الٰہی نظریہ اور دوسرا نظریہ غیر الٰہی یعنی مادی نظریہ ہے۔

فلسفی دلائل سے یہ بات ثابت ہے کہ مرد یا عورت ہونا اصل انسانیت میں کوئی خلل نہیں ڈالتا (یعنی جس طرح ایک مرد انسان ہے اسی طرح عورت بھی ایک انسان ہے)اس لئے کہ جنسیت ایک عارضی امر ہے کہ جو ذات پر عارض ہوتی ہے نہ کہ ایک ذاتی امر کہ جو جوہری فرق کا سبب بنے۔

اس نظریہ کے اعتبار سے جنسیت ایک امر عارضی ہے جو ذات کے علاوہ ہے کہ جس کی وجہ سے مرد وعورت دو صنف میں تقسیم ہوتے ہیں یہاں اصل مسئلہ یہ ہے کہ کیا یہ فرق اس نوعیت کا ہے کہ جو حقوقی فرق کا سبب بنتا ہے؟

الٰہی یعنی اسلامی نقطہ نظر سے یہ فرق ایسا نہیں ہے جو حقوق میں فرق کا سبب بنے۔جیسے رنگ کے اعتبار سے کالا یا گورا ہونا حقوق میں فرق کا سبب نہیں ہوتا ہے لہٰذا اگر کوئی حقوقی فرق دیکھ کے آتا ہے تو یہ فرق ایک غیر فطری امر ہے جو حالات وتہذیب وتمدن اور سماج کی بنیاد پر ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ جنسیت کی بنیاد پر جو صنفی فرق پیدا ہوا ہے وہ کس حد تک ہے،اور اس فرق کا سرچشمہ کیا ہے؟اگرعورت ومرد کے درمیان اس فرق کا سرچشمہ امر ذاتی یا امر عرضی (عرض لازم، جو ہمیشہ ذات کے ساتھ ہے) کو مانا جائے تو یہ فرق ہمیشہ کے لئے ہوگا۔مثلاً اگرعورت ومرد کے درمیان اس فرق کا سرچشمہ ایک فطری امر فرض کیا جائے یا عورت ومرد دونوں کوجسمانی اورنفسانی لحاظ سے دوالگ الگ وجودتصور کیا جائے تو اس صورت میں ان کے فرق ہمیشہ کے لئے ہوں گےاورنتیجہ میں ان دونوں کے درمیان حقوقی اختلاف ہمیشگی ہوگا۔لیکن اگرفرق کا سرچشمہ ایک ایسی چیزفرض کی جو خارج از ذات ہےاورعرض (عرض مفارق) ہےتو مثلاً حالات،شرائط،موقعیت،سماج یاسیاست،تو ایسی صورت میں یہ فرق دائمی نہیں ہوگا بلکہ بعض حالات میں ہوگااور بعض حالات میں نہ ہوگا۔لہٰذاحقوق کا فرق بھی دائمی نہیں ہوگا۔

اس فرض کے اعتبار سے کہ مردوعورت کے درمیان فرق دائمی وہمیشگی ہے مردوعورت مکمل طور پرفطرت میں مختلف ہیں۔یعنی حیاتی،نفسیاتی اوراحساسات کے اعتبار سے دونوں میں فرق ہے۔مثلا جسمانی اعتبار سے مردمتوسط اور گٹھیلے بدن کا ہوتا ہے اورعورت چھوٹی ہوتی ہے،عورت کی جسمانی نش ونما تیز اور مرد کی آہستہ ہوتی ہے،نفسیاتی لحاظ سے عورت کے احساسات وجذبات مرد کی بنسبت زیادہ پر جوش ہوتے ہیں یعنی عورت اپنی پسند کی چیز سے جلد متاثر ہوجاتی ہے وغیرہ۔۔۔۔۔

انھیں فطری فرق کی وجہ سے ان کے درمیان حقوق میں مشابہت ممکن نہیں ہےاس سلسلہ میں شہید مطہری لکھتے ہیں کہ:

> ’’اسلام کی نظر میں ہرگز یہ مسئلہ مورد بحث نہیں ہے کہ کیا مردو
> عورت انسانیت میں مساوی ہیں یانہیں ؟ اسلام کی نظر میں
> مردوعورت دونوں انسان ہیں اورانسانی حقوق سے برابری سے
> بہرمند ہیں۔اسلام کی نظر میں جو چیز قابل بحث ہے وہ یہ ہے کہ
> عورت ومرداس اعتبار سے کہ ایک عورت ہے مرد سے کئی جہات
> سے مشابہ نہیں ہیں،ان کی خلقت وفطرت ایک جیسی نہیں ہے،
> یہی وجہ ہے کہ بہت سے حقوق وتکالیف اور جزاوسزا میں مردوں
> سے مشابہ نہ ہوں‘‘

جنسیت اس بات کا سبب ہے کہ عورت ومرد دوصنف ایک نوع کے تحت قرار پائیں لہٰذاان کے درمیان حقوقی فرق ضروری ہے۔بالفاظ دیگر جنسیت کا تقاضا ہے کہ ان کے درمیان فرق ہمیشہ رہے۔اوراس کے نتیجہ میں حقوق میں بھی فرق دائمی ہو۔

ہرفطری صلاحیت ایک فطری حق کے لئے سند ہوتی ہے اور یہی فطرت مردوعورت کے درمیان حقوقی تناسب کا

سبب بنتا ہے نہ کہ حقوق کی مشابہت کا۔عورت اگر چاہتی ہے کہ اس کے حقوق مرد کے حقوق کے مساوی اور اس کی سعادت مرد کی سعادت کے مساوی ہو تو اس کا ایک راستہ یہ ہے کہ حقوق کی مشابہت کو ختم کردے اور مرد کے لئے اس کی مناسبت سے اور اپنے لئے اپنی مناسبت سے حقوق کی قائل ہو جائے۔اس صورت میں دونوں کے حقوق مساوی ہو جائیں گے۔اس لئے کہ دونوں فطرت کے تقاضے کو مدنظر رکھ کر ان کی فطری بات کے مطابق حق دیا جائے گا۔اور یہی ہے مساوات حقوق''(۲۱۰)

لہٰذا اسلام جنسی فرق کی بنیاد پر حقوق میں فرق نہیں کرتا بلکہ مساوات کی تائید کرتے ہوئے مشابہت کا انکار کرتا ہے کہ مرد وعورت کے حقوق میں مشابہت ممکن نہیں ہے۔

حوالہ جات باب پنجم

۱۔(مقالہ تانیثیت ۔غلام شبیر رانا۔ ماخوذ از انٹرنٹ)

۲۔(سورہ حجرات ۔آیت ۱۳)

۳۔(سورہ آل عمران ۔آیت ۱۹۵)

۴۔(سورہ آل عمران ۔آیت ۱۹۵)

۵۔(سورہ حجرات، آیت ۱۳)

۶۔(سورہ بقرہ، آیت ۳۵، ۳۶)

۷۔(سورہ اعراف، آیت ۱۹-۳۳)

۸۔(طباطبائی محمد حسین المیزان، مترجم موسوی ہمدانی، محمد باقر۔ج ۲، ص ۳۹۷۔دفتر انتشارات)

۹۔(مسعود معصومی۔ فمینسم در یک نگاہ۔ص ۲۶)

۱۰۔(اسلاملو، نعیمہ و دیگران، زن ستم تاریخی ستم برابری۔ص ۸۰، موسسۂ فرہنگی ہنری خیبر۔ تہران۔ طبع اول، ۱۳۸۹ھ ش)www.islamquest.net

۱۱۔(www.uruduweb.org/mehfil)

۱۲۔(ماخوذ از www.ruduweb.org/mehfil)

۱۳۔(سورہ المائدہ۔ آیت ۵)

۱۴۔(روایت احمد ونسائی)

۱۵۔(روایت احمد ونسائی)

۱۶۔(روایت احمد)

۱۷۔(علامہ سید محمد حسین فضل اللہ۔ اسلام زن وجستاری تازہ۔ص ۵۵)

۱۸۔(سید مسعود معصومی، فمینسم در یک نگاہ۔ص ۳۴)

۱۹۔(کافی، جلد ۵، ص ۲۶۶، عوالی اللئالی، ج ۴، ص ۱۰۳)

۲۰۔(ناصر مکارم شیرازی۔ پنجاہ درس اصول عقائد برای جوانان۔ص ۸۱)(www.tebyan.zn.ir)

۲۱۔(شہید مرتضیٰ مطہری۔ اسلام میں خواتین کے حقوق، ص ۲۰۴-۲۱۴)

۲۲۔(سورہ مائدہ۔آیت/۳۲)

۲۳۔(www.al-shia.org)

۲۴۔(سورہ نحل۔آیت/۹۷)

۲۵۔(سورہ مومن۔آیت/۴۰)

۲۶۔(سورہ نساء۔آیت/۱۲۴۔تعدد زوجات ومقام زن در اسلام۔علامہ محمد حسین طباطبائی،ص/۱۰)

۲۷۔(maarif.prseman.ir)

۲۸۔(عدالت بین مرد وزن)(aool.blogsky.com.post 15)

۲۹۔(حقوق مساوی بین زنان ومردان۔(mowa.gov.af)

۳۰۔(www.islamquest.net/fa/archive)مقالہ حسین شرفی

۳۱۔(سورہ نحل،آیت/۵۸-۵۹)

۳۲۔(www.gulcheen.persionblog.ir/post 14)

۳۳۔(سورہ نساء،آیت/۷)

۳۴۔مقالہ احمد ذکریا نصرتی۔(www.moj.vov.of)(gulcheen.persianblog)

۳۵۔(فہیم کرمانی۔ص/۱۷بہ نقل از حر عاملی۔وسائل الشیعہ۔ج/۱،ص/۴۵۷)

۳۶۔(فہیم کرمانی۔ص/۲۶ بہ نقل از حر عاملی ۔ وسائل الشیعہ ۔ ج/۱،ص/۴۵۷۔نقل از طبقات ابن سعد ۔ج/۵۔ص/۳۱۱)

۳۷۔(رازی۔تفسیر کبیر)

۳۸۔(زمخشری،ج/۱۔ص/۸۶۹)

۳۹۔(مقالہ شفیعی مازندرانی۔۱۳۸۸ھ)

۴۰۔(مقالہ فہیم کرمانی۔ص/۱۱)

۴۱۔(سورہ نساء،آیت/۳۲)

۴۲۔(سورہ نور،آیت/۴)

۴۳۔(سورہ نور،آیت/۲۳)

۴۴۔(www.farsnews.com)

۴۵۔(سید محمد باقر حجتی۔تعلیم وتعلم در اسلام،دفتر نشر فرہنگی اسلامی۔ص/۴۳۔چاپ ۲۴-۱۳۷۸ھ)

۴۶۔(سورہ علق،آیت/۱-۵)

۴۷۔(محمد تقی فلسفی، گفتار فلسفی۔آیت الکرسی،ہیأت نشر معارف اسلام۔چاپ۔۳۔۱۳۵۱ھ۔ص/۳۱۵-۳۱۷)

۴۸۔(سورہ زمر۔آیت/۹)

۴۹۔(سورہ علق۔آیت/۵)

۵۰۔(www.thefatwa.com/urdu)

۵۱۔(سورہ نساء،آیت/۳۳)

۵۲۔(مجمع الزوائد۔نورالدین ہیثمی۔ج/۴۔ص/۳۲۷)

۵۳۔(پردہ۔سید ابوالاعلی مودودی۔ص/۵۴)

۵۴۔(فریب تمدن۔اکرام اللہ۔ایم اے۔ص/۱۵۸۔افکار عالم اسیر ادروی۔ج/۱۔ص/۲۲۶)

۵۵۔(صدق جدید،عبدالماجد دریابادی۔۶/جنوری ۱۹۵۶ء۔فریب تمدن۔اکرام اللہ۔ایم اے۔ص/۱۸۹۔ افکار عالم اسیر ادروی ج/۱،ص۲۲۹)

۵۶۔(ماہ نامہ دارالعلوم۔شمارہ-۲-جلد ۹۶،ربیع الاول ۱۴۳۳ھ فبروری ۲۰۱۲ء)
(www.darululoom_deoband.com/urdu/magazine)

۵۷۔(طبقات الکبری۔ج/۸،ص/۴۴۵،الاصابۃ۔ج/۴،ص/۴۷۱)

۵۸۔(فروع کافی۔ج/۵،ص/۶۱۔سنن ترمذی۔ج/۴،ص/۱۲۶)

۵۹۔(سورہ آل عمران۔آیت/۱۹۵)

۶۰۔(سورہ نساء۔آیت/۱۲۴)

۶۱۔(سورہ نحل۔آیت/۹۷)

۶۲۔(سید مسعود معصومی،فمنیسم در یک نگاہ۔ص/۳۹،ڈاکٹر آمنہ تحسین،مطالعات نسواں)

۶۳۔(درآمدی جامع برنظریہ ھای فمینستی،ترجمہ منیژہ نجم عراقی۔ص/۸۵)

۶۴۔(www.farsnews.com) پایگاہ اطلاع رسانی حجۃ الاسلام صدیقی
(sadighi.ir/index.aspx)(ڈاکٹر مہدی رضوی)

۶۵۔(سورہ بقرہ۔آیت/۳۱)

۶۶۔(سورہ بقرہ۔آیت/۵۳)

۶۷۔(شیخ صدوق۔جامع الاخبار،ص/۱۰۳-۱۰۲)

۶۸۔(سورہ روم۔آیت/۲۱)

۶۹۔(سورہ بقرہ۔آیت/۱۸۷)

۷۰۔(سورہ نساء۔آیت/۱۹)

۷۱۔(علامہ محمد باقر مجلسی۔بحارالانوار ج۔۷۱،ص/۱۵۸)

۷۲۔(شیخ حر عاملی۔وسائل الشیعہ۔ج/۲۰،ص/۱۵۸)

۷۳۔(شیخ حر عاملی۔وسائل الشیعہ،ج/۲۰،ص/۲۴۶)

۷۴۔(سورہ نساء۔آیت/۴)

۷۵۔(شہید مطہری۔نظام حقوق زن در اسلام۔ص/۱۸۴)

۷۶۔(سورہ نساء۔آیت/۳۲)

۷۷۔(سورہ نساء۔آیت/۷)

۷۸۔(سورہ اعراف۔آیت/۱۸۹)

۷۹۔(شہید مطہری۔نظام حقوق زن در اسلام۔ص/۲۱۲)

۸۰۔(سورہ نساء۔آیت/۳۴)

۸۱۔(مستدرک الوسائل۔ج/۲،ص/۵۵۱)

۸۲۔(سورہ تحریم۔آیت/۶)

۸۳۔(علامہ محمد باقر مجلسی۔بحارالانوار،ج/۴۷،ص/۵)

۸۴۔(www.ibrahimamini.com/fa/node/95)

۸۵۔(رسالہ حقوق امام سجادؑ)

۸۶۔(سورہ ذاریات۔آیت/۱۴)

۸۷۔(ابراہیم۔آیت/۳۴)

۸۸۔(اقتصاد در مکتب اسلام،امام موسی صدر،مقدمہ پاورقی علی حجتی کرمانی۔ص/۱۳)

۸۹۔(فمینسم در یک نگاہ،سید مسعود معصومی۔ص۔۳۹-۴۹)

۹۰۔(فرہنگ انگلیسی،فارسی،آریان پور)

۹۱۔(پاملا آبوت وکلر والاس ''فرہنگ واژہ ھا واصطلاحات'' در جامعہ شناسی زنان۔ترجمہ،منیژہ نجم عراقی،چاپ چہارم۔تہران۔نشرنئ ۱۳۸۵۔ص/۳۲۴)

۹۲۔(سورہ نساء۔آیت/۳۴)

۹۳۔(Eshahe.com)

۹۴۔(تفسیر نمونہ۔ناصر مکارم شیرازی۔ج ۳/ص ۳۷۰)

۹۵۔(سورہ شوریٰ۔آیت/۴۹)

۹۶۔(سورہ نحل۔آیت/۵۸۔۵۹)

۹۷۔(صحیح مسلم/۲۶۳۱)

۹۹۔(ترمذی/۱۹۱۶۔ابوداؤد/۵۱۴۷۔ابن ماجہ/۳۶۶۹)(Islamqa.com)

۹۹۔(مقالہ:معصومہ حیدری۔Kitab.iec-md.org)

۱۰۰۔(بقرہ۔آیت/۶۵۔اعراف۔آیت/۱۹)

۱۰۱۔(Library.islamweb.net)

۱۰۲۔(سورہ روم/۲۱۔تفسیر المیزان/ج ۱۵۔المومنون/۶۔کے ذیل میں)

۱۰۳۔(تعلیم و تربیت در اسلام۔شہید مطہری۔ص/۲۵۲)

۱۰۴۔(سورۂ روم۔آیت/۲۱)

۱۰۵۔(Porseman.org/q/show.aspx)

۱۰۶۔(Schizophrenia ایسا مرض ہے جس سے انسان کی قوت فکر متاثر جاتی ہے۔شجو فرینیہ)

۱۰۷۔(ایمانی۔محسن۔۱۳۷۴ھ۔رابطہ ازدواج وسن بالا،تربیت،سال دہم ویژہ نامہ ی تابستان۔۷۴
ravagh.mehrkhane.com/blog/1392۔)

۱۰۸۔(سورہ ابراہیم۔آیت/۴۵)

۱۰۹۔(سورہ مریم۔آیت/۳۲)

۱۱۰۔(سورہ احقاف۔آیت/۱۵)

۱۱۱۔(شیخ صدوق،من لایحضرہ الفقیہ،ج/۲۔ص/۴۶۰۔۴۶۱ old.ido.ir.aspx.?a)

۱۱۲۔(daneshnameh.roshd.ir/mavara)

۱۱۳۔(سورہ شوریٰ۔آیت/۴۹)

۱۱۴۔(مقالہ۔مریم صفامنش۔زن از مادر سالاری تا فمینسم۔ہمشہری۔۲۵/مہر ۱۳۸۸ھ hamshahrionline.ir

۱۱۵۔(ڈاکٹر رجب علی مظلومی۔مادر سالاری بشرطیکہ۔۔۔۔۔بینات ۱۹۹۳ء۔۱۲۔۱۴۔tebyan.net)

۱۱۶۔(سورہ حدید۔آیت/۲۵)

۱۱۷۔(سورہ نساء۔آیت/۵۸)

۱۱۸۔(سورہ نحل۔آیت/۹۰)

۱۱۹۔(سورہ مائدہ۔آیت/۲)

۱۲۰۔(سورہ ذاریات۔آیت/۴۹)

۱۲۱۔(سورہ یس۔آیت/۳۶)

۱۲۲۔(علامہ محمد حسین طباطبائی۔ترجمہ تفسیر المیزان۔ج/۱۷۔ص/۱۳۰)

۱۲۳۔(ناصر مکارم شیرازی۔تفسیر نمونہ۔ج/۲۲۔ص/۳۷۶)

۱۲۴۔(سورہ مومنون۔آیت/۷)

۱۲۵۔(سورہ ہود۔آیت/۱۱۳)

۱۲۶۔(مسعود معصومی۔فمنیسم در یک نگاہ،ص/۴۲)

۱۲۷۔(شہید مطہری۔نظام حقوق زن در اسلام۔ص/۱۶۳)

۱۲۸۔(مولانا اشرف علی تھانوی۔بہشتی زیور۔دسواں حصہ۔ص/۵۶۸۔۵۶۴)

۱۲۹۔(سورہ بقرہ۔آیت/۳۵۔سورہ اعراف۔آیت/۱۹)

۱۳۰۔(سورہ روم۔آیت/۲۱)

۱۳۱۔(ناصر مکارم شیرازی۔تفسیر نمونہ جلد/۱۶۔ص/۳۹۲)

۱۳۲۔(سورہ بقرہ۔آیت/۱۸۷)

۱۳۳۔(سورہ نور،آیت/۳۲)

۱۳۴۔(شیخ حر عاملی۔مستدرک الوسائل۔ج/۱۴۔ص/۱۵۴)

۱۳۵۔(محمد باقر مجلسی۔بحار الانوار ج/۱۰۳۔ص/۱۲۲)

۱۳۶۔(شیخ صدوق۔من لا یحضرہ الفقیہ۔ج/۳۔ص/۲۵۱)

۱۳۷۔(نظام خانوادہ در اسلام۔استاد حسین انصاریان سے ماخوذ)

۱۳۸۔(شیخ حر عاملی۔وسائل الشیعہ،ج/۱۶۔ص/۲۶۶۔۲۶۷)

۱۳۹۔(شیخ حر عاملی۔وسائل الشیعہ،ج/۱۶۔ص/۲۶۸)

۱۴۰۔(رسالہ امید انقلاب تیر ماہ ۱۳۸۷۔شمارہ ۳۹۱،hawzah.net)

۱۴۱۔(مکارم شیرازی۔تفسیر نمونہ۔تہران،دار الکتب الاسلامیہ ۱۳۶۳ش۔ج/۱۶۔ص/۲۷۵)

۱۴۲۔(مکارم شیرازی۔تفسیر نمونہ۔تہران،دار الکتب الاسلامیہ ۱۳۶۳ش۔ج/۸۔ص/۱۹۳)

۱۴۳۔(مکارم شیرازی۔تفسیر نمونہ۔تہران،دار الکتب الاسلامیہ ۱۳۶۳ش۔ج/۸۔ص/۱۹۳۔بہ نقل از تفسیر

برہان۔ج ۲/۔ص ۲۳۱/)

۱۴۴۔(جواہر الکلام۔ج ۴۱/۔ص ۳۸۸/)

۱۴۵۔(Porseshkadeh.com)

۱۴۶۔(مولانا ابوالاعلیٰ مودودی۔تفہیم القرآن۔ج ۲/۔ص ۵۲/ Mubashirnazir.org)

۱۴۷۔(سورہ مومنون، آیت ۷/)

۱۴۸۔(یک دوست دات کام 1doost.com)

۱۴۹۔(momtaznews.com)

۱۵۰۔(u.r.m.wikipedia.org)

۱۵۱۔(مولانا ابوالاعلیٰ مودودی۔پردہ۔ص ۶۷/)

۱۵۲۔(Fa.wikipeedia.org)

۱۵۳۔(www.rajanews.com/news/61528)

۱۵۴۔(www.alef.ir)

۱۵۵۔(مجمع البیان تفسیر قرآن۔ج ۱۰/۔ص ۶۷۴/)

۱۵۶۔(سورہ تکویر۔آیت ۹/)

۱۵۷۔(www.nvf-kordestan.ir/aqs/view/1534)

۱۵۸۔(لنکرانی ،محمد فاضل ،جامع المسائل ج ۱/۔ص ۵۱۵/ www.tebyan.net/new index.asq?pid =255537)

۱۵۹۔(www.islamqa.infa/ur/115954)

۱۶۰۔(ناصر مکارم شیرازی۔تفسیر نمونہ۔ج ۱۲/۔ص ۱۰۱/)

۱۶۱۔(سورہ مائدہ/آیت ۲۳/)

۱۶۲۔(سورہ نساء۔آیت ۳۹/)

۱۶۳۔(عدل الٰہی شہید مطہری، انتشارات اسلامی ۱۳۶۱۔ص ۱۳۱/۔۱۳۲)

۱۶۴۔(www.naslejavan.parsiblog.com/posts/135)

۱۶۵۔(مولانا مودودی۔پردہ۔ص ۱۳۷/)

۱۶۶۔(سورہ احقاف۔آیت ۱۵/)

۱۶۷۔(www.danesh.roshd.ir/mavara-index.php)

۱۶۸۔(سورہ مریم۔آیت/۱۸)

۱۶۹۔(سید مسعود معصومی۔فمنیسم در یک نگاہ۔ص۔۵۰)

۱۷۰۔(سورہ مومنون۔آیت/۱۲۔۱۴)

۱۷۱۔(www.tebyan.net/newindex.aspx?pid=189889)

۱۷۲۔(سورہ نساء۔آیت/۲۳)

۱۷۳۔(سورہ توبہ،آیت۔۳۴/)

۱۷۴۔(امام خمینی۔تحریرالوسیلہ۔ج/۲ص/۲۸۷)

۱۷۵(نظریات فمینسم اسلامی در بارہ حجاب۔حقوق زن)

۱۷۶۔(سید مسعود معصومی۔فمینسم در یک نگاہ۔ص/۵۱۔۵۷،زن و جنسیت در اسلام و ریشہ ہای تاریخی جدال امروز۔لیلا احمد۔ترجمہ فاطمہ صادقی)

۱۷۷۔(سورہ بقرہ،آیت/۲۱۶)

۱۷۸۔(سورہ تین،آیت/۴)

۱۷۹۔(سورہ حجرات،آیت/۱۳)

۱۸۰۔(سورہ آل عمران،آیت/۱۹۳)

۱۸۱۔(سورہ نساء،آیت/۱۲۴)

۱۸۲۔(سورہ نحل،آیت/۹۷)

۱۸۳۔(سورہ نحل،آیت/۵۸)

۱۸۴۔(سورہ تکویر،آیت/)

۱۸۵۔(سورہ احزاب،آیت/۲۵)

۱۸۶۔(سورہ نساء،آیت/۳۲)

۱۸۷۔(سورہ نساء،آیت/۷)

۱۸۸۔(نظام حقوق زن در اسلام۔شہید مطہری،ص/۱۱۸)

(www.welayatnet.com/fa/news/71048

۱۸۹۔رہروان ولایت

۱۹۰۔(حرعاملی ،وسائل الشیعہ،ج /۲۶۔ص/۹۳۔شیخ طوسی،تہذیب الاحکام /ج/۹، ص/۴۷۱۔ص۲۷۵۔الکافی،ج/۷،ص/۸۵،نظام حقوق زنان در اسلام۔شہید مطہری۔ص/۲۲۷)

(www.tebyan.net/newindex.aspx?pid=245389)

۱۹۱۔(عبداللہ جوادی عاملی۔زن در آینہ جلال و جمال،ص/۳۴۶)

۱۹۲۔(حر عاملی،سائل الشیعہ،ج/۱۷،ص/۴۳۷)(www.soslcity.ir/npde/151)

۱۹۳۔(سورہ نساء۔آیت/۱۳۵)

۱۹۴۔(www.mesbahyazdi.org/lib/porseshs/eh2-3.htm)(محمد تقی مصباح یزدی۔جزہ حقوق وسیاست در قرآن۔درس۔۳۱)

۱۹۵۔(سورہ نور،آیت ۶۔۹)

۱۹۶۔(ناصر مکارم شیرازی،تفسیر نمونہ،ج۔۸۔ص۱۷۹)

۱۹۷۔(سورہ یس،آیت/۱۷)

۱۹۸۔(سید مسعود معصومی۔فمینیسم در یک نگاہ۔ص/۵۵)

۱۹۹۔(الطبقات الکبریٰ۔ج/۸،ص/۱۷۶)

۲۰۰۔(سورہ احزاب،آیت/۵۹)

۲۰۱۔(تفسیر القمی ج/۲،ص/۱۹۶۔تفسیر نور الثقلین ج/۴،ص/۳۰۷)

۲۰۲۔(فتح الباری۔ج،۴۔ص/۲۱۹)

(www.waredi.ir/index.php/2016-01-09)

۲۰۳۔(جواد علی۔المفصل فی تاریخ العرب۔ج/۴،ص/۶۱۷۔یحیی جبوری،الجاہلیۃ/ص/۲۷۔مرتضیٰ مطہری مجموعہ آثار۔ج/۱۹،ص/۸۳۶۔ص/۳۹۱)

۲۰۴۔(محمد کلینی۔کافی۔ج/۵،ص/۵۲۱)

۲۰۵۔(محمد حسین طباطبائی۔المیزان،ج/۱۵،ص/۱۱۶۔فتح القدیر۔ج/۴،ص۲۳ سے ماخوذ)www.pasokhgoo.ir/node/6335

۲۰۶۔(تفسیر ابن جریر۔ج/۲۲،ص/۲۹)

۲۰۷۔(ابوبکر جصاص۔احکام القرآن۔ج/۳،ص/۴۵۸)

۲۰۸۔(پردہ۔ابوالاعلیٰ مودودی۔ص/۲۲۶)

۲۰۹۔(پردہ۔مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی،ص/۲۲۸

۲۱۰۔(www.howzah.net/fa/articlc/vi86527)

باب ششم

اختتامیہ

باب ششم

اختتامیہ

باب ششم

اختتامیہ

تانیثیت یا فیمنزم (Feminism) کی اصطلاح اٹھارہویں صدی کے اواخر کی دین ہے جس وقت خواتین کی آزادی اور ان کے حقوق کی بازیابی کی آواز عالم مغرب سے اٹھی اور اس سلسلہ میں تحریکیں شروع ہوئیں اور ان تحریکوں کو آہستہ آہستہ تانیثیت یا فیمنزم کا نام دیا گیا۔ اگر چہ اس لفظ نے کئی تاریخی ادوار دیکھے ہیں لیکن دور حاضر میں اب یہ لفظ اس قدر عام ہو گیا ہے کہ تانیثیت کا لفظ آتے ہی سننے والے کے ذہن میں خواتین اور خواتین کے متعلق مسائل اور خاص طور سے ان پر ہونے والے ظلم وستم اور حقوق کی بازیابی کے لئے کوششوں اور تحریکوں کا تصور آجاتا ہے۔ لہٰذا تانیثیت کی مختصر تعریف یوں کریں گے کہ تانیثیت یعنی ''ہر وہ گفتگو یا عمل جو خواتین کے حق میں ہو'' اور اس سے متعلق افراد کو فیمنسٹ کہیں گے اس لئے کہ تانیثیت سے اب انھیں چیزوں کا تبادر ہوتا ہے۔

تانیثی تحریکوں کا نقطۂ آغاز اٹھارہویں صدی کے اواخر کو مانا جاتا ہے جب عورتوں پر ہونے والے ظلم وستم کا پیمانہ لبریز ہونے لگا تھا اور آہستہ آہستہ اس کے خلاف لب کشائی کی جراتیں ہونے لگیں، لیکن ابھی یہ نہ صدا تھی نہ صدائے بازگشت، لیکن اٹھارہویں صدی کے اختتام اور انیسویں صدی کے آغاز واوائل تک یہ پیمانہ چھلک اٹھا اور خواتین پر ہونے والے مظالم کے خلاف نہ صرف یہ کہ آوازیں اٹھنے لگیں بلکہ عورتیں اپنے حقوق کا مطالبہ بھی کرنے لگیں۔

پھر ان تحریکوں کا نام پڑا اور تانیثیت کی تاریخ کی تین بڑی لہریں انیسوں صدی کے اوائل سے اٹھیں جس نے پوری دنیا میں عالم نسواں میں انقلاب پیدا کر دیا۔ اور خواتین نے نہ صرف یہ کہ اپنے حقوق کو منوا لیا بلکہ انھیں حاصل بھی کر لیا اور اس دوران تانیثیت کے کئی ایک نظریات سامنے آئے۔ ان نظریات میں خواتین کی حیثیت کو پست کرنے والے عوامل اور ان کے استحصال نیز سماجی و ثقافتی جبر کے اسباب کی نشاندہی کی گئی اور سوال اٹھائے گئے اور یہ نظریات مختلف تحریکات کی شروعات کا باعث بنے۔

ان تحریکوں میں خواتین کی آزادی کا مطالبہ کیا گیا، جس میں شہری حقوق کی آزادی، حق ملکیت میں آزادی

،اقتصادی اور معاشی آزادی، سماجی اور سیاسی آزادی وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ پھر مردوں کے حقوق سے مساوات کا مطالبہ کیا گیا کہ تمام شعبۂ حیات میں عورتوں کے حقوق مردوں کے حقوق کے مساوی ہونے چاہئے اور بعض نے مساوات کے ساتھ ساتھ حقوق میں مشابہت کا بھی مطالبہ کرڈالا۔

ان تحریکوں اور مطالبوں نے کسی حد تک خواتین کے بعض مسائل کو حل کیا جس میں خواتین کی تعلیم ،مختلف عملی میدانوں میں شمولیت کا حق ،اسقاط حمل کا قانونی ہونا، کام کی اجرت میں مردوں کی برابری، عائلی حقوق کے علاوہ سماجی تحفظ وغیرہ شامل ہیں۔اور پھر جب یہ حقوق مل گئے اور کافی حد تک آزادی ومساوات عام ہوگئی تو انتہا پسند تانیثیت کا جنم ہوا جس نے عقل وفطرت کو نظرانداز کرتے ہوئے وہ نظریات پیش کئے جن کو قبول کرنا کسی بھی سماج کے لئے بلکہ انسانیت کے لئے بہت مشکل تھا اگر چہ بعض مقامات پر کسی حد تک ان پر عمل کرنے کی کوشش بھی کی گئی۔جس میں جنسی آزادی اور ہم جنس پرستی جیسے مسائل اہم ہیں جن کی تفصیل پچھلے ابواب میں بیان کی جا چکی ہے۔

پھر اس کے بعد ان انتہا پسند نظریات پر تنقیدیں شروع ہوگئیں اور تانیثی نظریات میں کچھ اصلاح کرنے کی کوشش کی گئی اور بہت سے انسانی اور عقلانی اصول کو قبول کرتے ہوئے تانیثی نظریہ پیش کیا اور پھر پچھلی تین دہائیوں میں اسلامی تانیثیت کا نظریہ بھی سامنے آیا۔

جب خواتین پر ظلم وستم کا پانی سر سے اونچا ہوا تو اس ظلم وستم کے خلاف آوازیں اٹھنی شروع ہوگئیں اور مغربی ممالک میں سب سے پہلے اس کی گونج سنائی دی اور رفتہ رفتہ یہ آواز بین الاقوامی ہوگئی۔مختلف مکاتب فکر کے لوگ اس کے ساتھ ہم آواز ہوئے ،فلاسفہ،مصنفین ،محققین ،سرمایہ دار اور مزدور طبقہ سب نے اس کی حمایت کی اور پھر یہ ایک تحریک کی صورت اختیار کر گئی جس کو تحریک نسواں ،فیمنزم یا تانیثیت کا نام دیا گیا۔اس تحریک میں مختلف ادوار میں الگ الگ نظریات کے اعتبار سے مطالبات ہوئے اور پھر اسی اعتبار سے ان تحریکوں کے نام بھی پڑے۔

سب سے پہلی آواز جو اٹھی وہ اٹھارہویں صدی کے اواخر میں خواتین کی آزادی کی تھی جس میں شہری حقوق اور تعلیم کی آزادی قابل ذکر ہے جو''میری وولسٹن کرافٹ'' کے ذریعہ لکھی گئی کتاب (A Vindication of Righr of Women) سے شروع ہوتی ہے۔ یہ تحریک انیسویں صدی کے اوائل تک جاری رہی اس کا نام''حریت پسند تانیثیت'' رکھا گیا۔پھر''کارل مارکس''اور''انگلس'' کا نظریہ معاشی آزادی کا سامنے آیا جس کی رو سے اس نے نظام سرمایہ داری کو ختم کر کے سب کو برابر سے معاشی حقوق دینے کی بات کی۔ چنانچہ اس ضمن میں خواتین کی بھی معاشی آزادی کی بات ہوئی اس طرح تحریک کے اس حصہ کا نام''مارکسی تانیثیت'' پڑا۔پھر انیسویں صدی میں صنعتی انقلاب اور ذرائع ابلاغ کی ترقی کے ساتھ تحریک نسواں کے ذریعہ خواتین کے بہت سے مطالبات پورے ہو رہے تھے اور آہستہ آہستہ ۱۹۶۰ء کی دہائی کے بعد اس تحریک میں شدت پسندی کا عنصر شامل ہوگیا اور عورت کی تعلیمی ،معاشی ،اجتماعی اور سیاسی آزادی کے مطالبات سے آگے بڑھ کر اس کے نظام خانوادہ سے آزادی ،اسقاط حمل کی آزادی اور ہم جنسی کی آزادی جیسے مطالبات ہونے لگے اور اس

تحریک کے اس حصہ کا نام ''انتہا پسند تانیثیت'' رکھا گیا۔ اس نظریہ کے منفی اثرات اور مفسد پہلو کو دیکھتے ہوئے انیسویں صدی عیسوی کے اواخر میں اس نظریہ میں اصلاح کی باتیں ہوئیں اور اس تحریک کا ایک دوسرا موڑ آیا اور اس تحریک کو ''اشترا کی تانیثیت'' کہا گیا۔ پھر نوے کی دہائی کے بعد ''اسلامی تانیثیت'' کا نظریہ سامنے آیا جس میں اسلامی قوانین پر نظر ثانی اور اسلام کی زنانی تفسیر وتبیین کی بات کی گئی۔

مجموعی طور پر ان تحریکوں اور نظریات کے ذریعہ خواتین کی آزادی اور حقوق کا مطالبہ کیا گیا جس میں مساوات، تعلیم کا مساوی حق، فیصلہ سازی اور اظہار رائے کی آزدی، حق رائے دہی، سیاسی اور سماجی آزادی، معاشی استقلال اور خودمختاری اہم ہیں اور ان تحریکوں کے نتیجہ میں کافی حد تک عورت کو آزادی اور حقوق ملے۔ چنانچہ آج اکثر و بیشتر عورت پوری دنیا میں تعلیم یافتہ، خودمختار، اور سیاسی اور سماجی فعالیت میں پیش پیش ہے۔ کل جہاں اس کو انسان بھی نہیں سمجھا جاتا تھا آج وہ سماج میں مرد کی طرح ایک فرد کا مقام رکھتی ہے، وہ اپنی زندگی میں آزاد ہے، شوہر کے انتخاب، تعلیم اور معاشی معاملات میں آزاد ہے، اس کو رائے دینے اور رائے لینے کا بھی حق ہے اور خاندان کی ایک اہم فرد شمار ہوتی ہے۔

جب بھی کوئی تحریک رونما ہوتی ہے یا کوئی نظریہ سامنے آتا ہے تو اس کا اثر اپنے حدود کو ضرور متاثر کرتا ہے۔ اب وہ اثر مثبت بھی ہوسکتا ہے اور منفی بھی۔ چنانچہ جب خواتین کی آزادی اور ان کے حقوق کی بازیابی کی تحریک چلی اور تانیثی نظریہ سامنے آیا تو اس تحریک نے حلقہ خواتین میں ایک فکری اثر پیدا کیا۔ اور خواتین اس سے کافی حد تک متاثر ہوئیں اور چونکہ یہ تحریکیں خواتین کے حقوق کے سلسلہ کی اور ان کی آزادی کے لئے تھیں لہٰذا ان تحریکوں نے خواتین کو تو متاثر کیا ہی، بہت سے مرد حضرات بھی اس سے متاثر ہوئے۔ چنانچہ بہت سے مرد فمینسٹ تانیثی تحریک کا نہ صرف یہ کہ حصہ بنے بلکہ انہوں نے اس سلسلہ میں اپنی خدمات بھی پیش کی ہیں۔ کتابیں لکھیں، مقالے لکھے، تقریریں کیں اور عورت کی آزادی اور اس کے حق کی بازیابی کے لئے جدوجہد میں عورتوں کی وکالت کی۔

تانیثیت کا مثبت اثر:

عورت ظلم وستم کا شکار، دبی، کچلی، تمام انسانی حقوق سے محروم اور ایک جنسی علامت کے سوا کچھ نہ تھی اور حالات کچھ اس قدر ابتر ہو چکے تھے کہ عورت نے انہیں حالات کو اپنا مقدر سمجھ لیا تھا ور وہ اس پر راضی تھی۔ بلکہ بچیوں کی تربیت کا انداز بھی یہی ہو گیا تھا کہ انہیں حالات میں زندگی گزارنی ہے اور یہی ان کا عین فرض ہے جس کی تفصیلات ہم پہلے بیان کر آئے ہیں۔

لیکن جب اٹھارہویں صدی عیسوی کے آواخر میں عورت پر ہونے والے ظلم وستم کے خلاف آوازیں اٹھیں اور عالم مغرب کی یہ آواز عالم مشرق تک بھی پہونچی تو حالات کچھ بدلنے لگے اور کم سے کم اس تحریک کا فائدہ جو ہوا وہ یہ تھا کہ ایک عورت کو اتنا شعور ہوا کہ اس کو اپنے اوپر ہونے والے ظلم کا احساس ہو گیا اور جو کچھ اس کے ساتھ ہو رہا ہے وہ اس کے ساتھ زیادتی ہے اور یہی وہ شعور تھا جس نے آگے کی راہوں کو ہموار کیا۔ اس لئے کہ مظلومیت کا احساس

ہی ظالم کے خلاف نفرت اور صدائے احتجاج کا سرچشمہ ہوتا ہے۔ چنانچہ جب عورت کو یہ احساس ہوا کہ اس پر ظلم ہو رہا ہے تو اس نے اس کے خلاف جدوجہد بھی شروع کردی۔ چنانچہ تانیثی تحریک کا مثبت اثر یہ ہوا کہ عورت کے اندر شعوری بیداری نے جنم لیا۔ اور اس نے اپنے اوپر ہونے والے مظالم کے خلاف اٹھنے والی آواز کی نہ صرف تائید کی بلکہ اس آواز میں ہم آواز ہوکر اسے اور محکم اور مستحکم کرنے کی کوشش کی جس کے نتیجہ میں پوری دنیا میں عورت کو اس کے بہت سے حقوق مل گئے۔ اور اس طرح تانیثیت کا اثر فرد پر تو پڑا ہی ساتھ ساتھ سماج بھی اس سے متاثر ہوا کیونکہ سماج فرد سے تشکیل پاتا ہے اور جب فرد متاثر ہوتا ہے تو سماج پر اس کا اثر پڑتا ہی ہے۔(۱)

پچھلے زمانوں میں جہاں عورت کی تعلیم کا تصور تک نہ تھا بلکہ اس کو تعلیم حاصل کرنے کا نہ صرف یہ کہ حق نہیں تھا بلکہ اس کو تعلیم حاصل کرنا عیب سمجھا جاتا تھا۔ وہیں ان تانیثی تحریکوں کا اثر یہ ہوا کہ تعلیم نسواں کا تصور عام ہوگیا اور لڑکیاں اعلیٰ تعلیم حاصل کرکے علم کے اعلیٰ مراتب پر فائز ہونے لگیں جس کے نتیجہ میں انھوں نے ہر میدان میں مردوں کی برابری حاصل کرلی اور جن مدارس کے دروازے صنف نسواں کے لئے بند تھے وہ اب ان کے لئے کھل گئے۔

تعلیم کے عام ہونے کی وجہ سے عورت کے فکر وخیال میں تبدیلیاں آئیں، سوچنے کا انداز بدلا اور زندگی کا طریقہ بھی تبدیل ہوگیا۔ اور اس کا سیدھا اثر سماج پر پڑا اور تہذیب وتمدن کے معیار میں بلندی آئی۔ ساتھ ہی عورت ہر اس مشغلہ میں مرد کے ہمرکاب ہوگئی جو اب تک مردوں سے ہی مخصوص تھے۔ چنانچہ اب ہر مقام پر مرد کے ساتھ عورت بھی ہر وہ کام کرتی نظر آتی ہے جو مرد کررہا ہوتا ہے۔

تعلیم وہ آلہ ہے کہ جس کے ذریعہ عورت نے اپنی کھوئی ہوئی حیثیت کو پالیا اور وہ تمام حقوق جن سے وہ محروم تھی اور جن کی بازیابی کے لئے عالمی پیمانہ پر احتجاج کررہی تھی اسے حاصل کرلیا۔ اگرچہ ابھی بہت کچھ باقی ہے، حق رائے دہی، حق مالکیت، فیصلہ کرنے کا حق، ازدواجی زندگی میں شریک حیات کے انتخاب کا حق وغیرہ ان تمام حقوق سے عورت بہرہ مند ہوئی اور زمین کی وسعتوں کی کیا بات ہے آسمانوں کی راہوں کو طے کررہی ہے۔

بچوں کی تربیت کا انداز بدل گیا، آپسی روابط کے طریقے میں تبدیلیاں آگئیں اور خانوادہ کے اندر اس کو وہ مقام حاصل ہوگیا جس سے وہ محروم تھی۔ کل جہاں اسے گھر کے مردوں کے کھانا کھالینے کا انتظار رہا کرتا تھا آج وہیں سب کے ساتھ (مردوں کے ساتھ) ایک ہی دسترخوان پر ہم پیالہ وہم نوالہ ہے، کل جہاں اس کو خود اپنے لئے شریک زندگی کے انتخاب کا حق نہ تھا بلکہ جس کے حوالہ کردیا گیا اس کے ساتھ چلے جانا تھا اور یہ بندھن موت تک کے لئے ہوتا تھا آج وہیں اسے اپنے شریک زندگی کے انتخاب کا اختیار ہے اور اگر زندگی کے راستہ میں ناچاقی ہوجائے تو اپنی مرضی سے اس ہمسفر کو ترک کرکے کسی اور کے ساتھ زندگی کو گزارنے کی آزادی ہے۔

آج عورت، مرد کی طرح تمام فردی واجتماعی حقوق سے بہرہ مند ہے۔ حق رائے دہی اور حق مالکیت اس کے پاس ہے، کل جہاں اس کا سماج میں لوگوں کے سامنے لب کشائی کرنا عیب تھا، آج وہیں عورت بڑے بڑے مجمع میں سخن فرسائی کر

رہی ہے اور شعلہ بیانی کر کے اپنے ماضی الضمیر سے ساری دنیا کو آگاہ کر رہی ہے، کل جہاں تمام قوانین اس کے خلاف تھے یا یوں کہا جائے کہ اس کے لئے کوئی قانون ہی نہیں تھا، آج وہیں عورت قانون ساز اسمبلیوں کی رکن ہے اور قوانین کی ساخت وساز میں اظہار نظر اور تبصرے کر رہی ہے۔

تعلیم و تعلم آج عورت کے لئے باعث افتخار ہے، اسکولوں اور کالجوں کی زینت، بعنوان متعلمہ اور معلّمہ عورت ہے ، کارخانوں اور دفاتر میں عورت کی شراکت برابر ہے، بڑے بڑے عہدے اور منصب اس کے پاس ہیں۔ یہاں تک کہ سنگین اسلحے بھی اس کی دست رس سے باہر نہیں ہیں اور سرحدوں کی حفاظت میں مرد فوجیوں کے ساتھ عورتیں بھی مامور ہیں۔

چنانچہ اٹھارہویں صدی عیسوی کے جدید یورپ کا ذکر کرتے ہوئے مولانا مودودی عورت کی ترقی کے سلسلہ میں رقمطراز ہیں کہ:

> ''اس دور جدید کے آغاز میں صنف اناث کو پستی سے اٹھانے کے لئے جو کچھ کیا گیا اجتماعی زندگی پر اس کے خوشگوار نتائج مرتب ہوئے۔ نکاح و طلاق کے پچھلے قوانین کی سختی کم کی گئی، عورتوں کے معاشی حقوق جو بالکل سلب کر لئے گئے تھے بڑی حد تک انھیں واپس کر دئے گئے، ان اخلاقی نظریات کی اصلاح کی گئی جن کی بنا پر عورت کو ذلیل و حقیر سمجھا جاتا تھا۔ معاشرے کے ان اصولوں میں ترمیم کر دی گئی جن کی وجہ سے عورت فی الواقع لونڈی بن کر رہ گئی تھی، اعلی درجہ کی تعلیم و تربیت کے دروازے مردوں کی طرح عورتوں کے لئے بھی کھولے گئے۔ ان مختلف تدابیر سے رفتہ رفتہ عورتوں کی قابلیتیں جو غلط قوانین معاشرت اور جاہلانہ اخلاقی تصورات کے بھاری بوجھوں تلے دبی ہوئی تھیں، ابھر آئیں۔ انھوں نے گھروں کو سنوارا، معاشرہ میں نفاست پیدا کی اور رفاہ عام کے بہت سے مفید کام کئے، صحت عامہ کی ترقی، نئی نسلوں کی عمدہ تربیت، بیماروں کی خدمت اور فنون خانہ داری کا نشو ونما یہ سب کچھ اس بیداری کے ابتدائی پھل تھے جو تہذیب نو کی بدولت عورتوں میں رونما ہوئیں۔(۲)

تہذیب نو نے عورت کو دنیا سے آشنا کر دیا، اس کے اندر شعوری بیداری ایجاد کی اور اس کو وہ سب کچھ عطا کیا جو اس کی دیرینہ خواہش تھی اگر چہ اس کے پس منظر میں اس کے ساتھ ناانصافیاں بھی ہوئیں، اس کو بیوقوف بنایا گیا اور ترقی کے

نام پر اس سے ہر وہ کام کرایا گیا جو اس کے شایانِ شان نہ تھا۔اس کے باوجود ہم کہہ سکتے ہیں کہ تانیثیت کی تحریک نے عورت کو اندھیرے سے نکال کر اجالے میں لا کر کھڑا کر دیا اور اس کی فکر وفہم کو بیدار کر دیا، یہ اور بات ہے کہ اگر کوئی اپنی عقل کو اندھا کر لے تو اس کے لئے اجالا اور اندھیرا کوئی معنی نہیں رکھتا ہے۔

تانیثیت کا منفی اثر:

جہاں تانیثی تحریکوں نے خواتین کے اندر ایک شعوری بیداری کو پیدا کیا اور انھیں جہالت اور قدامت پرستی کے اندھیرے سے باہر نکالا، ان کے حقوق انھیں کسی حد تک دلائے اور انھیں کافی حد تک با اختیار بنایا، ان کی حیثیت میں تبدیلی آئی، اور انکے فکر وفہم کا معیار بلند ہوا وہیں ان تحریکوں کا جو برا اثر خواتین پر مرتب ہوا وہ انگشت شماری سے باہر ہے۔لیکن اس مقام پر بطور خلاصہ کچھ موارد قابل ذکر ہیں۔

تانیثیت کا اہم سفر: (۱) آزادی (۲) مساوات (۳) معاشی استقلال تھا اور ان تینوں کے لئے اٹھارہویں صدی سے جد و جہد مسلسل چل رہی تھی اور انیسویں صدی کے آخر آخر تک ان تمام میں عورتوں کو کسی حد تک عالمی پیمانہ پر کامیابی حاصل بھی ہوئی۔

آزادی:

آزادی میں عورت کو ہر ہر زاویہ سے آزاد کیا گیا۔اس کو گھر کی چہار دیواری سے آزاد کر کے اسکولوں، کالجوں اور آفسوں تک پہونچا دیا گیا، شوہر کے انتخاب میں اسے آزادی مل گئی اور شوہر کی قید سے آزاد کر کے خود مختار بنا دیا گیا، بچوں کی پیدائش کے فیصلہ کے سلسلہ میں وہ آزاد ہوگئی، جدید تہذیب نے اسے اتنا آزاد کر دیا کہ رفتہ رفتہ وہ کپڑوں کی قید سے آزاد ہوگئی اور کسی زمانہ کی بد تہذیبی دور حاضر کی تہذیب بن گئی۔

آزادی نسواں کا جو تصور اول اول بانیان تحریک آزادی نسواں کا تھا اس کا اصل مفہوم بالکل ناپید ہو گیا اور عورت کو آزادی اور ترقی کے نام پر تنزلی کی اس گہرائی میں ڈھکیل دیا گیا جس کا ایک باعقل انسان تصور تک نہیں کر سکتا۔اور آزادی کو عریانیت سے اسطرح خلط کر دیا گیا کہ آج عریانیت ہی عین آزادی متصور ہونے لگی۔ جب کہ کسی بھی سماج اور کسی بھی معاشرے میں آزادی کا یہ ترجمہ نہیں کیا جا سکتا۔

عورت کی آزادی سے دنیا نے خوب فائدہ اٹھایا اور اس کو اپنے کاروبار کے بڑھانے اور دولت کمانے کے لئے خوب استعمال کیا۔عورت کے صنفی حسن اور انداز و ادا سے فائدہ اٹھاتے ہوئے تولیدات کے اشتہارات تیار کئے گئے جس کی وجہ سے بازار میں کافی حد تک چڑھاؤ آیا۔

ایک طرف عورت کو آزادی کا زعم دوسری طرف معاشی استقلال کی وجہ سے دولت کمانے کی خواہش جس کے نتیجہ میں اس نے معمولی سے پروڈکٹ کے لئے اپنے جسم کی نمائش کر ڈالی اس بات سے بے نیاز کہ اس پانچ روپئے کے قلم کے اشتہار میں اس کو اپنے جسم کی نمائش کے نتیجہ میں سماج پر اس کا کیا منفی اثر مرتب ہوگا۔چنانچہ آج سماج میں نوجوانوں پر بہت

ساری اخلاقی بے راہ رویوں کا سبب عورتوں کے وہ اشتہارات ہیں جو جنسی خواہش کو بھڑکانے والے ہیں۔عورتوں میں نیم عریانیت، غیر مناسب لباس کا رواج اور اقدار کا فقدان یہ اسی آزادی نسواں کے مضر نتائج ہیں جہاں آزادی کا غلط مطلب نکالا گیا اور اس کی غلط تفسیر کی گئی۔

کل عورت جہاں اس قدر قید و بند میں تھی کہ اس کے اعضائے بدن کو گھر کے محرم بزرگ بھی نہیں دیکھ سکتے تھے،کل جہاں عورت اتنی مہذب تھی کہ بلند آواز میں گفتگو کرنا اس کے لئے معیوب تھا،کل جہاں عورت کا بلا وجہ گھر سے باہر نکلنا برا سمجھا جاتا تھا، آج آزادی کے نام پر عورت کے لئے ساری دنیا محرم کردی گئی اور عریانیت کو تہذیب کا نام دے دیا گیا، بلند آواز سے بات کرنا تو بہت دور کی بات ہے آج سر عام دلربا نغموں کے ذریعہ عورت عالم رجال کو مسحور کرکے داد و تحسین لے رہی ہے اور اس کو گھر سے باہر نکلنے کے لئے کسی وجہ کی ضرورت نہیں رہ گئی ہے، اس لئے کہ اب وہ آزاد ہے۔

آج مرد و عورت کے آزادانہ اختلاط کو عیب نہیں سمجھا جاتا جس کے خطرناک نتائج سامنے ہیں اور عالمی پیمانہ پر عورت پر ہونے والے مظالم کے اہم اسباب میں سے ایک سبب عورت کی یہی آزادی ہے جس سے سوء استفادہ کیا جارہا ہے۔

اور اس آزادی کی وجہ سے آج ہر خلاف اخلاق حرکت کو آرٹ کا نام دیا جارہا ہے چاہے وہ فلمیں ہوں یا ٹی وی سیریل، رقص و سرور کی محفلیں ہوں یا کوئی اور تقریب۔آج حیا نے اپنے معنی کھو دئے ہیں شرم کی تعریف کرنے کے لئے آپ کو ایک لمبی چوڑی تقریر درکار ہے تاکہ آپ شرم و حیا کا مفہوم نئی نسل کو سمجھا سکیں۔

مساوات:

مساوات کا مطلب برابری سے لیا گیا اور ہر عورت کو مرد کے برابر لا کر کھڑا کرنے کی پوری کوشش کی گئی،تحریک نسواں نے آواز اٹھائی کہ عورت کو مرد کے مساوی حق ملنا چاہیے،شہری حقوق، انفرادی حقوق، اجتماعی حقوق گویا تمام وہ حقوق جو ایک مرد کو حاصل ہیں وہ عورت کو بھی حاصل ہونا چاہئے،تعلیم میں برابری کا حق، مالکیت میں برابری، کام کی اجرت میں برابری وغیرہ۔

آج نہ صرف عالم مشرق میں بلکہ پوری دنیا میں وہی سب کچھ ہورہا ہے جو عالم مغرب میں ہورہا ہے، آج ہماری دنیا میں مساوات کے نام پر وہ سب کچھ ہورہا ہے جو یورپ میں ہوتا تھا اور اس کے وہی نتائج برآمد ہورہے ہیں۔نظام خانوادہ مضمحل ہے، طلاق اور خلع کی لعنت سے سماج کا اکثر حصہ دوچار ہے، اور بے غیرتی اور بے حیائی میں ہم کسی سے کم نہیں۔حد تو یہ ہے کہ جن کے مذہب نے انھیں جن کاموں کی اجازت نہیں دی ہے وہ اپنے مذہبی آئین کو پامال کرتے ہوئے مغربی تہذیب کے سیلاب میں بہے چلے جارہے ہیں اور نہ صرف یہ کہ اس پر شرمندہ نہیں ہیں بلکہ ان غیر اخلاقی حرکتوں پر فخر بھی کرتے ہیں۔

معاشی استقلال:

چونکہ عورت کو حق مالکیت کسی قوم وملت میں نہ تھا اس لئے تانیثیت کی تحریک نے جب زور پکڑا تو جہاں عورت کی آزادی اور مردوں سے برابری کا مطالبہ ہوا، وہیں اس کے معاشی استقلال کا بھی نعرہ بلند ہوا تا کہ اس طرح وہ مرد کی محتاجی سے نجات پاسکے اور معاشی معاملات میں پوری طرح سے مستقل ہو جائے۔ چنانچہ اس استقلال کی دستیابی کے لئے اسے گھر کی چہار دیواری سے نکل کر میدان عمل میں آنا پڑا اور مرد کے شانہ بہ شانہ اس نے ہر وہ کام انجام دیا جو ایک مرد کرسکتا تھا اور بدلے میں ملنے والی اجرت کی خود مالک ہوئی اور کسی حد تک اس کو مرد کے چنگل سے نجات کا احساس ہوا۔

جبکہ اسلام نے عورت کو معاشی استقلال اس وقت دیا جب کہ عورت کو نہ صرف معاشی بلکہ کسی قسم کا کوئی حق حاصل نہ تھا بلکہ سماج میں اس کی کوئی حیثیت ہی نہ تھی کہ اس کو کوئی حق دیا جاتا۔ چنانچہ قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے:

''مرد جو کمائے (حاصل کرے) وہ اس کا ہے اور عورت جو
کمائے (حاصل کرے) وہ اس کے لئے ہے۔(یعنی اس کی
ملکیت ہے)''(۳)

لیکن اگر اس استقلال کا غلط مطلب اور غلط فائدہ اٹھایا جائے تو یہی معاشی استقلال عورت کی پستی کا سبب بھی بن سکتا ہے کہ اگر اس استقلال کی آڑ میں عورتیں خود کو مردوں سے بے نیاز تصور کرنے لگیں، مردوں کی توہین کرنے لگیں یا اس کی وجہ سے طلاق میں اضافہ ہو اور سماج پر اس کا غلط اثر پڑے پھر اس کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ جیسا کہ اس زمانے میں ہو رہا ہے۔

مساوات، آزادی اور معاشی استقلال کا مطالبہ اگر چہ کافی حد تک خواتین کے فائدہ میں رہا اور انھوں نے اس ضمن میں بہت کچھ حاصل بھی کیا لیکن اگر انصاف کی نگاہ سے دیکھا جائے تو انھوں نے تھوڑا بہت پا کے بہت کچھ کھو دیا ہے اور آج عورت کی آنکھوں پر وہ پردہ ڈال دیا گیا ہے کہ اس کا شعور مردہ ہو کر رہ گیا ہے، اور آج اس کے اندر یہ تک سوچنے کی صلاحیت نہیں رہ گئی ہے کہ آزادی کے نام پر اس کو شہوانی خواہش کی تسکین کا ذریعہ بنایا جا رہا ہے اور اس کے قیمتی ترین گوہر عفت و پاکدامنی کو سر عام نیلام کیا جا رہا ہے۔

تانیثی تحریکوں کے منفی اثرات کے سلسلے میں بہت سے اہل قلم نے بہت کچھ لکھا ہے اور اسکے ذریعہ اخلاقی فساد کی جو برائی پھیلی اس کی تفصیلات لکھی ہیں چنانچہ ابراہم حسین لکھتے ہیں:

تانیثی تحریک کے نقصاندہ اثرات بہت ہیں جن میں سے ہم یہاں بعض کو ذکر کرتے ہیں:

۱- عورتوں نے اپنی اہمیت کو کھو دیا اور بیہودگی میں پڑ گئیں اور مردوں کی ہوس کا ذریعہ بن گئیں۔

۲- حد سے زیادہ عورتوں تک رسائی اور ان کی غیر فطری حرکتوں کی وجہ سے مردان سے آہستہ آہستہ بیزار ہو گئے بلکہ بعض تو متنفر ہو گئے۔ جس کی وجہ سے ہم جنس پرستی کا شکار ہو گئے اور مردوں کی اس بے اعتنائی نے عورتوں کو اس بات پر

مجبور کر دیا کہ وہ اپنی جنسی خواہشات کی تسکین کے لئے اپنی ہم جنس کی طرف راغب ہوں اور نتیجۃً ہم جنس بازی اور اس کا انجام ایڈز جیسا مہلک مرض کی شکار ہوگئیں اور اس کی ابتدا بھی مغربی ممالک سے ہوئی جہاں جنسی خواہشات کی تسکین کے لئے تمام طریقے آزاد کر دئے گئے تھے۔(۴)

۳- تانیثی تحریک کے طرفداروں کی اس تحریک کا ایک نتیجہ کثیر زوجگی کی ممانعت تھی ان کی نظر میں ایک سے زیادہ شادی کرنا عورت کی شخصیت کی بے حرمتی اور ان کے حقوق کو ضائع کرنا ہے اس لئے کہ مرد کو دوسری شادی کی اجازت نہیں ہونی چاہئے جس کا نتیجہ ہم جنس بازی، طلاق کی شرح میں اضافہ کثیر زوجگی کی ممانعت اور غیر شادی شدہ لڑکیوں کی کثرت ہوگئی۔اس طرح ان ممالک میں جہاں داخلی یا خارجی جنگیں ہوئیں وہاں بیوہ عورتوں کی کثرت ہوگئی۔

۴- چونکہ مردوں کو کثیر زوجگی یا عقد موقت پر روک لگادی گئی تو ایسے مرد جن کو ایک عورت سے جنسی تسکین نہیں ہوتی ان کو گرل فرینڈ کے علاوہ اور کوئی راستہ نظر نہیں آیا۔اس لئے لڑکیوں اور بے شوہر عورتوں یہاں تک کہ شوہر دار عورتوں سے بھی ناجائز تعلقات رائج ہوگئے۔مغربی ممالک کی تحقیقات اس درد کو بیان کرتی ہیں کہ اکثر مرد اپنی ایک قانونی بیوی پر اکتفا نہیں کرتے اور دوسری لڑکیوں اور عورتوں سے رابطہ رکھتے ہیں۔

۵- ناجائز جنسی تعلقات خانودگی مہر و محبت کی بربادی اور نظام خانوادہ کو درہم برہم کرنے کا سبب بننے نیز ناجائز اولاد کی کثرت اس کا نتیجہ ہوا۔

تانیثی تعلیمات کی روشنی میں مرد و عورت کے روابط کی آزادی کی وجہ سے ناجائز تعلقات میں وسعت و کثرت کے علاوہ دوسرے نقصانات بھی سامنے آئے ہیں جیسے۔اسقاط حمل، ان چاہی اور ناجائز اولادیں، عورتوں کے سلسلہ میں ظلم و زیادتی، جنسی تعطل اور ہم جنس بازی، طوائفوں کا رواج اور نظام خانوادہ میں اضمحلال وغیرہ۔

۶- آزاد جنسی روابط نے طوائف اور جسم فروشی کو بڑھاوا دیا نیز اس سے ہونے والے امراض کی کثرت ہوئی خاص طور سے ان لڑکیوں میں جو غیر ارادی طور پر حاملہ ہوگئیں اور ناجائز اولاد کی ماں بن گئیں ان میں ایسے امراض عام ہوگئے اس لئے انھوں نے اس کو ذریعہ بنایا اپنی تعلیم کو ترک کر کے اپنے اخراجات کو پورا کرنے کی فکر میں لگ گئیں۔(۵)

۷- عورتوں پر مختلف ذمہ داریوں اور کرداروں کے حد سے زیادہ بوجھ نے اس کو اس بات پر مجبور کر دیا کہ وہ عورتوں کے کام کرنے کی اجازت اور مردوں کے برابر کام کی اجرت کی آواز بلند کریں اور اس طرح وہ مردوں کے تسلط سے خارج ہو جائیں۔لیکن یہ نعرہ نہ صرف یہ کہ عورتوں کے لئے فائدہ مند ثابت نہیں ہوا بلکہ ان پر اور زیادہ دباؤ (Double Burden) کا سبب ہوا اور کسی صورت میں بھی مرد اور عورت کے درمیان اقتصادی برابری نہیں ہو سکتی۔ بلکہ عدم مساوات کو اور پیچیدہ کر دیا اور زیادہ مشکلات کھڑی کر دیں۔

چسٹرسن اپنے معروف بیان میں کہتی ہیں کہ:

’میں اس بات کا انکار نہیں کرتی کہ عورتیں پچھلے زمانوں میں

بدترین حالات سے دوچار تھیں لیکن میری نظر میں ان کی حالت
دور حاضر میں کہ جب وہ گھر کی مالک اور مردوں کی رقیب ہیں
اس سے بدتر اور افسوسناک کبھی نہیں ہوئی۔(۶)

چنانچہ عورتوں کا آزادی، معاشی استقلال اور مساوات کے نام پر بہت مس یوز کیا گیا اور ان کے جذبات اور احساسات، ان کی نرم طبیعت اور عاطفہ سے غلط فائدہ اٹھایا گیا، ان کی سادگی اور زود باوری کی بنا پر ان کا استحصال کیا گیا۔ اور اگر کہا جائے کہ ان کو جسمانی آزادی تو مل گئی لیکن فکری آزادی آج تک میسر نہیں ہوسکی تو غلط نہ ہوگا۔ آپ ذرا دیکھیں کہ ایک صابون کی ٹکیا، یا ایک تیل کی بوتل حتی کہ ایک دو روپئے کی قلم کے لئے اس کے جسم کی نمائش کس طرح کی گئی؟ کھیلوں میں کس طرح اسے عریاں کر کے تماشہ بنایا گیا، فلموں میں اس کو کس طرح تمام نسوانی اقدار سے بے بہرہ کر دیا گیا؟ ....اور پھر بھی وہ نہ سمجھ سکی کہ یہ اس کی آزادی کے نام پر اپنی ہوس کی آگ بجھائی جارہی ہے، اپنی خواہشات کے شعلوں کو سکون عطا کیا جارہا ہے، وجہ یہ ہے کہ زمانہ نے اسے آزادی کے سبز باغ میں اس قدر محو کر دیا کہ اس کے اندر دوسرے زاوئے سے سوچنے کی صلاحیت تک نہ رہی اور وہ سر بازار تماشہ بنتی رہی اور اسے احساس تک نہ ہوا۔

مندرجہ بالا مطالب اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ جہاں تانیثیت نے عورتوں پر مثبت اثر ڈالا ہے وہیں اس کے منفی اثرات بھی مرتب ہوئے ہیں جس کا نقصان سماج کو بھگتنا پڑ رہا ہے لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ عورت کی آزادی اور حقوق کی بازیابی کی بات نہ کی جائے بلکہ ضرورت اس بات کی ہے کہ اس آزادی کی صحیح تبیین و تشریح کی جائے تا کہ کوئی اس کا غلط مطلب نکال کر کسی بھی تحریک یا قانون سے سوئے استفادہ نہ کرے۔

دین مبین اسلام کے عظیم مبلغ اور پرچم الوہیت کے سب سے بڑے علمبردار یعنی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے ۲۲/اپریل ۵۷۱ء عیسوی کو سرزمین مکہ میں آنکھ کھولی اور چالیس سال کے بعد یعنی ۶۱۰ء یا ۶۱۱ء عیسوی میں اپنی نبوت کا اعلان کیا اور اس طرح سرزمین مکہ سے دین اسلام کا سورج طلوع ہوا جس نے آہستہ آہستہ مشرق و مغرب کو منور کر دیا۔

جب اسلامی قوانین کا تانیثی نظریہ سے مطالعہ کیا جاتا ہے تو اس دور کی خواتین کی حیثیت ناگفتہ بہ معلوم ہوتی ہے۔ خود سرزمین حجاز پر عورت کسی حق سے بہرہ مند نہ تھی حتی کہ اس کو زندگی کا بھی حق نہ تھا۔ کثیر زوجگی کا رواج تھا جس میں شوہر پر عورت کے نفقہ کی ذمہ داری بھی نہ تھی بلکہ ان سے مختلف قسم کے کام لے کر ثروت جمع کرنے کا رواج تھا حتی کہ ان سے زنا کرا کے بھی دولت کمائی جاتی تھی، شادیوں کے عجیب و غریب طریقے تھے جن میں سے بعض کی طرف قرآن کریم نے اشارہ بھی کیا ہے۔ جن کی بہت سی مثالیں حجاز اور تمام عالم میں عورتوں کی ابتری کی موجود ہے جن کا پچھلے ابواب میں کافی حد تک ذکر کیا جا چکا ہے۔ تمام اقوام و ملل میں عورت کی کوئی حیثیت نہ تھی اور اس کو جانور سے بھی بدتر تصور کیا جاتا تھا۔

لیکن اسلام کے ظہور کے بعد اسلام نے اپنے بنیادی اصول میں سے ایک خواتین کے حقوق کی بازیابی کو قرار دیا۔ اور قوانین وضع کر کے ان کے سلسلہ میں مطلق آزادی کی روک تھام کی۔ یہی نہیں بلکہ اسلام نے عورت اور مرد کو ایک

دوسرے کو دیکھنے کے لئے بھی حد معین کی اور قانون بنایا۔اور عورت کے مقام کو اس درجہ بلند کیا کہ اعلان کیا کہ ''عورت، شے (مال وسامان) نہیں ہے جو زمانہ جاہلیت کی طرح میراث میں حاصل کیا جائے یا اس کے مہر کا مالک ہوا جائے۔

اسلام نے زمانہ جاہلیت کی غیر اخلاقی شادیوں کے طریقوں کو حرام قرار دیا اور حق مہر عورت کے لئے قرار دیا۔اور ایسے پرآشوب ماحول میں کہ جب لڑکی کی ولادت باعث ننگ وعار تھی اسلام نے اس کو وراثت میں مرد کا شریک قرار دیا اور لوگوں کو لڑکیوں کو زندہ دفن کرنے سے روکا اور اعلان کیا کہ اگر کسی کے گھر میں ایک لڑکی بھی پرورش پارہی ہے تو اس کے لئے جنت ہے۔پیغمبر اسلام مسلسل اپنے اصحاب کو خواتین کے سلسلہ میں تاکید کیا کرتے تھے اور فرماتے: یہ عورتیں خدا کی امانت ہیں ان کا احترام کرو یا ان کے ساتھ نیکی سے پیش آؤ (سورہ نساء۔آیت ۱۹) اور خود آپ بھی عورتوں اور لڑکیوں کا احترام کرتے تھے۔اور جیسا کہ تمام علمائے اسلام نے نقل کیا ہے آپ اپنی بیٹی فاطمہ زہرا کا ہاتھ چومتے اور فرماتے: ''فاطمہ میرا ٹکڑا ہے'' اس طرح وہ لوگوں کو عملی طور پر یہ ظاہر کرنا چاہتے تھے کہ وہ لڑکیوں کو ننگ وعار تصور نہ کریں اور شاید خداوند عالم نے اسی لئے حضور اکرم کی نسل کو آپ کی بیٹی کے ذریعہ چلایا تاکہ عورت کا مقام لوگوں کے سامنے واضح ہو جائے اور یہاں تک عورت کے مرتبہ کو بلند کیا کہ آپ نے فرمایا: جب عورتوں کے یہاں بچے ہوں اور وہ انہیں دودھ پلائیں تو تم ان عورتوں کو دودھ کی قیمت (شیر بہا) ادا کرو۔یہ وہی عورتیں ہیں جو ابھی اسلام کے ظہور سے پہلے کس مقام پر تھیں اور اب کس مقام پر ہیں۔

یہی نہیں جس عورت کو حجاز کے علاوہ اور دوسرے مقامات اور مذاہب میں پست تر تصور کیا جاتا تھا اسلام نے اس کے مرتبہ کو اس قدر بلند کیا کہ جس جنت کے لئے ہر مذہب کے لوگ اپنے اپنے مذہبی نظریہ کے اعتبار سے سعی کرتے ہیں اسی جنت کو عورت کے قدموں میں قرار دے دیا۔

اسلام نے عورت کو معاشی، اقتصادی، سماجی اور سیاسی تمام حقوق سے نوازا اور عفت و پاکدامنی اور حفظ مقام کی شرط کے ساتھ ہر مقام پر اس کو مرد کے برابر قرار دیا۔

اور جب سرزمین حجاز پر یہ انقلابی کیفیت رونما ہو رہی تھی اس زمانہ میں دنیا کے دوسرے مقامات پر عورت ابتری ،لاچاری اور مجبوری کے دور سے گزر رہی تھی اور یہ وسیع وعریض زمیں اس کے لئے تنگ تھی۔مختلف علاقوں میں مختلف طریقوں سے اس کا استحصال اور اس پر ظلم وستم معمول تھا۔یہاں تک کہ اس سلسلہ میں مذہب کا بھی غلط استعمال اور غلط تفسیر و تبیین کی جارہی تھی۔

قابل غور بات یہ ہے کہ اسلام کا ظہور چھ سو دس عیسوی میں ہوا اور اسلام نے جہاں بنی نوع انسان کی نجات کا بیڑا اٹھایا تھا وہیں اس عمومیت میں عورت کو مرد کے مساوی رکھا۔یعنی اگر مرد اسلام کی برکت سے کفر کے اندھیرے سے ایمان کی روشنی میں آئے تو عورتوں کے قلوب بھی نور ایمان سے منور ہوئے، اگر مرد جہالت کی تاریکی سے نکل کر علم وتہذیب کے اجالے میں آئے تو عورتیں بھی اس روشنی سے بہرہ ور ہوئیں، اگر مرد کے لئے انسانی سعادت اور کمال کے راستے کھل گئے تو

عورتوں نے بھی اس راہ پر قدم رکھا اور بلند مقامات پر فائز ہوئیں۔

اس وقت تانیثیت یا فیمنزم کی کوئی اصطلاح کسی سطح پر رائج نہیں تھی، اس وقت خواتین کی مظلومیت تو تھی مگر اس مظلومیت کے خلاف اٹھنے والی کوئی آواز نہیں تھی۔ اس وقت عورتوں کی محرومیت اور قید و بند تو تھی لیکن ان کے حقوق کی بازیابی یا ان کی آزادی کے لئے کوئی تحریک نہ تھی۔ ان حالات میں اسلام کا خواتین کو ان کے حقوق ادا کرنا، ان کی آزادی اور حیثیت کی وکالت کرنا، ان کو بلند مقامات عطا کرنا، آج کی اصطلاح میں اسے کیا کہیں گے۔۔۔۔؟

یقیناً اس کو تانیثیت کہیں گے۔ تو پھر پوری دنیا میں تحریک نسواں کا پرچم بلند کرنے والے، اٹھارہویں صدی میں خواب غفلت سے بیدار ہونے والے، عورتوں کی آزادی اور ان کے حقوق کے لئے جنگ لڑ کے فیمنسٹ کا طمغہ حاصل کرنے والے اسلام کا مطالعہ کر کے کیوں نہیں کہتے کہ دنیا کا سب سے پہلا اور عظیم فیمنسٹ اسلام ہے۔

اسلام چھ سو تئیس عیسوی میں مکمل ہو گیا، اس کے آفاقی اور جاودانی قوانین مکمل ہو گئے، مرد و عورت کی حیثیت قیامت تک کے لئے معین ہو گئی اور کتاب معجزہ یعنی قرآن کریم اپنے استحکام کے ساتھ نسلاً بعد نسلٍ مسلمانوں کے درمیان لفظ لفظ اور حرف حرف کے تحفظ کے ساتھ اور سینہ بہ سینہ منتقل ہوتی رہی۔ اسلامی دنیا میں عورت اپنے انفرادی و اجتماعی حقوق حاصل کرتی رہی۔ لیکن یہ کیا ہوا۔۔۔۔۔۔؟ کہ تقریباً بارہ سو سال بعد جب عورت کی آزادی اور حقوق کی آواز بلند ہوئی تحریکیں چلیں اور اس راہ میں قربانیاں بھی دی گئیں؟ تو اس آواز میں مسلمان بھی ہم صدا ہوئے؟

یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس بارہ سو سال کے عرصہ میں:

۱۔ کیا اسلام کا پیغام دنیا کے دوسرے مما لک تک نہیں پہنچا؟

۲۔ کیا اسلامی تعلیمات کو دوسرے مذاہب و علاقہ کے لوگوں نے نہیں پڑھا؟

۳۔ مسلمانوں نے اسلامی تعلیمات پر کس قدر عمل کیا؟

۴۔ کیا مذہب اسلام میں عورت کی حیثیت سے دوسرے مذاہب و علاقہ کے لوگ آگاہ نہیں ہوئے؟

۵۔ یا پھر کوئی اور جذبہ تھا جس نے اسلام کی طرف کسی کو رجوع نہیں ہونے دیا؟

اسلام کا عالمی ہونا اور کسی خاص قوم و علاقہ سے مخصوص نہ ہونا اس دین کی ضروریات میں سے ہے یہاں تک کہ جو لوگ اسلام پر ایمان بھی نہیں رکھتے وہ بھی جانتے ہیں کہ اسلام کی دعوت عالمی تھی اور کسی خاص جغرافیائی علاقہ سے مخصوص نہیں تھی اور تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ پیغمبر اکرم نے مختلف مما لک کے بادشاہوں جیسے قیصر روم، ایران کے بادشاہ، مصر و حبشہ کے حاکموں اور شامات کے بادشاہوں کے علاوہ دوسرے بہت سے عرب کے قبیلوں کو خط لکھ کر اور اپنے نمائندے بھیج کر اسلام کی دعوت دی۔ اور انھیں دعوت اسلام کے قبول نہ کرنے کی صورت میں اس کے خطرناک اخروی نتائج سے ڈرایا۔ اس کے علاوہ قرآن کریم میں جو عام الفاظ استعمال ہوئے ہیں جیسے، اے لوگو، اے بنی آدم اور عالمین۔ یہ الفاظ اس بات کا ثبوت ہیں کہ اسلام پوری دنیا کے لئے آیا تھا اور رسول اکرم نے اس پیغام کو سب تک پہنچانے کی کوشش بھی کی۔ (۷)

پھر جب دائرہ اسلام اور حکومت اسلامی میں وسعت آئی اور حجاز سے نکل کر شامات، ایران اور افریقہ کے مما لک تک پہنچا تو اپنے ساتھ قرآن اور تعلیمات قرآن کو لے کر گیا۔ اور چونکہ قرآن کریم عربی میں تھا اس لئے پیغمبر اسلام کے زمانہ سے ہی اس کا ترجمہ شروع ہو گیا تھا تا کہ لوگ قرآن کے پیغام کو سمجھ سکیں۔ چنانچہ خود پیغمبر اسلام کے زمانہ میں جناب سلمان فارسی نے، فارسی میں، صہیب رومی نے رومی زبان میں اور بلال حبشی نے افریقی زبان مین قرآن کی بعض آیتوں اور سورتوں کا ترجمہ کیا۔ اسی طرح بعض یہودی اور عیسائی جو عربی زبان جانتے تھے اور نئے مسلمان ہوئے تھے وہ بھی مفاہیم قرآن سے آگاہی کے بعد قرآن کریم کی آیات و سورتوں کا ترجمہ و تفسیر کیا کرتے تھے۔ چنانچہ حبشہ کے بادشاہ کے لئے سورہ مریم کا ترجمہ کیا گیا۔ اسی طرح پیغمبر اسلام کے خطوط جو دیگر مما لک کے بادشاہوں کو لکھے گئے ان میں جو قرآنی آیات ہوتی تھیں ان کے ترجمے کئے گئے۔

اور پھر جیسے جیسے اسلام پھیلتا گیا ویسے ویسے قرآن کریم اور معارف و مفاہیم قرآن پوری دنیا میں مختلف زبانوں میں عام ہوتے گئے اور اٹھارہویں صدی تک دنیا کی اکثر زبانوں میں قرآن کریم کا ترجمہ ہو چکا تھا لہٰذا یہ بات تو مسلم ہے کہ اسلام کا پیغام پوری دنیا تک پہنچ چکا تھا لہٰذا کوئی بھی تانیثی تحریک کا بانی یہ نہیں کہہ سکتا کہ اس کو تعلیمات قرآن کی خبر نہیں تھی
۔

اٹھارہوں صدی (جو تانیثیت کا ابتدائی دور ہے) کے دانشمندوں کے نظریات کا جائزہ لیں تو معلوم ہوگا کہ وہ اسلام کے سلسلہ میں کس قدر آگاہی رکھتے تھے؟ چنانچہ:

۱) نپولین بناپارٹ (Napolean Banaparde 1769--1821) کا کہنا ہے کہ:

> ''مجھے امید ہے کہ بہت جلد ہی ہر جگہ کے عقلمند اور دنیا کے تمام
> متمدن لوگوں کو جمع کر کے ان کی مدد سے کچھ ایسے قوانین مرتب
> کئے جائیں گے کہ جو سب کے سب قرآن کے بنیادی احکام کے
> مطابق ہوں گے اس لئے کہ قرآن حق و حقیقت کا سرچشمہ ہے
> اور صرف یہی کتاب انسانوں کی سعادت کی ضامن ہے'' (۸)

۲) جرمنی کا مشہور شاعر و عالم، گوتھ (Johann walfgangvon goethe1794--1832) کا کہنا ہے کہ:

> ''سالوں سال سے خدا سے غافل پادریوں نے قرآن کے
> حقائق کو سمجھنے اور اس کے لانے والے کی عظمت کی معرفت سے
> ہمیں محروم رکھا ہے لیکن علم و دانش کی ترقی کی وجہ سے جہل اور
> بے جا تعصب کے پردے اٹھ گئے ہیں اور عنقریب یہ عظیم کتاب

ساری دنیا کو اپنی طرف متوجہ کر لے گی اور دنیا کے لوگوں کی
فکروں کا مرکز بن جائے گی‘‘(۹)

۳)اسی طرح مشہور لبنانی عیسائی مورخ ’’جرجی زیدان‘‘(۱۸۶۱۔۱۹۱۴) کا کہنا ہے کہ:

’’جہاں اسلام حکومت کرتا تھا وہاں علم و ادب بہت تیزی کے
ساتھ ترقی کرتا تھا‘‘(۱۰)

۴)سر ولیم موئیس(Sir William Mouies 1819--1905)انگلینڈ کا مورخ و عالم کہتا ہے کہ:

’’قرآن کریم ایک ایسی کتاب ہے جو واضح اور منطقی دلیلوں اور
بے شمار علمی مسائل ،حقوقی ،قضائی قوانین اور بلند احکام سے پر
ہے جو اجتماعی وشہری زندگی کے تحفظ کے لئے اس کتاب میں
سادہ عبارات کا استعمال ہے حالانکہ وہ محکم و منظّم ہیں جو پڑھنے
والے کا دل جیت لیتی ہیں‘‘(۱۱)

اس کے علاوہ مغربی ممالک کے بہت سے دانشمندوں نے قرآن کی عظمت وافادیت کا اعتراف کیا ہے جس سے اس بات کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ دوسرے مذاہب کے علماء و بزرگان تک قرآن و اسلام کی تعلیمات پہنچی ہیں اور وہ ان سے آگاہ بھی تھے۔تو پھر جب اٹھارہویں صدی کے اواخر میں خواتین کی آزادی اور حقوق کی تحریک چلی تو قرآن و اسلام کو اس کے لئے آئیڈیل اور نمونہ کیوں نہیں بنایا گیا اور اسلام کو بطور مثال کیوں نہیں پیش کیا گیا؟

یہاں جو بات سمجھ میں آتی ہے وہ یہ ہے کہ:

۱۔یا تو اس زمانہ میں دانشمند و محقق ،اسلام و قرآن کو صحیح طریقہ سے سمجھ نہیں سکے کہ جس کا امکان بہت کم ہے بلکہ مندرجہ بالا عبارتیں اور اس جیسی سیکڑوں دوسرے مغربی محققین و دانشوروں کی باتیں اس بات کا ثبوت ہیں کہ وہ قرآن کو اچھی طرح سمجھتے تھے اور اس کے احکام و قوانین سے بخوبی واقف تھے۔

۲۔یا پھر وہ سمجھ کر بھی اسلام کو سامنے نہیں لانا چاہتے تھے کہ کہیں اسلام کی بالا دستی کا اظہار نہ ہو جائے اور اس کی وجہ مذہبی تعصب ،قومی تعصب کچھ بھی ہو سکتا ہے جو قرین قیاس ہے۔

ایک بات جو قابل ذکر ہے وہ یہ ہے کہ اٹھارہویں صدی اور انیسویں صدی کا زمانہ وہ زمانہ ہے جب مشرق سے لے کر مغرب تک اسلام پھیل چکا تھا اور امت مسلمہ شرق وغرب میں آباد ہو چکی تھی اور مسلمان دنیا کی مختلف قوموں کے ساتھ رہ رہے تھے اور ان کے ساتھ اجتماعی معاملات میں شریک تھے پھر بھی ان تحریکوں میں نہ تو اسلام کا نام سامنے آتا ہے اور نہ مسلمانوں کے نمونہ بنائے جانے کی بات کسی نے کی ہے۔اس مقام پر بھی جو بات سمجھ میں آتی ہے وہ یہ ہے کہ:

۱۔یا تو اس زمانہ کے لوگوں نے اسلام اور مسلمانوں کو کوئی اہمیت نہیں دی اور جان کے بھی انجان بن گئے یا جانتے

تو تھے لیکن اسلام کے احکام وقوانین ان کی مرضی کے مطابق نہ تھے۔

۲۔ یا پھر مسلمان خود اسلام کی تعلیمات کو فراموش کرتے ہوئے دوسری اقوام سے متاثر ہو گئے۔ اور خاص طور پر خواتین کے معاملہ میں اسلامی تعلیمات پر عمل نہ کر کے غیروں کے رسم ورواج کو اپنا کر دین کو بھول بیٹھے اور یہی بات قرین قیاس ہی نہیں بلکہ حقیقت کے قریب نظر آتی ہے۔ اس لئے کہ اسلام میں اس قدر جاذبیت ہے کہ اگر مسلمانوں نے اسلام کے احکام پر عمل کیا ہوتا اور غیروں کے رسم ورواج اور نظریات کو اپنا کر عورت کی مذہبی، شرعی اور انسانی حیثیت سے کھلواڑ نہ کیا ہوتا تو میرا خیال ہے کہ سب سے پہلی آواز یہی اٹھتی کہ جس طرح مسلمانوں میں عورت آزاد ہے ہمیں بھی اسی طرح آزادی دی جائے، جس طرح مسلمانوں کی عورتوں کو تمام حقوق فراہم ہیں ہمیں بھی تمام حقوق دئے جائیں، جس طرح مسلمانوں کی عورتیں خود مختار ہیں ہمیں بھی خود مختاری دی جائے وغیرہ۔۔۔۔۔۔

لیکن افسوس کہ مسلمانوں نے خاص طور سے خواتین کے معاملہ میں اسلام کو یکسر فراموش کر دیا۔ لباس کی وضع قطع ،مرنے جینے کے رسومات، آداب زندگی اور شادی بیاہ کے مراسم میں مسلمانوں نے اسلام کو چھوڑ کر دوسروں کی رسومات اپنایا اور اس طرح خواتین کے معاملہ میں اسلامی حقوق کو پامال کیا اور پھر جس طرح دنیا کی تمام عورتیں محرومیت، پسماندگی ظلم وستم اور استحصال کا شکار ہونے لگیں انھیں مسائل سے مسلمان عورتیں بھی دوچار ہوئیں اور پھر مسلمانوں اور غیر مسلمانوں میں کوئی فرق نہ رہ گیا۔ اور آج بھی۔۔۔۔ آج کا مسلمان اسی راہ پر گامزن ہے اور سماج کی ہر فرد مضطرب اور پریشان ہے۔ اس لئے کہ آج کا مسلمان کل کے زمانہ جاہلیت کی طرح لڑکی کی پیدائش کو ننگ وعار سمجھنے لگا ہے۔ اور اس لڑکی کو جس کو اسلام نے رحمت کا درجہ دیا تھا اپنے لئے باعث زحمت تصور کرنے لگا ہے۔ وہی بیٹی جو والدین کے لئے جنت کی ضامن تھی اس کے وجود کی وجہ سے آج والدین کی زندگی جہنم بن کر رہ گئی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ دنیا میں مسلمانوں کے نظریات سامنے نہیں آئے اور دنیا نے اسلام کو قرآن کے بجائے مسلمانوں سے حاصل کیا اور چونکہ مسلمانوں کا رویہ اسلامی نہ رہا اس لئے اسلام صحیح طرح سے دنیا کے سامنے پیش نہ ہو سکا۔

جیسا کہ ہم نے ذکر کیا تانیثی تحریکوں کے اثرات خواتین پر مثبت بھی پڑے اور منفی بھی، جہاں کچھ اصلاح ہوئی وہیں کچھ فساد بھی ہوا لیکن اس ضمن میں عورت کے متعلق اسلام کا نظریہ وہی رہا جو چودہ سو سال پہلے تھا۔

اسلام کی نظر میں عورت بھی مرد کی طرح ایک انسان ہے اور اسے بھی مرد کی طرح تمام انسانی حقوق ملنے چاہئے۔ جب عورت انسان ہے تو وہ سب کچھ جو مرد کے لئے ہے وہی عورت کے لئے بھی ہے۔ یعنی آزدی واختیار۔ اور نہ صرف یہ کہ عورت سماج کی ایک اہم فرد ہے بلکہ عورت چاہے بحیثیت بیٹی ہو یا ماں یا بیوی قابل احترام ہے اور مرد نہ یہ کہ اس پر فوقیت اور حاکمیت نہیں رکھتا بلکہ اس کا قوام یعنی محافظ اور اس کے وقار اور تحفظ کا ذمہ دار ہے۔

اسلام نے مرد وعورت کے فطری اور تخلیقی فرق کے اعتبار سے دونوں کے الگ الگ حقوق رکھے ہیں اس طرح کہ کسی پر ظلم نہ ہو اور عدالت برقرار رہے۔ اسلام کی نظر میں نہ کوئی بہتر ہے نہ کمتر، بلکہ بہتر وہ ہے جو زیادہ متقی اور پرہیزگار ہو

چاہے مرد ہو یا عورت۔

ہم نے تانیثی نظریات کا اسلامی تناظر میں تقابلی مطالعہ کیا تو معلوم ہوا کہ چونکہ اسلام ایک ساجہ مذہب اور نہ صرف مسلمان بلکہ انسانیت کی فلاح کا ضامن ہے لہٰذا اسلام بہت سے تانیثی نظریات کے اصول سے موافق ہے اور انھیں قبول کرتا ہے اگر چہ اس کی کیفیت میں اختلاف رکھتا ہے اور بہت سے نظریات کو یکسر مسترد کرتا ہے۔

مثلاً اسلام عورت کی اصل آزادی کو قبول کرتا ہے لیکن آزادی مطلق کے خلاف ہے۔ یعنی ایسی آزادی جس سے سماج میں اخلاقی فساد عام ہو لہٰذا اسلام عورت کو ان حدود کے ساتھ جن میں اس کی آزادی سے سوء استفادہ نہ ہو اور سماج میں فساد نہ پھیلے آزادی عطا کرتا ہے۔

اسلام عورت کی معاشی آزادی کو قبول کرتا ہے اور عورت کو حق مالکیت اور حق تصرف بھی دیتا ہے لیکن تقسیم میں مشابہت کا نہیں مساوات اور عدالت کا قائل ہے۔ایسی مساوات جو نظام عدل کے مطابق ہو۔اسی لئے مرد وعورت میں فطری فرق کی وجہ سے ان کی ذمہ داریاں بھی مختلف ہیں اور حقوق بھی مختلف ہیں۔لیکن مساوی نہیں۔

اسلام عورت کو اصل تعلیم کا حق دیتا ہے بلکہ حصول تعلیم کو اس کے لئے فرض قرار دیتا ہے لیکن مخلوط تعلیم جو سماجی برائی پھیلنے کا سبب ہوسکتا ہے اس کے خلاف ہے۔

اسلام چونکہ عورت کو سماج کی ایک فرد کا درجہ دیتا ہے لہٰذا اسکو سماج کی ایک فرد ہونے کی حیثیت سے رائے دینے کا بھی حق ہے اور رائے لینے کا بھی۔

اسلام میں نظام خانوادہ کو حفظ نسل اور تشخص کی وجہ سے کافی اہمیت حاصل ہے اس لئے اسلام نظام خانوادہ کی حمایت کرتا ہے اور جنسی آزادی اور بے راہ راوی کا سخت مخالف ہے جس کے جسمانی اور نفسانی منفی اثرات سب پر عیاں ہیں۔

اسلام انتہا پسند تانیثیت کے بہت سے نظریات کو مسترد کرتا ہے مثلاً اسقاط حمل کی آزادی، ہم جنسی آزادی وغیرہ جس کی وجہ یہ ہے کہ جیسا کہ ہم نے کہا اسلام ایک سماجی مذہب ہے اور وہ سماج کی فلاح و بہبود اور سلامتی کا خواستگار ہے لہٰذا ہر وہ مطالبہ جو سماج کو فاسد کرے، افراد کی حیثیت پر ضرب لگائے اور انسانیت کو نقصان پہنچائے جسمانی اعتبار سے ہو یا نفسانی اعتبار سے اسلام اس کی مخالفت کرتا ہے اور نہ صرف یہ کہ مخالفت کرتا ہے بلکہ ایسے اعمال پر اس نے دنیا اور آخرت میں سزائیں بھی مقرر کر رکھی ہیں۔

یہاں سے اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ اسلام صرف ایک مذہب یا ایک دین ہی نہیں جو صرف اپنے ماننے والوں کی فلاح کا طالب ہو اور دوسروں سے اس کا کوئی واسطہ نہ ہو بلکہ اسلام ایک ایسا نظریہ ہے جو مذہب کی قید سے بالاتر انسان اور انسانیت کی فلاح کا ضامن ہے اسی لئے اسلام نے ہر اس مطالبہ کو مسترد کیا ہے جو انسان اور انسانیت کے راہ کمال میں مضر ثابت ہو۔ چنانچہ زنا، ہم جنس پرستی، قتل، ناحق قید و بند، احتکار، ظلم وستم، استحصال، بغض وکینہ، اور نفرت۔۔۔اسلام ان سب

کے خلاف ہے اس لئے کہ یہ سب چیزیں انسانی سماج کو نقصان پہنچانے والی ہیں اس میں مسلمان اور غیر مسلمان کی کوئی قید نہیں ہے۔اگر اس زاویہ سے اسلام کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اسلام مذہب سے بالاتر ایک ایسا نظریہ ہے جس میں انسان اور انسانیت کی فلاح و بہبود مضمر ہے۔

انسانی تاریخ میں عورت کی حیثیت کے نشیب وفراز مختلف اقوام وملل میں عورت کی ابتر حالت، اسلام کی تانیثی نظریہ اور تانیثی تحریکیں اور مطالبات اور دور حاضر میں عورت کی حالت ان سب کا مطالعہ کرنے کے بعد ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ عورت وجود ہستی کا ایک لاینفک جز ہے اور اس کے دوش پر بقائے انسانیت کی عظیم ذمہ داری ہے اس لئے فطری طور پر مہر ومحبت کا پیکر ہے، بے پناہ صلاحیتوں کی مالک اور منفرد جذبات سے سرشار ہے کہ جس کی آغوش میں انسانیت پروان چڑھتی ہے اور انسان سکون کا احساس کرتا ہے۔لیکن یہ سب اسی وقت تک ہے جب تک اس کو پریشان نہ کیا جائے اور محور سے دور کرنے کی کوشش نہ کی جائے اس لئے کہ عورت جس مرحلہ میں بھی آتی ہے اپنی کمال صلاحیت کا مظاہرہ کرتی ہے۔

انسانی سماج میں عورت کے کردار کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا اس لئے کہ کسی بھی معاشرہ کی تعمیر میں بنیادی کردار عورت کا ہوتا ہے کہ اولاد کی پرورش وہی کرتی ہے جو سماج کی ایک فرد ہے اور جس سے سماج بنتا ہے لہٰذا اگر عورت کسی سماج کو بنا بھی سکتی ہے اور اگر چاہے تو برباد بھی کر سکتی ہے اس لئے کہ اسی سماج میں ہمارے پاس اچھی عورتوں کی بھی مثالیں ہیں اور بری عورتوں کی مثالیں موجود ہیں۔

ماحصل

تانیثی نظریات کا مطالعہ اسلامی تناظر میں

تانیثی نظریات	اسلامی نظریات
حریت پسند تانیثیت ﴿۱﴾ خواتین کی آزادی اور مردوں کے برابر حقوق عورتوں کو بھی ملنا چاہئے۔	﴿۱﴾ اسلام نے عورت اور مرد دونوں کو ہر طرح کی آزادی دی ہے اور دونوں کو برابر کے حقوق بھی دئے ہیں لیکن خلقت زن و مرد میں جو فرق ہے اس کے تقاضوں کے اعتبار سے ظاہرا کچھ فرق نظر آتا ہے لیکن دوسرے اعتبار سے اس میں برابری ہو جاتی ہے۔
﴿۲﴾ عورت اور مرد کے درمیان مساوات ہونا چاہئے اور زندگی کے ہر شعبہ میں عورت و مرد کے درمیان مساوات ہونا چاہئے۔	﴿۲﴾ اسلام نے مساوات کے مقابلہ میں عدالت کا نظریہ پیش کیا ہے اور مرد و عورت کے درمیان عدالت کی بات کی ہے اور مرد و عورت کو ان کے جسمانی و روحانی تخلیق کے تقاضوں کے اعتبار سے ان کو حق دینا اور ان کے فرائض معین کرنا عین عدالت ہے۔

﴿۳﴾ عورت کی کمزوری اور محرومیت کی اصل وجہ عورت کوشہری حق نہ ملنا ہے۔	﴿۳﴾ اسلام عورتوں کو مردوں کی طرح شہری حق دیتا ہے اور مردوں کی طرح ان کو بھی شہری تصور کرتا ہے چنانچہ اجتماعی، اقتصادی اور سیاسی فعالیتوں میں مردوں کی طرح عورتوں کی شرکت پر اسلامی نقطہ نظر سے کوئی پابندی نہیں ہے۔
﴿۴﴾ عورتوں کو مردوں کی طرح تعلیم کا مساوی حق ملنا چاہئے۔	﴿۴﴾ اسلام جس کا نقطہ آغاز ''اقرا'' یعنی پڑھو ہے، اس نے تعلیم کو سب سے زیادہ اہمیت دی ہے اور مرد وعورت دونوں کو تعلیم حاصل کرنے کا برابر کا حق دیتا ہے اور قرآن کہتا ہے۔ کیا نہ جاننے والے جاننے والوں کے برابر ہو سکتے ہیں اس میں مرد وعورت کی کوئی قید نہیں ہے اور حضور اکرم تمام امت مسلمہ پر تعلیم حاصل کرنے کو فرض قرار دیا ہے۔
﴿۵﴾ مرد سالاری نظام میں غلط افہام وتفہیم سے کام لیا جاتا ہے اور ہر چیز کی مردانہ تفسیر کی جاتی ہے۔	﴿۵﴾ اسلام چونکہ عدل سالاری کا قائل ہے اس لئے کسی بھی غلط افہام وتفہیم کی مخالفت کرتا ہے اور کسی کے بھی حق کی پامالی کے خلاف ہے چاہے وہ عورت کا ہو یا مرد کا۔
﴿۶﴾ بچپن ہی سے سماجیانہ میں جنسی تربیت کی وجہ سے لڑکیوں کو احساس کمتری ہوتا ہے۔	﴿۶﴾ اسلامی نظام تربیت میں ایسی کوئی بات نہیں ہے جس سے لڑکی اور لڑکے میں فرق کیا جائے اور کسی کو احساس کمتری یا برتری کا شکار ہونا پڑے۔

﴿۷﴾ سماج کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے خصوصی اور عمومی ۔ عورتوں کو چاہیئے کہ وہ عمومی میدان میں آئیں۔	﴿۷﴾ یہ تقسیم سماج کی ہے اسلام میں انسانوں کی کوئی تسیم نہیں ہے ۔ ہاں عورتوں کے لئے کچھ حدود معین کئے گئے ہیں جن کی رعایت کے ساتھ وہ خصوصی اور عمومی دونوں میدانوں میں اپنی فعالیت کر سکتی ہیں اور یہ حدود بھی ان کی عفت و پاکدامنی اور بلند مقام کا باعث ہے۔
﴿۸﴾ اصلاح قوانین ضروری ہے تاکہ خواتین کو مساوی حقوق مل سکیں۔	﴿۸﴾ اگر قوانین ایسے ہیں جن کی بنا پر خواتین کو ان کے حقوق نہیں مل رہے ہیں تو ان کی اصلاح کے لئے اسلام بھی اس نظریہ کا حامی ہے۔ اس لئے کہ اسلام کسی کے حق کو ضائع کرنے کی وکالت نہیں کرتا
﴿۹﴾ ادبیات میں عبارتیں تبدیل کی جائیں تاکہ مرد سالاری کا تصور ختم ہو سکے۔	﴿۹﴾ اسلام چونکہ عدل سالاری کا قائل ہے اس لئے اگر کسی عبارت میں عورت یا مرد کے حق کی پامالی ہوتی ہے تو اس میں تبدیلی کے حق میں ہے۔ البتہ یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ مرد سالاری کے تصور کو ختم کرنے کے حق میں ہو اس لئے کہ اگر نظام مرد سالاری میں بھی عورتوں کے حقوق محفوظ ہیں تو اسلام کو کوئی اعتراض نہیں ہے۔
﴿۱۰﴾ خانوادہ کی فضا میں برابر کے مواقع فراہم کئے جائیں	﴿۱۰﴾ اسلامی تعلیمات میں خانوادہ میں مرد وعورت کے فرائض الگ الگ ان کی صلاحیتوں کے اعتبار سے معین کئے گیے ہیں جن کی رعایت سے سب کو برابر کے مواقع فراہم ہوتے ہیں۔

مارکسی تانیثیت	
﴿۱﴾ عورت کی کمزوری اور محرومی کی اصل وجہ سرمایہ داری ، مالکیت خصوصی اور بورژوا تہذیب ہے۔	﴿۱﴾ اسلام سرمایہ دارانہ اور مالکیت خصوصی نظام کی تائید نہیں کرتا بلکہ اسلام میں مرد ہو یا عورت ہر ایک معاشی معاملات میں آزاد ہے۔حق ملکیت رکھتا ہے اور حق تصرف بھی اور کام کی اجرت میں بھی کمی و زیادتی کا قائل نہیں ہے۔
﴿۲﴾ شادی کا نظام مردوں نے عورتو سے خدمت لینے کے لئے بنایا ہے۔	﴿۲﴾ شادی کا نظام نہ مردوں نے بنایا ہے اور نہ عورتوں نے۔ بلکہ یہ سسٹم خداوند عالم کا بنایا ہوا ہے کہ اس نے سب سے پہلے آدمی کے لئے اس کے جوڑے یعنی حضرت حوا کو بنایا اور ان کو زوجہ کا خطاب دے کر مرد و عورت کے درمیان زوجیت کا نظام بنایا تا کہ سماج میں پاکدامنی اور نسلی نظام محفوظ رہے۔
﴿۳﴾ مرد و عورت کی سماج میں برابری کے لئے سماج سے طبقہ بندی کو ختم کرنا ہوگا تا کہ تمام انسانوں کو مساوی حقوق حاصل ہوسکیں۔	﴿۳﴾ طبقہ بندی ایک فطری سسٹم ہے جو از خود وجود میں آتی ہے اور اس کی بنیاد پر قوانین بنائے جاتے ہیں اور طبقہ بندی مرد و عورت سے مخصوص نہیں ہے بلکہ کل انسانوں میں ہوتی ہے۔مثلاً جاہل ،عالم ،امیر ،غریب ،شہری ، دیہاتی وغیرہ جس میں مرد وعورت دنوں برابر ہیں۔ ☆☆☆

انتہا پسند تانیثیت	
﴿۱﴾ پدرسری نظام نہ صرف یہ کہ عورتوں پر ظلم و ستم کا سبب ہے بلکہ بنی نوع انسان پر ہونے والے تمام مظالم کی بنیاد ہے لہٰذا اس نظام کو ختم ہونا چاہئے۔	﴿۱﴾ اسلام ہر اس نظام کے خلاف ہے جس کے ذریعہ کسی پر بھی ظلم وستم ہو، چاہے پدرسری نظام ہو یا مادرسری۔ اسلام عدل کے نظام کا حامی ہے جہاں کسی پر ظلم نہ ہو۔
﴿۲﴾ اگر عورتیں مردوں پر غالب آجائیں تو مردوں کو عورت بنادیں گی۔	﴿۲﴾ انسان کی جسمانی اور نفسانی ساخت وساز فطری ہے اور فطرت میں کوئی تبدیلی نہیں ہوسکتی۔ خدا کی خلقت میں کوئی تبدیلی نہیں ہوسکتی نہ جسمانی اور نہ ہی نفسانی۔
﴿۳﴾ عورتوں کو چاہئے کہ وہ زوجہ اور ماں کی حیثیت وکردار کو ختم کریں تاکہ مردوں سے مقابلہ کر سکیں۔	﴿۳﴾ عورت کا زوجہ اور ماں ہونا اس کی ابتری اور محرومیت کا سبب نہیں ہے بلکہ عورت کا کمال زوجہ اور ماں ہونے میں ہے اور یہی فطرت کے تقاضے کے عین مطابق ہے جس میں کوئی تبدیلی ممکن نہیں۔
﴿۴﴾ کوئی انسان کبھی عورت پیدا نہیں ہوتا بلکہ مرد اسے عورت بنادیتا ہے یا یہ کہ مرد وعورت ہونا یہ مردانہ تہذیب ہے۔	﴿۴﴾ مرد وعورت دو الگ الگ جنس ہیں اور مرد اپنے جسمانی اور نفسانی خصوصیات کے ساتھ مرد اور عورت اپنے جسمانی اور نفسانی خصوصیات کے ساتھ عورت پیدا ہوتی ہے اور یہ امر بدیہیات میں سے ہے جس کا انکار کوئی بھی صاحب عقل نہیں کرسکتا۔ تہذیب، انسانی ہوتی ہے جس کی وجہ سے وہ جانوروں سے ممتاز ہوتے ہیں۔

<table dir="rtl">
<tr>
<td>﴿۵﴾
عورت کی تمام تر محرومیوں (اقتصادی ،تہذیبی ،سماجی اور سیاسی) کا سرچشمہ مرد سالاری نظام ہے اور مردوں کی عورتوں پر حکومت ہے۔</td>
<td>﴿۵﴾
اسلام ہر اس نظام کے خلاف ہے جس کے ذریعہ کسی پر ظلم وستم ہو اور کسی نوع یا صنف کی محرومی کا باعث ہو۔ چاہے وہ مرد سالاری ہو یا زن سالاری۔ اسلام نظام عدل کی حمایت کرتا ہے جہاں کسی پر ظلم وستم نہیں ہوتا اور اس نظام میں کوئی اپنے حق سے محروم نہیں ہوتا۔</td>
</tr>
<tr>
<td>﴿۶﴾
دنیا میں حکومت عورت کی ہونی چاہئے اس لئے کہ جب عورتوں کی حکومت تھی تو اس وقت کوئی جنگ نہیں ہوئی اور کسی پر ظلم نہیں ہوتا تھا۔ لہٰذا تمام تر ظلم وستم ،شر وفساد اور برائیوں کی جڑ مردوں کی حکومت ہے جس کو ختم ہونا چاہئے۔</td>
<td>﴿۶﴾
قدیم زمانہ میں جب مرد وعورت اپنی ذمہ داریاں پوری کرتے تھے اور گھر میں عورت کی حکومت تھی تو ریاست طلبی، حب دنیا، مال ومنال کی محبت اور برتری کی خواہش وغیرہ نہیں تھی۔ اور اب جبکہ دنیا میں مال و متاع کی فراوانی ، بڑے بڑے عہدوں اور مناصب کی خواہش اور مال جمع کرنے کی ہوس ،مرد و عورت سب میں یکساں حاکم ہے تو کیا ضمانت ہے کہ اگر عورت کی حکومت ہوگی تو جنگ نہیں ہوگی ، لوگوں کے حقوق غصب نہیں ہوں گے اور امن وامان قائم ہو جائے گا۔
دنیا کے جن ممالک میں عورت کی حکومت ہے کیا وہاں ظلم وستم ختم ہوگیا اور امن وامان قائم ہو گیا۔ ظلم وستم ختم ہونے کے لئے ''حکومت عدل'' کی ضرورت ہے نہ کی عورت یا مرد کی حکومت کی ۔</td>
</tr>
</table>

﴿۷﴾ تاریخ کی تمام جنگوں کے ذمہ دار مرد ہیں۔	﴿۷﴾ تاریخی جنگوں کا ذمہ دار کون ہے یہ تاریخ دان ہی بتائیں گےلیکن جس جنگ کا ذمہ دار مرد ہے ،اس مرد کو عورت ہی نے پرورش کر کے پروان چڑھایا ہے ۔اور جنگوں کی ذمہ داری صرف مردوں پر نہیں ہوتی بلکہ اس کے الگ الگ اسباب ہوتے ہیں ۔صرف مردوں کو جنگوں کا ذمہ دار ٹھہرانا غلط ہے۔
﴿۸﴾ یہودی ،عورت کی تخلیق کو خدا کی غلطی تصور کرتے ہیں لیکن انتہا پسند مرد کی تخلیق کو خدا کی غلطی تصور کرتے ہیں۔	﴿۸﴾ اگر کوئی خدا پر ایسا ہی عقیدہ رکھتا ہے جیسا وہ ہے تو پھر وہ کسی تخلیق پر اس کو غلط تصور نہیں کرسکتا اس لئے کہ وہ دانا وحکیم ہے اور اس کا کام حکمت سے خالی نہیں ہوتا ۔اور اس نے کسی چیز کو بلا وجہ پیدا نہیں کیا ہے۔
﴿۹﴾ جس عورت نے مرد کی مدد کی اس نے عورت سماج کے ساتھ بڑی خیانت کی۔	﴿۹﴾ مرد ،مرد کی مدد کرے یا عورت ،عورت کی مدد کرے ۔مرد ،عورت کی مدد کرے یا عورت مرد کی مدد کرے ،اگر یہ امداد شر وفساد اور ظلم وستم کی راہ میں ہے تو یہ پوری انسانیت کے ساتھ خیانت ہے لیکن اگر یہ مدد نیکی اور اچھائی میں ہے تو کوئی خیانت نہیں ہے اور نظام عالم ایک دوسرے کی مدد پر ہی استوار ہے ۔ اور خدا نے یہی فرمایا ہے کہ نیکی اور تقوی میں ایک دوسرے کی مدد کرو ۔اور گناہ وسرکشی میں مدد نہ کرو۔

﴿۱۰﴾ عورت کو حتی کہ جنسی لذتوں میں بھی مرد سے بے نیاز ہونا چاہئے۔	﴿۱۰﴾ عورت ومرد اجتماعی زندگی میں ایک دوسرے کے محتاج ہیں۔ نہ مرد، عورت سے بے نیاز ہے اور نہ عورت، مرد سے۔ جنسی لذتوں میں بھی فطری طور پر عورت مرد کی محتاج ہے جو فطرت کا تقاضا ہے۔ اور غیر فطری طریقہ سے جنسی لذتوں کی تسکین اخلاقی جرم کے ساتھ ساتھ فطرت کے ساتھ خیانت بھی ہے۔
﴿۱۱﴾ ایک نمونہ سماج بغیر جنسیت کے ہے نہ کہ بغیر جنس کے۔	﴿۱۱﴾ اسلام نے انسان کی دونوں جنسوں یعنی مرد وزن اور دونوں جنسیتوں کی تائید کی ہے اور دونوں کے سماج میں اپنے اپنے فرائض کو معین کیا ہے۔ یہ دونوں جنس وجنسیت فطری ہیں۔ نمونہ سماج کے لئے سب کو اپنے فرائض پورے کرنا ضروری ہے۔
﴿۱۲﴾ زنانہ صفات، مردانہ صفات سے زیادہ اہم ہیں لہٰذا انسانیت کے لئے نمونہ صفات زنانہ ہیں نہ کہ مردانہ۔	﴿۱۲﴾ عورت کے لئے زنانہ صفات اہم ہیں اور مرد کے لئے مردانہ صفات، جو کہ فطرت وجبلیت سے ہماھنگ ہوں ورنہ اگر عورت، مردانہ صفات اور مرد زنانہ صفات اختیار کرنے کی کوشش کرے تو سماج میں تماشہ بن جانے کے سوا اور کچھ نہیں ہے اور اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا۔

﴿۱۳﴾ تانیثی تحریک زنانہ تحریک ہے اور کوئی مرد اس تحریک میں عورتوں کے حقوق کا دفاع نہیں کر سکتا۔	﴿۱۳﴾ حق کا مطالبہ کرنا چاہے وہ عورت کا ہو یا مرد کا، یہ سب کا حق ہے اور اس کو کسی صنف سے مخصوص نہیں کیا جا سکتا۔ لہٰذا عورت اور مرد دونوں ایک دوسرے کے حقوق کے مطالبہ کی تحریک میں شریک ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ آج بہت سے مرد ایسے بھی ہیں جو خواتین کے حقوق کے دفاع کے لئے لڑ رہے ہیں اور فیمنسٹ بھی ہیں۔
﴿۱۴﴾ نکاح وہ سخت ترین حربہ ہے جسے مردوں نے عورتوں کو قید کرنے کے لئے استعمال کیا ہے اور شادی عورت کی قید کا پیغام ہے۔ عورت کو اس قید سے مقابلہ کرنا چاہئے۔	﴿۱۴﴾ نکاح نہ مرد کا حربہ ہے اور نہ عورت کی قید۔ بلکہ یہ وہ مقدس رشتہ ہے جس میں رموز تخلیق پوشیدہ ہیں۔ جو انسانیت کی معراج اور سماج کی پاکیزگی کا ضامن ہے۔ اور نہ ہی اس کو مردوں نے بنایا ہے بلکہ یہ ایسا قانون ہے جس کو خالق کائنات نے بنایا ہے۔ جس کی رو سے اس نے مرد کو عورت کے لئے اور عورت کو مرد کے لئے لباس قرار دیا ہے اور چین و سکون کا باعث بھی۔
﴿۱۵﴾ شادی عورت کی خصوصی جیل ہے۔	﴿۱۵﴾ شادی عورت کی جیل نہیں بلکہ شادی کے ذریعہ عورت کی جان، مال، عزت کا تحفظ اور اس کے نان و نفقہ کا ذمہ دار معین ہوتا ہے جس پر اس کی زندگی کے امور فرض ہو جاتے ہیں۔

﴿۱۶﴾ اگر عورت اپنے شوہر کے ساتھ تنہائی میں گئی تو گویا اس نے اپنے دشمن سے ہمبستری کی اور عورتوں کی تحریک کے ساتھ خیانت کی۔	﴿۱۶﴾ مرد عورت کا دشمن نہیں ہے۔ اور نہ عورت کا مرد کے ساتھ تنہائی میں جانا دشمن سے ہمبستری کرنا ہے اور نہ تحریک نسواں کے ساتھ خیانت ہے بلکہ یہ قانون فطرت کے مطابق ہے۔ یہ ایک دوسرے کے لئے لباس اور سکون کا باعث قرار دئے گئے ہیں۔
﴿۱۷﴾ عورت کی جنسی خواہش پوری کرنے کے لئے بہترین طریقہ ہم جنسیت ہے۔	﴿۱۷﴾ اسلام کسی بھی غیر فطری طریقہ سے جنسی خواہش پوری کرنے کو حرام قرار دیتا ہے۔ اور ساتھ ہی ایسے افعال کو سماجی جرم بھی تصور کرتا ہے اس لئے اس کے مرتکب کے لئے سزائیں بھی رکھی ہیں۔
﴿۱۸﴾ اسقاط حمل عورت کا فطری حق ہے۔	﴿۱۸﴾ اسقاط حمل بنا کسی عذر معقول ومشروع جائز نہیں ہے اور اس کے انجام دینے والے پر کفارہ اور دیت واجب ہے۔
﴿۱۹﴾ دانشمندوں کو چاہئے کہ حفظ نسل کے لئے کوئی دوسرا راستہ تلاش کریں جس میں عورت کی ضرورت نہ ہو۔	﴿۱۹﴾ قانون فطرت یہ ہے کہ عورت کے ذریعہ نسل انسانی کو آگے بڑھائی جائے اور فطرت سے مقابلہ نہیں کیا جاسکتا یہ ایک امر محال ہے اور غیر معقول مطالبہ ہے۔
﴿۲۰﴾ اولاد کی پرورش اور تربیت بھی عورت پر ظلم ہے جس کو مردوں نے عورتوں پر مسلط کیا ہے۔	﴿۲۰﴾ اولاد کی تربیت اور پرورش کی ذمہ داری مرد وعورت دونوں کی ہے صرف عورت پر پرورش کی ذمہ داری نہیں ہے اور ہر ایک کو اپنا فرض پورا کرنا چاہئے۔ ☆☆☆

۴۔اشتراکی تانیثیت	
﴿۱﴾ خلقت دوطرح کی نہیں ہے بلکہ عورت ہونا اسی طرح ہے جس طرح کالا یا گورا ہونا ہے ۔لہٰذا عورت بھی ایک انسان ہے اپنی خصوصیات کے ساتھ۔	﴿۱﴾ خلقت دوطرح کی ہے۔ایک مرد اور ایک عورت اور دونوں جسمانی اعتبار سے ساخت و ساز میں مختلف ہیں اور اسی طرح احساسات و جذبات کے اعتبار سے بھی مختلف ہیں۔البتہ عورت بھی ایک انسان ہے مردوں کی طرح ۔جس طرح مردوں کے اپنے جسمانی اور نفسانی خصوصیات ہیں اسی طرح عورتوں کے بھی اپنے جسمانی اور نفسانی خصوصیات ہیں۔
﴿۲﴾ عورت کی محرومی کی اصل وجہ کچھ تو مرد سالاری نظام ہے اور کچھ سرمایہ دارانہ نظام اور کچھ دونوں مل کر۔	﴿۲﴾ اسلام نہ مرد سالاری نظام کی تائید کرتا ہے اور نہ زن سالاری کی ۔ بلکہ اسلام عدل سالاری نظام کی تائید کرتا ہے۔ لہٰذا اگر کسی نظام کے ذریعہ بھی چاہے وہ مرد سالاری ہو یا سرمایہ دارانہ نظام،اگر کسی بھی نظام میں ظلم وستم ہو رہا ہے چاہے مرد پر ہو یا عورت پر اسلام اس کی مخالفت کرتا ہے اور ظلم کے خلاف ہے۔
﴿۳﴾ شادی ایک فطری عمل نہیں ہے بلکہ اس کو بنایا گیا ہے ۔البتہ اس کی مخالفت بھی نہیں کی جا سکتی۔	﴿۳﴾ شادی ایک فطری عمل ہے،ایک سسٹم ہے جس کو حفظ نسل اور عورت کی پاکدامنی وعفت کے لئے خدا نے بنایا ہے جس کے ذریعہ نسل کا نظام محفوظ رہتا ہے اور انسانوں کی شناخت محفوظ رہتی ہے۔

﴿۴﴾ شادی میں خانوادہ کی تشکیل کے لئے دونوں طرف سے مساوی شرائط رکھے جائیں۔	﴿۴﴾ شادی میں (یعنی عقد کے وقت) جو شرائط بھی عقلی اور شرعی ہوں ان کو رکھنے کی اجازت ہے۔ ساتھ ہی جب شرائط قبول کر لئے جائیں تو شرائط کو قبول کرنے والا چاہے مرد ہو یا عورت اور شرائط چاہے اس کے موافق ہوں یا مخالف اس کو پورا کرنا واجب ہے ورنہ شرط کو توڑنے والا گناہ گار ہے۔
﴿۵﴾ موجودہ مرد سالاری نظام میں اصلاح کی جائے تا کہ عورت کو اس کا حق مل سکے۔	﴿۵﴾ اسلام عدل سالاری نظام کا حامی ہے اس لئے نظام چاہے مرد سالاری ہو یا زن سالاری اگر اس میں مرد یا عورت کسی پر بھی ظلم وستم ہو رہا ہے تو اس میں اصلاح کی وکالت کرتا ہے۔ لہٰذا جس سماج نے مرد سالاری نظام کو بنایا ہے اسی سماج کی ذمہ داری ہے کہ اس میں اصلاح کرے تا کہ کسی پر ظلم نہ ہو۔ ☆☆☆
۵۔ اسلامی تانیثیت ﴿۱﴾ سماج میں عورتوں پر ہونے والے ظلم وستم اور عدم مساوات کی اصل وجہ غلط رسومات و رواج اور اسلام کی غلط تفسیر وتبیین ہے۔	﴿۱﴾ تمام وہ رسومات جو اسلامی شریعت کے خلاف اور کسی پر ظلم وستم کا باعث ہوں اسلام اس کے خلاف ہے اور جائز نہیں قرار دیتا۔ قرآن وحدیث کی غلط تبیین کرنا بھی جس کی وجہ سے کسی صنف پر ظلم ہو جائز نہیں ہے۔

﴿۲﴾ دین کو تانیثی نظریہ کے ساتھ پڑھا جانا چاہئے اوراس کو زنانہ طور پر پیش کیا جانا چاہئے تا کہ اس طرح تانیثی تعلیمات کو بنا کسی مخالفت کے دین کے قوانین کے ساتھ پیش کیا جا سکے۔	﴿۲﴾ دین، الٰہی ہے اوراس کو الٰہی نظریہ سے پڑھا جانا چاہئے اوراس کو نہ مردانہ اور نہ زنانہ طور پر پیش کیا جانا چاہئے۔ دین کو اسی طرح پیش کیا جانا چاہئے جس طرح ہمارے آخری نبی نے پیش کیا ہے۔ جس میں مردانہ اور زنانہ کی قید نہیں ہے۔ اسلام دین عدل ہے لہٰذا اس کی پیشکش میں کسی پر بھی ظلم جائز نہیں ہے بلکہ سماج اور انسانوں کو اسلامی ہونا چاہئے تا کہ کسی پر ظلم و ستم نہ ہو سکے۔
﴿۳﴾ قوانین اسلام کا اس طرح تجزیہ و تحلیل کیا جانا چاہئے کہ جس کا نتیجہ عورت اور مرد کے حقوق میں مشابہت ہے۔	﴿۳﴾ عورت اور مرد کے حقوق میں مساوات تو ہو سکتی ہے لیکن مشابہت نہیں ہو سکتی۔ اسلام مساوی حقوق کا قائل ہے مشابہ کا نہیں۔
﴿۴﴾ فقاہتی اسلام، مرد سالاری اسلام ہے اور چونکہ تمام فقہاء مرد ہیں اس لئے دین کا بیان مردانہ ہے اسی وجہ سے میراث، دیت، شہادت (گواہی) اور خانوادہ کے مسائل میں عدام مساوات ہے۔	﴿۴﴾ اسلام فقاہتی نہیں ہے۔ اسلام دین الٰہی ہے اور فقہاء کا کام قرآن و حدیث سے احکام کو حاصل کرنا ہے جس میں ان کے اپنے ذاتی آراء کا کوئی دخل نہیں ہوتا تا کہ یہ کہا جائے کہ دین کا بیان مردانہ ہے بلکہ فقہاء کی ذمہ داری ہے کہ وہ اسلامی قوانین کو اسی طرح بیان کریں جس طرح قرآن و حدیث میں ہے اور یہ طے ہے کہ قرآن و حدیث میں احکام نہ زنانہ ہیں نہ مردانہ۔ بلکہ خدائے حکیم کے حکمت آمیز قوانین ہیں جس میں کسی پر ظلم نہیں ہوتا۔

﴿۵﴾ احکام کے استنباط میں نیا طریقہ اپنایا جانا چاہئے۔	﴿۵﴾ استنباط، احکام کو حاصل کرنے کے لئے ہوتا ہے جس کے ذریعہ قرآن و حدیث سے احکام معلوم کئے جاتے ہیں جس کے کچھ اصول ہیں لہذا اصل حکم خداوندی کو معلوم کرنا ہے نئے طریقہ سے ہو یا پرانے طریقہ سے۔
﴿۶﴾ آج کا اسلام حقیقی اسلام نہیں ہے	﴿۶﴾ اسلام مذہب جاودانی اور عالمی ہے جس کے قوانین قیامت تک کے لئے ہیں اور ان میں تبدیلی نہیں ہوسکتی۔قرآن وہی ہے جو چودہ سو سال پہلے نازل ہوا تھا لہذا یہ کہنا غلط ہے کہ اسلام حقیقی نہیں ہے بلکہ بہتر ہے کہ کہا جائے کہ مسلمان حقیقی نہیں ہے۔
﴿۷﴾ اجتماعی روابط کی بنیاد سماج ہے اس میں دین کی کوئی دخالت نہیں ہونی چاہئے۔	﴿۷﴾ اسلام ایک ایسا ہمہ گیر مذہب ہے جس نے انسانوں کے ہر شعبہ کے لئے قوانین بنائے ہیں۔ انفرادی بھی اور اجتماعی بھی۔لہذا دین کی دخالت اجتماعی روابط میں ضروری بھی ہے اور اہم بھی۔ جب افراد دیندار ہوں گے تو اجتماع خود بخود دیندار ہو جائے گا۔
﴿۸﴾ صدر اسلام میں حجاب ، بدکار عورتوں سے پاکدامن عورتوں کو الگ کرنے اور ان کی شناخت کے لئے تھا لیکن اب اس کی ضرورت نہیں ہے۔	﴿۸﴾ حجاب کا مسئلہ قران کریم سے ثابت ہے اور اسلام کے مسلمات میں سے ہے جو کسی خاص زمان و مکان سے مخصوص نہیں ہے۔لہذا وہ اس وقت بھی عورت کے لئے واجب تھا اور آج بھی واجب ہے۔

﴿۹﴾ اسلام کی کوئی بھی توجیہ یا قرائت مرد و عورت کے درمیان مساوات کو ظاہر نہیں کرتی۔	﴿۹﴾ اسلام مذہب عدل و مساوات ہے۔ الٰہی نظر سے اس کی توجیہ وقرائت کی جائے تو اسلام نے ہمیشہ مرد اور عورت کے درمیان مساوات کی بات کی ہے اور کہیں بھی کسی کو امتیاز نہیں دیا ہے لیکن مشابہت نہیں ہوسکتی اس لئے کہ دونوں کے فطری تقاضے مختلف ہیں۔
﴿۱۰﴾ ہمیں چاہئے کہ اجتہادی طریقوں سے مردسالاری طریقہ کو ختم کریں۔	﴿۱۰﴾ اجتہادی طریقہ کا مردسالاری سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اجتہادی طریقہ احکام اسلام کو قرآن و حدیث سے حاصل کرنا ہے چاہے اس کو مرد حاصل کرے یا عورت حاصل کرے۔ لہٰذا جب قوانین خدا میں مرد و عورت میں کوئی امتیاز نہیں ہے تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ اس کو مرد حاصل کرے یا عورت۔
﴿۱۱﴾ عورت و مرد کے درمیان جنسی فرق کی بنیاد پر حقوق میں فرق نہیں ہونا چاہئے۔	﴿۱۱﴾ جنسی فرق حقوق میں فرق کا باعث ہیں البتہ اس رعایت کے ساتھ کہ نظام عدل برقرار رہے اور مساوات ملحوظ رہے۔ اسی لئے اسلام میں مساوات تو ہے لیکن مشابہت نہیں ہے۔ یعنی مساوی قوانین ہیں لیکن مشابہ نہیں ہیں۔
﴿۱۲﴾ خانوادہ میں مرد اور عورت کے حقوق برابر ہونا چاہئے۔	﴿۱۲﴾ خانوادہ میں مرد اور عورت دونوں کے حقوق اپنی اپنی جنس کے اعتبار سے برابر ہیں اور ہر ایک کی الگ الگ ذمہ داریاں اور فرائض ہیں۔

نتائج

پچھلی تمام بحثوں کے نتائج کچھ اس طرح ہیں:

۱۔تانیثیت ایک ایسا نظریہ ہے جس میں خواتین کے متعلق گفتگو ہوتی ہے اور آج پوری دنیا میں فیمنزم کے نام سے جانی جاتی ہے۔

۲۔تانیثیت ایک ایسی تحریک ہے جس میں خوتین کے حقوق، حیثیت اور آزادی کے حصول کی کوشش کی جاتی ہے۔

۳۔تانیثیت کے چار بڑے نظریے عالمی سطح پر مشہور ہیں جو عورت کی آزادی، خودمختاری اور حقوق کی بازیابی کا مطالبہ کرتے ہیں۔

۴۔اسلامی تانیثیت کا نظریہ بھی خواتین کے حقوق کی بازیابی اوران کی آزادی کا طالب ہے۔

۵۔عالمی پیمانہ پر تانیثیت کی تحریک کے مثبت اور منفی اثرات پوری دنیا کی عورتوں پر پڑے۔

۶۔تجزیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان تحریکوں کے نتیجہ میں خواتین میں کافی حد تک تبدیلیاں بھی آئیں جو ان تحریکوں کے مثبت اثرات شمار ہوتی ہیں۔

۷۔انھیں تحریکوں کی وجہ سے عورت، تعلیمی، معاشی، سماجی اور سیاسی میدانوں میں اپنے وجود کو ثابت کر کے بلند مقامات حاصل کرنے میں کامیاب ہوئی۔

۸۔عورت کی آزادی کے نام پر کافی حد تک اس کا استحصال بھی کیا جا رہا ہے۔

۹۔مختلف تانیثی نظریات نے عورتوں کو جہاں حقوق دلائے وہیں ان کی اخلاقی حیثیت کو نقصان بھی پہنچایا۔

۱۰۔عریانیت، فحاشی، جسم فروشی، ناجائز اولاد، اسقاط حمل، مہلک امراض کی فراوانی، عورت کا عدم تحفظ، اور اس کے لئے خوف و ہراس کا ماحول، جنسی تشدد، وغیرہ وغیرہ یہ سب مصائب عورتوں کو آج بھی جھیلنے پڑ رہے ہیں جس میں کہیں نہ کہیں ان نظریات کے منفی اثرات کا بھی دخل ہے۔

۱۱۔ایسا نہیں ہے کہ تانیثی نظریات کا خواتین پر صرف مثبت اثر ہی پڑا ہو بلکہ اس کے منفی اثرات بھی پڑے ہیں۔

۱۲۔ان تانیثی نظریات کے بین الاقوامی ہونے کے باوجود اوران کے ذریعہ خواتین کی بڑی تعداد کے بیدار ہونے اور اپنے حقوق سے استفادہ کرنے کے باوجود آج بھی دنیا میں بہت سی عورتیں ایسی ہیں جو اپنے فردی، اجتماعی، معاشی، سیاسی اور مذہبی حقوق سے آشنا نہیں ہیں اور وہ آج بھی اپنی اسی پرانی حیثیت کے ساتھ جی رہی ہیں۔

۱۳۔مذہبی اور حکومتی قوانین کے باوجود بھی سماج میں ان کا اجرا نہیں ہو رہا ہے جس کی وجہ سے عورتوں کے متعلق سماج میں آج بھی مرد سالاری قائم ہے۔

۱۴۔تمام ادیان میں اسلام واحد وہ مذہب ہے جس نے عورت کو سماجی ،معاشی حقوق دئے ہیں اور ایسے قوانین بنائے ہیں جن کے ذریعہ اس کی حیثیت کی مکمل حفاظت ہوتی ہے۔

۱۵۔مرد وعورت کے درمیان مساوات کا صحیح مفہوم اسلام نے پیش کیا ہے اور دونوں کو اس طرح حقوق دئے ہیں کہ کسی کی حق تلفی نہ ہو۔اور اسلام میں کہیں صنفی امتیاز کا تصور نہیں ہے۔

۱۶۔تانیثیت کی طرف سے سماج میں پدر سری نظام کے خلاف اٹھنے والی آواز کا اسلام کے پاس بہترین جواب ہے اور خوبصورت نعرہ بھی اور یہ کہ: ''نہ مرد سالاری اور نہ زن سالاری بلکہ عدل سالاری''

۱۷۔اسلامی تعلیمات کا صحیح زاویہ سے مطالعہ نہ صرف عورت اور نہ صرف مرد بلکہ انسانیت کے لئے امن وامان اور عدل ومساوات کا ضامن ہے۔

۱۸۔اسلامی ماخذ خواتین کے متعلق سفارشات وتاکیدات سے بھرے پڑے ہیں جہاں ان کے عزت واحترام اور ان کے ساتھ رفتار وگفتار میں بہتری اور مہر ومحبت کی بات کی گئی ہے اور اس کے برعکس اس کے خطرناک اخروی نتائج سے آگاہ کیا گیا ہے۔

۱۹۔اسلامی تانیثیت کے وہ نظریات جو اسلامی تعلیمات کے نئے سرے سے تفسیر وتبیین کی بات کرتے ہیں حق یہ ہے کہ انھوں نے اسلام کا صحیح طریقہ سے مطالعہ نہیں کیا ہے۔

۲۰۔کسی بھی طرح کی شدت پسندی سماج پر غلط اثر کرتی ہے لہٰذا شدت پسند تانیثیت کے اثرات بھی سماج پر صحیح مرتب نہ ہو سکے جس کے نتیجہ میں نظام خانوادہ بکھر گیا اور خواتین کی حیثیت مزید متاثر ہوئی۔

۲۱۔اسلام ان تمام تانیثی نظریات کو قبول کرتا ہے جو انسانی سماج کے لئے مفید ہوں۔کلی طور پر نہ تمام نظریات کو رد کرتا ہے اور نہ سب کو قبول کرتا ہے۔

سفارشات:

تانیثی نظریات کے اسلامی تناظر میں مطالعہ کے بعد درج ذیل سفارشات کی جاتی ہیں:

۱۔اس ترقی یافتہ دور میں بھی بہت سی خواتین ابھی بھی ایسی ہیں جن کو اپنی حیثیت کے بارے میں کچھ اطلاع نہیں ہے۔لہٰذا ضرورت اس بات کی ہے کہ خواتین میں شعور بیدار کیا جائے کہ وہ جانیں کہ سماج میں خود ان کا کیا مقام ہے۔

۲۔ابھی بھی بہت سی خواتین ایسی ہیں کہ جن کو حکومتوں کی جانب سے ان کے لئے بنائے گئے قوانین کی اطلاع نہیں ہے انھیں حکومت کی ان پالیسیوں سے آگاہ کرانا چاہئے تاکہ وہ اپنے حقوق کو پا سکیں۔

۳۔پوری دنیا میں تانیثیت (فیمنزم) کے ہنگامے کے باوجود خواتین کی ایک بڑی تعداد ہے جن میں اپنے حقوق

کے لئے آواز اٹھانے کا جذبہ وحوصلہ تو ہے لیکن وہ تانیثیت کے مفہوم سے آشنا نہیں ہیں انھیں اس تحریک سے اشنا کرایا جائے۔

۴۔علماء ودانشوروں کومل کر مذکورہ نظریات کا تجزیاتی مطالعہ کرنا چاہئے تاکہ ان نظریات کے منفی اثرات کی طرف توجہ کر کے اس کو صحیح جہت دی جاسکے۔

۵۔مذکورہ نظریات اوراس کے مثبت ومنفی اثرات کے سلسلہ میں خواتین سے تبادلہ خیال کر کے اس میں اصلاح کی کوشش کی جائے۔

۶۔بعض خواتین جو آزادی کا غلط ،مطلب نکالتے ہوئے سماج میں مفاسد کا سرچشمہ بن جاتی ہیں ان کو عورت کی آزادی کا صحیح مفہوم باور کرانا چاہئے تاکہ سماج مفاسد سے محفوظ رہے۔

۷۔گزشتہ بحثوں میں عورتوں کے لئے اسلام کی جانب سے بنائے گئے محکم ومضبوط قوانین کی گفتگو کی گئی لیکن آج ایک مسلمان عورت نہیں جانتی کہ دین اسلام نے اسے کیا مرتبہ اور کون سے حقوق دئے ہیں لہٰذا علمائے دین کا فریضہ ہے کہ اپنی تحریروں اور تقریروں کے ذریعہ خواتین کو ان کے اسلامی حقوق سے متعارف کرائیں جو دین اسلام نے معین کئے ہیں تا کہ کم سے کم مذہب کے نام پر ان کے ساتھ ناانصافی نہ ہوسکے۔

۹۔اسلام نے خواتین کو جو سماجی ،سیاسی ،معاشی ،انفرادی اوراجتماعی حقوق دئے ہیں آج کی عورت ان سے اس لئے فائدہ نہیں اٹھارہی ہے کہ وہ ان حقوق سے آشنا نہیں ہے۔چنانچہ نکاح ،طلاق اور خلع کے بہت سے مسائل اور خانوادہ میں آپسی اختلافات کے مسائل میں عورت خودکوتنہا محسوس کرتی ہے اس لئے چاہئے کہ ایسے مراکز قائم کئے جائیں جہاں خواتین کی پشت پناہی ہوسکے اوران مسائل میں ان کی مدد کی جاسکے۔

۱۰۔آج پوری دنیا میں تعلیم نسواں عام ہے لہٰذا جہاں لڑکیاں عصری تعلیم حاصل کر کے تمام وہ ڈگریاں حاصل کر رہی ہیں جو مرد بھی حاصل کر رہے ہیں وہیں دینی معاملہ میں بھی عورتیں پیچھے نہیں ہیں اور پوری دنیا میں تمام اسلامی فرقوں کے ایسے مدارس موجود ہیں جہاں لڑکیاں عصری تعلیم کے علاوہ دینی تعلیم بھی حاصل کر رہی ہیں اور بلند معنوی مقامات پر فائز ہو رہی ہیں ۔موجودہ سماج میں ان خواتین کی ذمہ داریاں اور زیادہ ہو جاتی ہیں جو علم دین حاصل کر رہی ہیں کہ وہ خواتین کو جمع کر کے قرآن واحادیث کے حوالہ سے انھیں ان کے فرائض سے آگاہ کریں ،دین اسلام کے مطابق زندگی جینے کا سلیقہ سکھائیں ،ان کے مرتبہ سے انھیں متعارف کرائیں ،ان کے حقوق اسلام نے کیا بیان کئے ہیں انھیں بتائیں اور خاص طور سے بچوں کی اسلامی تربیت کا سلیقہ سکھائیں تاکہ یہ عورتیں سماج کو اچھے افراد دے سکیں۔

۱۱۔دور حاضر میں جہاں الکٹرانک میڈیا سرچڑھ کر بول رہا ہے خواتین کے متعلق اسلامی وغیر اسلامی صحیح نظریات کو ان ذرائع ابلاغ کے ذریعہ عام کیا جانا چاہئے ۔کیوں کہ آج کتاب کی بنسبت انسان ان ذرایع ابلاغ سے زیادہ آشنا ہے اور استعمال کر رہا ہے ان ذرایع کو خواتین کے حقوق ومسائل کے ابلاغ کے لئے استعمال کر کے پوری دنیا کو ان سے متعارف

کرانا چاہئے۔

۱۲۔آج دنیا میں گلوبلائیزیشن کی وجہ سے اورلسانیاتی ترقی کی وجہ سے ہم اپنی بات کو پوری دنیا میں کہیں بھی پہنچا سکتے ہیں لہٰذا خاص طور سے اسلامی اسکالرس کی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ اسلام کے تانیثی نظریہ کو پوری دنیا تک پہنچائیں اور یہ واضح کریں کہ اٹھارہوں صدی سے عورت کی آزادی کی جو آواز بلند ہورہی ہے یا جو مسائل عورت کو لاحق ہیں ان کا حل چودہ صدیوں پہلے اسلام عالم انسانیت کے حوالے کر چکا ہے۔

۱۳۔مسلمان اسلامی تعلیمات کے پابند ہوں اور تمام اجتماعی وانفرادی مواقع پر اسلامی تعلیمات کی رعایت کریں تاکہ نہ صرف یہ کہ خواتین کا بلکہ کسی کا حق بھی ضائع نہ ہو اور خاص طور سے خواتین اسلام کی پناہ میں خود کو محفوظ محسوس کریں۔

۱۴۔اسلامی سماج میں رائج غیر اسلامی رسومات کو ختم کیا جائے تاکہ اس طرح نہ اسلام بدنام ہو اور نہ ہی ان رسم و رواج کی آڑ میں عورتوں کے حقوق کی پامالی ہو۔

حوالہ جات باب ششم

۱۔(www.alvadossadegh.com)

۲۔(مولانا ابوالاعلی مودودی۔ پردہ۔ص؍۱۹

۳۔(سورہ نساء۔آیت؍۳۲)

۴۔(جلیل روشن دل ورافیل قلی پور۔سیمای زنان در جہان۔نقل از،رونالڈاپنگلہارٹ،تحول فرہنگی در جامعہ پیشرفتہ صنعتی،ترجمہ: مریم وتر،ص؍۲۲۱)

۵۔(عبدالرسول ہاجر۔فمینسم جہانی وچالشہای فرارو۔ص؍۸۳۔قم بوستان کتاب اپ اول۔بی تا)

۶۔(عبدالرسول ہاجر۔فمینسم جہانی وچالشہای فرارو۔ص؍۹۳،ابراہیم حسینی۔فمینسم ،ص؍۲۴)

۷۔(مصباح یزدی۔آموزش عقائد۔ص؍۲۸۲)

۸۔(کتاب ناپلیون دراسلام)

۹۔(تاریخ قرآن،ص؍۱۵۸،سرالبیان،ص؍۶۶)

۱۰۔(تاریخ تمدن اسلام ،ج؍۳،ص؍۲۶۴۔ایدیالوژی و فرہنگ اسلامی ،ص؍۳۶۰،مسائل عصر ما ،ص؍۳۷۔سازش دین ودانش،ص؍۲۷۸۔www.tebyan.net/newindx)

۱۱۔(اعتراف دانشمندان بزرگ جہان ۔ص؍۵۱۔کمال روحانی ،دین سوزی معاصر (www.eslahe.com

بسمہٖ تعالیٰ

کتابیات

اردو کتب

سن اشاعت	ناشر	کتاب	مصنف/مترجم	شمارہ
۲۰۰۶ء	تنظیم المکاتب لکھنؤ	اسلام میں عورتوں کے حقوق	ابراہیم امینی	۱
	ولایت فاؤنڈیشن نئی دہلی	اسلام میں خواتین کے حقوق اور ان کی ذمہ داریاں	ابراہیم امینی آیۃ اللہ	۲
۱۹۹۵ء	مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی	تفہیم القرآن	ابوالاعلی مودودی مولانا	۳
۲۰۰۳ء	مرکزی مکتبہ اسلامیہ پبلیشرز دہلی	پردہ	ابوالاعلیٰ مودودی مولانا سید	۴
۲۰۰۹ء	الحسنات دہلی	مسلم خواتین کی ذمہ داریاں	ابوسلیم محمد عبدالحی	۵
۲۰۰۲ء	اسلامک بک فاؤنڈیشن دہلی	کتاب النکاح والطلاق	ابن رشد علامہ	٦
۲۰۰۴ء	درراہ حق قم ایران	اصول دین	ادارۂ نور اسلام	۷
		بہشتی زیور	اشرف علی تھانوی حکیم امت حضرت مولانا	۸
۲۰۱۱ء	ماشاءاللہ ہاؤس گومتی نگر لکھنؤ	اردو ادب میں خواتین کا حصہ	آصفہ زمانی	۹
۲۰۰۱ء	ورلڈ اسلامک نٹورک	اسلامی ازدواج	اظہر حسین رضوی	۱۰
۲۰۱۰ء	عرشیہ پبلیکیشنز دہلی	تانیثیت اور قرۃ العین حیدر کے نسوانی کردار	اعجاز الرحمٰن	۱۱
سن اشاعت	**ناشر**	**کتاب**	**منصف**	**شمارہ**

شمارہ	منصف	کتاب	ناشر	سن اشاعت
۱۲	آمنہ تحسین ڈاکٹر	مطالعات نسواں	ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس دہلی	۲۰۰۸ء
۱۳	ایسوسی ایشن آف امام مہدی	ازدواجی زندگی۔اہمیت و مسائل	------	۲۰۱۳ء
۱۴	پیام اعظمی ڈاکٹر	عورت (منظوم)		
۱۵	سید جلال الدین عمری مولانا	مسلمان عورتوں کے حقوق اوران پر اعتراضات کا جائزہ	مرکزی مکتبہ اسلامیہ پبلیشرز دہلی	۲۰۱۱ء
۱۶	حسین زیدی سید	اسلام اور عورت	مسلم ہائی اسکول سری نگر کشمیر	----
۱۷	ذیشان حیدر جوادی علامہ	قرآن مجید مترجم	تنظیم المکاتب لکھنؤ	
۱۸	ذیشان حیدر جوادی علامہ سید	عورت اور شریعت	تنظیم المکاتب لکھنؤ	۱۹۹۷ء
۱۹	رادھا کمار	استری سنگھرش کا اتیہاس (ہندی)	وانی پرکاشن	۲۰۰۵ء
۲۰	رئیس احمد جارچوی	اسلام میں عورت کی حیثیت	شہید پبلیکیشنز دہلی	۲۰۰۶ء
۲۱	رضوان حیدر رضوی سید	عہد قطب شاہی میں خواتین کی سماجی وثقافتی خدمات	مقالہ ایم فل	۲۰۱۰ء
۲۲	رضیہ سلطانہ کی شہادت	------	------	------
۲۳	رما نکا گپتا	استری ومرش قلم اور کدال کے بہانے (ہندی)	روچکا پرنٹرس دہلی	۲۰۰۷ء
۲۴	سلیمان ندوی علامہ سید	سیرت عائشہ	دارالاشاعت مصطفائی دہلی	۲۰۰۸ء
۲۵	شمس پیرزادہ	طلاق کب اور کیسے؟	ادارہ دعوۃ القرآن	۱۹۸۵ء
شمارہ	منصف	کتاب	ناشر	سن اشاعت

۲۶	شہناز نبی	فیمینزم، تاریخ وتنقید	رہروان ادب پبلی کیشنز کولکاتا	۲۰۱۲ء
۲۷	طالب ہاشمی	تاریخ اسلام کی ۴۰۰ باکمال خواتین	اسلامک بک فاؤنڈیشن دہلی	۲۰۰۲ء
۲۸	صدوق شیخ۔ترجمہ حسن امدادممتازالافاضل	من لایحضرہ الفقیہ	نظامی پریس لکھنؤ	۲۰۰۲ء
۲۹	عبدالسلام ندوی مولانا	اسوۂ صحابیات	دارالمصنفین شبلی اکیڈمی اعظم گڑھ	۲۰۰۸ء
۳۰	عزیزالحسن جعفری	اسلام کی دس عظیم خواتین	j.k. آفسٹ دہلی	۱۹۹۰ء
۳۱	علی نقی النقوی سید مولانا	تفسیر قرآن	غلامحمد بٹ ثمر بیگ، کشمیر	۱۹۸۳ء
۳۲	کرار حسین سید	ام المومنین حضرت عائشہ	احباب پبلشرس	۱۹۷۶ء
۳۳	کرار حسین واعظ	ملیکۃ العرب	احباب پبلیکیشنز لکھنؤ	۱۹۷۱ء
۳۴	کمال الدین الدمیری علامہ	حیاۃ الحیوان	شمس پبلشرز ابالمعالی (علی مسجد) دہلی	۱۹۹۳ء
۳۵	مائل خیرآبادی	اسلامی نظام میں عورت کا مقام	مرکزی مکتبہ اسلامیہ پبلیشرز دہلی	۲۰۰۳ء
۳۶	مائل خیرآبادی	اسلام میں عورت کی حیثیت	نیوکریسنٹ پبلشنگ کمپنی	۲۰۰۴ء
۳۷	محمد باقر مجلسی علامہ	حیات القلوب	شیعہ اکیڈمی۔ممبئی	۱۹۹۶ء
۳۸	محمد منیر خان	عورت کی شخصیت اورامام خمینی	موسسہ تنظیم ونشر آثارامام خمینی تہران	۲۰۰۷ء
۳۹	محمد مھدی آصفی	اسلام اور مغربی تمدن کی یلغار	مجمع جہانی اہلبیت قم ایران	۲۰۰۶ء
۴۰	مقبول احمد نوگانوی	ام سلمی ام المومنین	ادارۂ اصلاح لکھنؤ	۲۰۱۰ء
شمارہ	منصف	کتاب	ناشر	سن اشاعت

۴۱	محمود الرشید حدوٹی	اسلام اور عورت	--------	--------
۴۲	مرتضیٰ مطہری شہید	عورت پردہ کی آغوش میں	عباس بک ایجنسی لکھنؤ	۲۰۱۱ء
۴۳	مرتضیٰ مطہری شہید	اسلام میں خواتین کے حقوق	عباس بک ایجنسی لکھنؤ	۲۰۰۲ء
۴۴		مالکیت اسلامی نقطہ نظر سے	----------	-----
۴۵		ماریہ قبطیہ ام المومنین	----------	-----
۴۶	محمد عرفان ثاقب قاسمی کرمالوی مولانا	ماڈرن عورت اور اسلام	تحقیقات شرعیہ اکیڈمی مظفر نگر یوپی	۲۰۰۹ء
۴۷	محمد برہان الدین سنبھلی مولانا	یونیفارم سول کوڈ عورت کے حقوق	لکھنؤ پبلشنگ ہاؤس لکھنؤ	۱۹۹۶ء
۴۸	منیب الرحمٰن پروفیسر مفتی	تفسیر سورۃ النساء	فرید آرٹ پریس، کراچی	۲۰۰۱ء
۴۹	نجمہ سلطانہ	قصص الانبیاء	فرح ہرنٹرس۔حیدر آباد	----
۵۰	ناصر مکارم شیرازی ترجمہ۔صفدر حسین نجفی	تفسیر نمونہ	مصباح القرآن ٹرسٹ لاہور	۱۴۰۹ھ
۵۱	نثار احمد زین پوری مولانا	رسالہ حقوق	والایت فاؤنڈیشن۔دہلی	۲۰۱۴ء
۵۲	نیاز فتحپوری	گہوارۂ تمدن	علی گڑھ مطبع انسٹیٹیوٹ	۱۹۱۹ء
۵۳	نذیر احمد حافظ	آسان اردو ترجمہ قرآن مجید	انجمن حمایت اسلام پریس لاہور	۱۹۸۷ء

فارسی کتب

۱	ابراهیم حسینی	فمنیسم	انتشارات معارف قم ایران	۱۳۸۸ ش
۲	ابراهیم خرمی مشگانی	چرا حجاب؟	مرسل کاشان	۱۳۸۸ ش
۳	ابو الفضل رشید الدین المبیدی	کشف الاسرار و عدة الابرار	انتشارات امیر کبیر	۱۳۷۱ ش
۴	احمد آزری قمی	سیمای زن در نظام اسلام	انتشارات دار العلم	۱۳۷۳ ش
۵	احمد ضرابی	راز آفرینش زن (پرسش و پاسخ)	نشر سنبله ، مشهد	۱۳۸۰ ش
۶	آریل لوی ،تیم کسر۔ ترجمه۔ فاطمه سادات رضویراحله میر اسلامی	تاثیر فمنیسم بر دختران در غرب	دفتر نشر معارف تهران	۱۳۸۹ ش
۷	اسد الله محمدی نیا	دختران می پرند چرا	انتشارات سبط اکبر قم	۱۳۸۴ ش
۸	آزاده وجدانی	تاثیر فمنیسم بر فروپاشی حکومتها	دفتر نشر معارف تهران	۱۳۸۶ ش
۹	آلن آر۔ کلاین۔ ترجمه۔ طاهره توکلی	عریان کردن فمینیسم	دفتر نشر معارف ۔تهران	۱۳۸۶ ش
۱۰	آنده میشل۔محمد جعفر پوینده	پیکار با تبعیض جنسی	نشر چشمه	۱۳۸۲ ش

۱۱	استوارت رین ـترجمہ۔ کتایون رجبی راد	تاثیر فمینیسم بر فرزندان	دفتر نشر معارف ،تهران	۱۳۸۶ ش
۱۲	اسد الله محمد نیا	برهنگی زنان پیرامون زیانهای: برهنگی، از نظر اجتماعی	سبط اکبر ،قم	۱۳۸۳ ش
۱۳	اسد الله محمد نیا	فلسفه حجاب	سبط اکبر ،قم	۱۳۸۳ ش
۱۴	امیر سعادتی ، مریم قربان زاده	کشف حجاب از کشف حجاب	آهنگ قلم ، مشهد	۱۳۸۶ ش
۱۵	امیر ملک محمودی الیگودرزی	کرشمه شیطانی	مشهور ، قم	۱۳۸۰ ش
۱۶	اولین رید ـافشنگ مقصودی	آزادی زنان مسائل ،تحلیلها ،و دید گاه ها	نشر گل آذین تهران	۱۳۸۰ ش
۱۷	ایولین ریدـفتاح محمدی	آیا بیولوژی سرنوشت زن است؟	هزاره سوم تهران	۱۳۸۲ ش
۱۸	ایرج حامد ی کلخوران	زن در آئینه ادیان	رهرو دانش اردبیل	۱۳۸۵ ش
۱۹	برایس کریستنسن ترجمه ـآزاده وجدانی	تاثیر فمینیسم بر فروپاشی حکومت ها	دفتر نشر معارف	۱۳۸۶ ش
۲۰	پاسخ های قرآنی	زن از زبان قرآن	دفتر تبلیغات اسلامی حوزه علمیه ، قم	۱۳۸۶ ش
۱۲	پاملا آبوت،کلر ولاسـمنیژه نج عراقی	جامعه شناسی زنان	نشر نی	۱۳۸۰ ش

۲۲	پاملا ابوت، کلر والاس۔مریم خراسانی حمید احمدی	مقدمه ای بر جامعه شناسی (نگرش های فمنیستی)	دنیای مادر تهران	۱۳۸۰ ش
۲۳	پریسا پور علمداری	دروغهائی که زنان باور می کنند	دفتر نشر معارف تهران	۱۳۸۹ ش
۲۴	پریسا پور علمدار سمانه مدنی ،	دختران به عفاف روی می آورند	دفتر نشر معارف تهران	۱۳۸۹ ش
۲۵	پژوهشکده فرهنگ و معارف	مجموعه مصاحبه ها ،مقالات و میز گردهای همایش اسلام و فمینیسم	دانشگاه فردوسی مشهد	۱۳۸۲ ش
۲۶	۔تونی گرنت۔فروزان گنجی زاده	زن بودن٬به زنانگی خود تحقق بخشید و عشق را بیابید	نشر ورجاوند تهران	۱۳۸۲ ش
۲۷	جرد گلدر ، کارل زینس میسیر ؛ترجمه ۔سمانه مدنی ،آزاده وجدانی	چه کسی گهواره را تکان خواهد داد	دفتر نشر معارف تهران	۱۳۸۹ ش
۲۸	جمعی از نویسند گان	زن در نگاه بزرگان	کتاب طه ،قم	۱۳۸۱ ش
۲۹	جمعیت زنان جمهوری اسلامی	نگرشی گزرا به مقام زن در جهان	انتشارات هادی	۱۳۶۸ ش
۳۰	جوزف هنس،ایولین رید،ماریالس واتز مترجم ۔فشنگ مقصودی	آرائش ،مد و هرزه کشی از زنان	نشر گل آذین تهران	۱۳۸۱ ش

۳۱	جیم هولم و جان بوکر ترجمه ـعلی غفاری	زن در ادیان بزرگ جهان	سازمان تبلیغات اسلامی تهران	۱۳۸۴ ش
۳۲	جورج پوپ ـترجمه ـ عفت شیرازی	زنان بزرگ تاریخ	نشر موج	۱۳۷۷ ش
۳۳	جین فریدمن ـفیروز مهاجر	فمینیسم	آشیان	۱۳۸۱ ش
۳۴	حسن انوری دکتر	فرهنگ فشرده سخن	سخن ، تهران	۱۳۸۲ ش
۳۵	حسین رحیمی ، علی دوانی	اوصاف و ویژگی زن در قرآن و روایات	بی جا ـ بی نا	----
۳۶	حسین مهدی زاده	تاثیر پوشش اسلامی در مهار غریزه جنسی	مرکز پژوهشهای اسلامی صدا وسیما ، قم	۱۳۸۳ ش
۳۷	خسرو باقری	مبانی فلسفی فمینیسم	وزارت علوم ،تحقیقات و فناوری دفتر برنامه ریزی اجتماعی	۱۳۸۲ ش
۳۸	دفتر فعالیتهای فرهنگی ، هنری بانوان	سیر تحول و تطور حجاب در ایران	اداره کل فرهنگ و ارشاداسلامی ،تهران	۱۳۷۳ ش
۳۹	دافنه دمارنوف آزاده وجدانی	غریزه مادری	دفتر نشر معارف تهران	۱۳۸۹ ش
۴۰	دیانا پاسنو ـترجمه ـ محمد رضا مجیدی	فمنیسم راه یا بی راه ؟	دفتر نشر معارف ،تهران	۱۳۸۶ ش
۴۱	رویا منجم	زن ـمادر "نگاهی متفاوت به مسئله زن"	نشر مس	۱۳۸۱ ش

۴۲	رزمری تانگ ۔ ترجمہ منیژہ نجم عراقی	درآمدی بر نظریہ ہای فمینیستی	نشر نی ،تہران	۱۳۸۷ ش
۴۳	زہرا حیدر پورنیہ	بر رسی جایگاہ ان در جہان امروز	وزارت علوم ، تحقیقات و فناوری دانشکدہ معارف قرآنی ۔ اصفہان	۱۳۸۶ ش
۴۴	زہرا عظیمی	نگاہی بہ حقوق زن در اسلام	صدا و سیما ی جمہوری اسلامی ایران ،قم	۱۳۸۶ ش
۴۵	سعیدہ باقری فر	حقوق زنان ۔ برابری یا نا برابری	دفتر نشر موارف ، تہران	۱۳۸۶ ش
۴۶	سمیہ سادات لوح موسوی	زن باش	دفتر نشر فرہنگ اسلامی تہران	۱۳۸۴ ش
۴۷	سوزان آلیس واتیکز،ماریساروئدا مارا رودیگر۔زیبا جلاجی نائینی	فمینیسم قدم اول	شیرازہ تہران	۱۳۸۰ ش
۴۸	شہرام رفیعی فرشہر بانو پاپی نژادو دیگران ۔ترجمہ	خشونت علیہ زنان	تندیس	۱۳۸۰ ش
۴۹	منیرہ رضائی ،فروغ ذکاوتی و دیگران	مطالعات زنان	دفتر نشر معارف ۔ تہران	۱۳۹۰ ش
۵۰	صادق شیرازی ۔ترجمہ ۔علی کاظمی	مفاسد بی حجابی	آزادی ، قم	-----------
۵۱	طاہرہ توکلی	عریان کردن فمنیسم	دفتر نشر معارف تہران	۱۳۸۷ ش

۵۲	طیبه پارسا	پوشش زن در گسته تاریخ	احسن الحدیث ، قم	۱۳۷۷ ش
۵۳	طبا طبائی علامه	تعدد زوجات و مقام زن در اسلام	انتشارات آزادی	-----------
۵۴	عباس یزدانی	فمینیسم و دانستنیهای فمینیستی	دفتر مطالعات و تحقیقات زنان	۱۳۸۲ ش
۵۵	عبد الرسول هاجری	فمنیسم جهانی و چالشهای پیش رو	بوستان کتاب قم ایران	۱۳۸۲ ش
۵۶	عبد الله جوادی آملی آیة الله	زن در آئینه جمال و جلال	مرکز نشر فرهنگ رجا	۱۳۷۱ ش
۵۷	عزت الله مهاجری	مروری بر اصطلاحات:مدرنیسم، پلوراليسم سکولاریسم فمینیسم	عابد تهران	۱۳۸۰ ش
۵۸	علی دوانی	زن در قرآن	بی نا ، قم	۱۳۶۲ ش
۵۹	علی آل محسن ـترجمه اکبر ترابی شهرضائی	زنان اسوه	-----	-----
۶۰	غزاله دولتی،هاله حسینی اکبر نژادحوریه حسینی اکبر نژاد	بررسی مبانی فلسفی، اخلاقی ،کلامی و آثار علمی فمنیسم	دفتر نشر معارف	۱۳۸۸ ش
۶۱	غلام عباس حکمت منش	آزادی و زنان	گلبرگ تهران	۱۳۸۲ ش

۶۲	پریسا پور علمدار فائزہ عسکریان	بر تر از فرشتگان	آہنگ صبح تہران	۱۳۸۳ ش
۶۳	فردریک انگلس۔اصغر مہدی زادگان	زنان در جامعه	نگاہ تہران	۱۳۸۱ ش
۶۴	فریبا الا سوند	نقد کنوانسیون رفع کلیه اشکال تبعیض علیه زنان	مرکز مدیریت حوزه علمیه، قم	۱۳۸۲ ش
۶۵	فریدہ مصطفوی	زن از منظر اسلام	بوستان کتاب ،قم	۱۳۸۲ ش
۶۶	فتحیه فتاح زاده	زن در تاریخ و اندیشها	بوستان کتاب ، قم	۱۳۸۶ ش
۶۷	فواد محمد والدقس۔ ترجمه۔فاطمه حیدری	آشنائی با زنان قرآنی	نشر مشعر ،تہران	۱۳۸۹ ش
۶۸	فیلیس شلافی ، سوزان ونکر، ترجمه ۔نجمه غلام علی اللهیاری	آن روی فمینیسم	دفتر نشر معارف ،تہران	۱۳۹۳ ش
۶۹	کتایون رجبی راد	تاثیر فمنیسم بر فرزندان	دفتر نشر معارف تہران	۱۳۸۷ ش
۷۰	کریستینا ہوف سومرز مترجم۔ پریسا پور علمداری	خیانت زنان به همنوعان خود	دفتر نشر معارف	۱۳۷۵ ش
۷۱	کریم توکلیان دکتر	دانستنیهای پزشکی زنان	انتشارات قیام ،قم	۱۳۶۹ ش
۷۲	لوئیز ہی ، ترجمه۔ م۔ ن۔ مینا	زنان خردمند نغمه افسردگی سر نمی دهند	نامک ، تہران	۱۳۸۴ ش

۷۳	محسن دهقانی	منطق کرامت زن	شهاب الدین ، قم	۱۳۸۶ ش
۷۴	محسن قرائتی	تفسیر نور	مرکز فرهنگی درسهای از قرآن	۱۳۸۰ ش
۷۵	محمد حکیمی	دفاع از حقوق زن	دفتر نشر فرهنگ اسلامی تهران	۱۳۸۶ ش
۷۶	محمد حسین فضل الله علامه	اسلام زن و جستاری تازه	بوستان کتاب قم ایران	۱۳۸۶ ش
۷۷	محمد نجفی یزدی سید	ازدواج	دفتر انتشارات اسلامی	۱۳۷۳ ش
۷۸	محمد رضا مجیدی	فمنیسم ره یابی راه	دفتر نشر معارف تهران	۱۳۸۶ ش
۷۹	محمد معین دکتر	فرهنگ صبا	--------------	--------
۸۰	محمد منصور نژاد	مسئله زن ،اسلام و فمنیسم	برگ زیتون تهران	۱۳۸۱ ش
۸۱	محمد رضا زیبائی نژاد،محمد تقی سبحانی	در آمدی بر نظام شخصیت زن در اسلام ﴿بررسی مقائسه ای دیدگاه اسلام و غرب﴾	نصائح قم	۱۳۸۲ ش
۸۲	محمد بیستونی	حقوق زن از دیدگاه قرآن کریم	بیان جوان ، تهران	۱۳۸۲ ش
۸۳	محمد رضا امین زاده	جایگاه اخص و ممتاز زن	سازمان تبلیغات اسلامی ،تهران	۱۳۸۰ ش
۸۴	محمد علی	حجاب در ادیان الٰهی	نو گستر ، قم	۱۳۸۰ ش
۸۵	محمد منصور نژاد	مسئله زن اسلام و فمینیسم ﴿در دفاع از حقوق زنان﴾	برگ زیتون تهران	۱۳۸۱ ش

۸۶	محمد صادق امیدواری خراسانی	آئینہ رفتار (وظایف مردان و زن)	سبط النبی	۱۳۸۵ ش
۸۷	محمد رضا کوهی	آسیب شناسی شخصیت و محبوبیت زن	نشر قم	۱۳۸۷ ش
۸۸	محمد رضا کوهی	ویژگیها و امتیازات زنان	بی جا	۱۳۸۶ ش
۸۹	محمد رضا نکو نام	زن مظلوم همیشه تاریخ	ظهور شفق ،قم	۱۳۸۴ ش
۹۰	محمد مهدی تاج لنگرودی واعظ	داستان زنان	چاپخانه حیدری	۱۳۶۶ ش
۹۱	محمود حسن آبادی	مکتب اصالت زن (فمینیسم) در نقد ادبی نیکو	نشر مشهد	۱۳۸۱ ش
۹۲	محمود سامانی	نقش زنان در تاریخ اسلام	نشر مشعر ،تهران	۱۳۹۰ ش
۹۳	محمد علی هدایتی	احیای حیا	کوثر غدیر ، قم	۱۳۸۲ ش
۹۴	مسعود معصومی سید	احکام روابط زن و مرد	دفتر تبلیغات قم ایران	۱۳۷۷ ش
۹۵	مسعود معصومی سید	فمنیسم در یک نگاہ	انتشارات موسسه آموزشی و پژوهشی امام خمینی	۱۳۸۷ ش
۹۶	مرتضیٰ مطهری شهید	مسئله حجاب	انتشارات صدری	۱۳۷۷ ش
۹۷	مرتضی مطهری	نظام حقوق زن در اسلام	انتشارات صدریٰ	۱۳۷۶ ش
۹۸	مرتضیٰ مطهری شهید	تفسیر سوره نور	وزارت فرهنگ و ارشاد اسلامی،تهران	۱۳۶۰ ش

۹۹	مرتضی عطائی	داستانهای حجاب 〈قصه ها،خاطرات،نامه ها〉	نشر الف مشهد	۱۳۷۸ء ش
۱۰۰	مهدی نهریزی	بولتن مرجع : گزیده مقالات و متون در بار ه فمنیسم	بین المللی الهدی تهران	۱۳۸۰ء ش
۱۰۱	مدیریت مطالعات اسلامی	بولتن مرجع : گزیده مقالات و متون در باره فمنیسم	بین المللی الهدی تهران	۱۳۷۸ء ش
۱۰۲	مگی هام،سارا گمبل، فیروز مهاجر، نوشین احمدی خراسانی	فرهنگ نظریه های فمینیستی	نشر توسعه	۱۳۸۲ء ش
۱۰۳	منیژه نجم عراقی	درآمدی جامع بر نظریه های فمنیستی	دفتر نشر معارف تهران	۱۳۸۷ء ش
۱۰۴	منیژه نجم عراقی،مرسده صالحپور،نسترن موسوی	زن و ادیان "سلسله پژوهشهای نظری درباره مسائل زنان "	نشر چشمه	۱۳۸۲ء ش
۱۰۵	مور گان مارابل ۔ مترجم صادق آسوده	هنر زن بودن	امید فرزانگان	۱۳۸۱ء ش
۱۰۶	مهر انگیز کار	پژوهش در باره خشونت علیه زنان در ایران	روشنگران و مطالعات زنان	۱۳۸۱ء ش
۱۰۷	میشل ریو ۔ سارسه، ترجمه ۔ عبد الوهاب احمدی	تاریخ فمینیسم	ایماژ	۱۳۹۰ء ش

۱۰۸	نانسی لی دموس، ترجمہ ۔پریسا پور علمداری	دروغهائی که زنان باور می کنند حقایقی که آنها را آزاد می سازد	دفتر نشر معارف، تهرا	۱۳۸۶ ش
۱۰۹	ناهید طیبی	زن در چشم پیامبر ﷺ	بهشت بینش، قم	۱۳۸۵ ش
۱۱۰	نوشین احمدی خراسانی	جنس دوم (مجموعه مقالات)	نشر توسعه	۱۳۷۷ ش
۱۱۱	وندی شلیت و نانسی لی دموس،ترجمہ ۔ سمانه مدنی ۔ پریسا پور علمداری	دختران به عفاف روی می آورند	دفتر نشر معارف ،تهران	۱۳۸۹ ش
۱۱۲	هادی قطبی	چرا زن شدم؟ (پاسخهای کوتاه به پرسش های دختران	بهار دلها، قم	۱۳۹۰ ش
۱۱۳	هادی دوست محمدی	شخصیت زن از دیدگاه قرآن	سازمان تبلیغات اسلامی، تهران	۱۳۶۸ ش
۱۱۴	همایش زن و پژوهش	(۱۳۸۴، تهران)خلاصه مقالات همایش و پژوهش	دانشگاه تهران	۱۳۸۴ ش
۱۱۵	همایش نقش زن در گفت و گوی تمدنها	زن در فرهنگها و تمدنها	برگ زیتون ،تهران	۱۳۸۱ ش
۱۱۶	یوسف غلامی	جلوه نمائی زنان و نگاه مردان	لاهیجی، قم	۱۳۸۱ ش

عربی کتب

۱	حر عاملی شیخ	وسائل الشیعه	دارا لاحیاء التراث ، بیروت	۱۹۸۳ء
۲	حسین نوری طبرسی میرزا	مستدرک الوسائل	مطبع سعید ، مشهد	۱۴۰۶ھ
۳	محمد باقر مجلسی علامه	بحار الانوار	موسسه الوفاء بیروت	۱۹۸۳
۴	محمد حسین نجفی شیخ الفقهاء	جواهر الکلام	دار الکتب الاسلامیه ، تهران	۱۳۹۲ھ
۵	محمد حسین طباطبائی علامه	المیزان فی تفسیر القرآن	موسسه اسماعیلیان ، قم	۱۳۷۱ ش
۶	محمد رشید رضا	حقوق النساء فی الاسلام	المکتب الاسلامی ، بیروت	-----
۷	محمد رضامظفر علامه	عقائد الامایه	ولایت فائونڈیشن دهلی	۲۰۱۴ء

رسائل

١	فصلنامه شورای فرهنگی	اجتماعی زنان	کتاب زنان فمینیسم ⟨١⟩ شماره ٢٨	١٣٨٤ ش
٢	فصلنامه شورای فرهنگی	اجتماعی زنان	کتاب زنان فمینیسم ⟨٢⟩شماره ٢٩	١٣٨٤ ش
٣	فصلنامه شورای فرهنگی	اجتماعی زنان	کتاب زنان فمینیسم ⟨۴⟩شماره ٣١	١٣٨٥ ش
۴	فصلنامه شورای فرهنگی	اجتماعی زنان	کتاب زنان فمینیسم ⟨۵⟩شماره ٣٢	١٣٨٥ ش
۵	ماهنامه پیام زن	سال یازدهم	شماره۔١١	١٣٨١ ش
٦	ماهنامه پیام زن	سال یازدهم	شماره۔١٢	١٣٨١ ش
٧	ماهنامه پیام زن	سال دوازدهم	شماره۔١	١٣٨٢ ش
٨	ماهنامه پیام زن	سال دوازدهم	شماره۔٢	١٣٨٢ ش
٩	ماهنامه پیام زن	سال دوازدهم	شماره۔٣	١٣٨٢ ش
١٠	ماهنامه پیام زن	سال دوازدهم	شماره۔۴	١٣٨٢ ش
١١	ماهنامه پیام زن	سال دوازدهم	شماره۔۵	١٣٨٢ ش
١٢	ماهنامه پیام زن	سال دوازدهم	شماره۔٦	١٣٨٢ ش

کتابیات

﴿اردو کتب﴾

شمارہ	مصنف/مترجم	کتاب	ناشر	سن اشاعت
۱	ابراہیم امینی	اسلام میں عورتوں کے حقوق	تنظیم المکاتب لکھنؤ	۲۰۰۶ء
۲	ابراہیم امینی آیۃ اللہ	اسلام میں خواتین کے حقوق اور ان کی ذمہ داریاں	ولایت فاؤنڈیشن نئی دہلی	
۳	ابوالاعلیٰ مودودی مولانا	تفہیم القرآن	مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی	۱۹۹۵ء
۴	ابوالاعلیٰ مودودی مولانا سید	پردہ	مرکزی مکتبہ اسلامیہ پبلیشرز دہلی	۲۰۰۳ء
۵	ابوسلیم محمد عبدالحی	مسلم خواتین کی ذمہ داریاں	الحسنات دہلی	۲۰۰۹ء
۶	ابن رشد علامہ	کتاب النکاح والطلاق	اسلامک بک فاؤنڈیشن دہلی	۲۰۰۲ء
۷	ادارۂ نور اسلام	اصول دین	در راہ حق قم ایران	۲۰۰۴ء
۸	اشرف علی تھانوی حکیم امت حضرت مولانا	بہشتی زیور		
۹	آصفہ زمانی	اردو ادب میں خواتین کا حصہ	ماشاءاللہ ہاؤس گومتی نگر لکھنؤ	۲۰۱۱ء
۱۰	اظہر حسین رضوی	اسلامی ازدواج	ورلڈ اسلامک نٹورک	۲۰۰۱ء
۱۱	اعجاز الرحمٰن	تانیثیت اور قرۃ العین حیدر کے نسوانی کردار	عرشیہ پبلیکیشنز دہلی	۲۰۱۰ء
شمارہ	منصف	کتاب	ناشر	سن اشاعت

شمارہ	منصف	کتاب	ناشر	سن اشاعت
۱۲	آمنہ تحسین ڈاکٹر	مطالعات نسواں	ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس دہلی	۲۰۰۸ء
۱۳	ایسوسی ایشن آف امام مہدی	ازدواجی زندگی۔اہمیت ومسائل	------	۲۰۱۳ء
۱۴	پیام اعظمی ڈاکٹر	عورت (منظوم)		
۱۵	سید جلال الدین عمری مولانا	مسلمان عورتوں کے حقوق اوران پر اعتراضات کا جائزہ	مرکزی مکتبہ اسلامیہ پبلیشرز دہلی	۲۰۱۱ء
۱۶	حسین زیدی سید	اسلام اور عورت	مسلم ہائی اسکول سری نگر کشمیر	----
۱۷	ذیشان حیدر جوادی علامہ	قرآن مجید مترجم	تنظیم المکاتب لکھنؤ	
۱۸	ذیشان حیدر جوادی علامہ سید	عورت اور شریعت	تنظیم المکاتب لکھنؤ	۱۹۹۷ء
۱۹	رادھا کمار	استری سنگھرش کا اتیہاس (ہندی)	وانی پرکاشن	۲۰۰۵ء
۲۰	رئیس احمد جارچوی	اسلام میں عورت کی حیثیت	شہید پبلیکیشنز دہلی	۲۰۰۶ء
۲۱	رضوان حیدر رضوی سید	عہد قطب شاہی میں خواتین کی سماجی وثقافتی خدمات	مقالہ ایم فل	۲۰۱۰ء
۲۲	رضیہ سلطانہ کی شہادت	------	------	------
۲۳	رمانکا گپتا	استری ومرش قلم اور کدال کے بہانے (ہندی)	روچکا پرنٹرس دہلی	۲۰۰۷ء
۲۴	سلیمان ندوی علامہ سید	سیرت عائشہ	دارالاشاعت مصطفائی دہلی	۲۰۰۸ء
۲۵	شمس پیرزادہ	طلاق کب اور کیسے؟	ادارہ دعوۃ القرآن	۱۹۸۵ء

شمارہ	منصف	کتاب	ناشر	سن اشاعت
۲۶	شہناز نبی	فیمنزم، تاریخ وتنقید	رہروان ادب پبلی کیشنز کولکاتا	۲۰۱۲ء
۲۷	طالب ہاشمی	تاریخ اسلام کی ۴۰۰ باکمال خواتین	اسلامک بک فاؤنڈیشن دہلی	۲۰۰۲ء
۲۸	صدوق شیخ۔ترجمہ حسن امداد ممتاز الافاضل	من لایحضرہ الفقیہ	نظامی پریس لکھنؤ	۲۰۰۲ء
۲۹	عبدالسلام ندوی مولانا	اسوۂ صحابیات	دارالمصنفین شبلی اکیڈمی اعظم گڑھ	۲۰۰۸ء
۳۰	عزیز الحسن جعفری	اسلام کی دس عظیم خواتین	j.k. آفسٹ دہلی	۱۹۹۰ء
۳۱	علی نقی النقوی سید مولانا	تفسیر قرآن	غلامحمد بٹ ثمر بیگ، کشمیر	۱۹۸۳ء
۳۲	کرار حسین سید	ام المومنین حضرت عائشہ	احباب پبلشرس	۱۹۷۶ء
۳۳	کرار حسین واعظ	ملیکۃ العرب	احباب پبلیکیشنز لکھنؤ	۱۹۷۱ء
۳۴	کمال الدین الدمیری علامہ	حیاۃ الحیوان	شمس پبلشرز ابالمعالی (علی مسجد) دہلی	۱۹۹۳ء
۳۵	مائل خیرآبادی	اسلامی نظام میں عورت کا مقام	مرکزی مکتبہ اسلامیہ پبلیشرز دہلی	۲۰۰۳ء
۳۶	مائل خیرآبادی	اسلام میں عورت کی حیثیت	نیو کریسنٹ پبلشنگ کمپنی	۲۰۰۴ء
۳۷	محمد باقر مجلسی علامہ	حیات القلوب	شیعہ اکیڈمی۔ممبئی	۱۹۹۶ء
۳۸	محمد منیر خان	عورت کی شخصیت اور امام خمینی	موسسہ تنظیم ونشر آثار امام خمینی تہران	۲۰۰۷ء
۳۹	محمد مھدی آصفی	اسلام اور مغربی تمدن کی یلغار	مجمع جہانی اہلبیت قم ایران	۲۰۰۶ء
۴۰	مقبول احمد نوگانوی	ام سلمی ام المومنین	ادارۂ اصلاح لکھنؤ	۲۰۱۰ء

۴۱	محمود الرشید حدوٹی	اسلام اور عورت	-------	-------
۴۲	مرتضٰی مطہری شہید	عورت پردہ کی آغوش میں	عباس بک ایجنسی لکھنؤ	۲۰۱۱ء
۴۳	مرتضٰی مطہری شہید	اسلام میں خواتین کے حقوق	عباس بک ایجنسی لکھنؤ	۲۰۰۲ء
۴۴		مالکیت اسلامی نقطہ نظر سے	---------	-----
۴۵		ماریہ قبطیہ ام المومنین	---------	-----
۴۶	محمد عرفان ثاقب قاسمی کرمالوی مولانا	ماڈرن عورت اور اسلام	تحقیقات شرعیہ اکیڈمی مظفرنگر یوپی	۲۰۰۹ء
۴۷	محمد برہان الدین سنبھلی مولانا	یونیفارم سول کوڈ عورت کے حقوق	لکھنؤ پبلشنگ ہاؤس لکھنؤ	۱۹۹۶ء
۴۸	منیب الرحمٰن پروفیسر مفتی	تفسیر سورۃ النساء	فرید آرٹ پریس، کراچی	۲۰۰۱ء
۴۹	نجمہ سلطانہ	قصص الانبیاء	فرح ہرنٹرس ۔حیدر آباد	----
۵۰	ناصر مکارم شیرازی ترجمہ۔صفدر حسین نجفی	تفسیر نمونہ	مصباح القرآن ٹرسٹ لاہور	۱۴۰۹ھ
۵۱	نثار احمد زین پوری مولانا	رسالہ حقوق	والایت فاؤنڈیشن ۔دہلی	۲۰۱۴ء
۵۲	نیاز فتحپوری	گہوارۂ تمدن	علی گڑھ مطبع انسٹیٹیوٹ	۱۹۱۹ء
۵۳	نذیر احمد حافظ	آسان اردو ترجمہ قرآن مجید	انجمن حمایت اسلام پریس لاہور	۱۹۸۷ء

﴿فارسی کتب﴾

۱	ابراهیم حسینی	فمنیسم	انتشارات معارف قم ایران	۱۳۸۸؁ ش
۲	ابراهیم خرمی مشگانی	چرا حجاب؟	مرسل کاشان	۱۳۸۸؁ ش
۳	ابو الفضل رشید الدین المبیدی	کشف الاسرار و عدة الابرار	انتشارات امیر کبیر	۱۳۷۱؁ ش
۴	احمد آزری قمی	سیمای زن در نظام اسلام	انتشارات دار العلم	۱۳۷۳؁ ش
۵	احمد ضرابی	راز آفرینش زن (پرسش و پاسخ)	نشر سنبله ، مشهد	۱۳۸۰؁ ش
۶	آریل لوی ،تیم کسر۔ ترجمه۔ فاطمه سادات رضویراحله میر اسلامی	تاثیر فمنیسم بر دختران در غرب	دفتر نشر معارف تهران	۱۳۸۹؁ ش
۷	اسد الله محمدی نیا	دختران می پرند چرا	انتشارات سبط اکبر قم	۱۳۸۴؁ ش
۸	آزاده وجدانی	تاثیر فمنیسم بر فروپاشی حکومتها	دفتر نشر معارف تهران	۱۳۸۷؁ ش
۹	آلن آر۔ کلاین۔ ترجمه۔ طاهره توکلی	عریان کردن فمینیسم	دفتر نشر معارف تهران۔	۱۳۸۷؁ ش
۱۰	آنده میشل۔محمد جعفر پوینده	پیکار با تبعیض جنسی	نشر چشمه	۱۳۸۲؁ ش

۱۱	استوارت رین ۔ترجمہ۔ کتایون رجبی راد	تاثیر فمینیسم بر فرزندان	دفتر نشر معارف ،تهران	۱۳۸۶ ش
۱۲	اسد الله محمد نیا	برهنگی زنان :پیرامون زیانهای برهنگی، از نظر اجتماعی	سبط اکبر ،قم	۱۳۸۳ ش
۱۳	اسد الله محمد نیا	فلسفه حجاب	سبط اکبر ،قم	۱۳۸۳ ش
۱۴	امیر سعادتی ، مریم قربان زاده	کشف حجاب از کشف حجاب	آهنگ قلم ، مشهد	۱۳۸۶ ش
۱۵	امیر ملک محمودی الیگودرزی	کرشمه شیطانی	مشهور ، قم	۱۳۸۰ ش
۱۶	اولین رید ۔افشنگ مقصودی	آزادی زنان مسائل ،تحلیلها ،و دید گاه ها	نشر گل آذین تهران	۱۳۸۰ ش
۱۷	ایولین رید۔فتاح محمدی	آیا بیولوژی سرنوشت زن است؟	هزاره سوم تهران	۱۳۸۲ ش
۱۸	ایرج حامد ی کلخوران	زن در آئینه ادیان	رهرو دانش اردبیل	۱۳۸۵ ش
۱۹	برایس کریستنسن ترجمه ۔آزاده وجدانی	تاثیر فمینیسم بر فروپاشی حکومت ها	دفتر نشر معارف	۱۳۸۶ ش
۲۰	پاسخ های قرآنی	زن از زبان قرآن	دفتر تبلیغات اسلامی حوزه علمیه ، قم	۱۳۸۶ ش
۱۲	پاملا آبوت، کلر ولاس۔منیژه نجم عراقی	جامعه شناسی زنان	نشر نی	۱۳۸۰ ش

۲۲	پاملا ابوت، کلر والاس-مریم خراسانی حمید احمدی	مقدمه ای بر جامعه شناسی(نگرش های فمنیستی)	دنیای مادر تهران	۱۳۸۰ ش
۲۳	پریسا پور علمداری	دروغهائی که زنان باور می کنند	دفتر نشر معارف تهران	۱۳۸۹ ش
۲۴	پریسا پور علمدار سمانه مدنی ،	دختران به عفاف روی می آورند	دفتر نشر معارف تهران	۱۳۸۹ ش
۲۵	پژوهشکده فرهنگ و معارف	مجموعه مصاحبه ها ،مقالات و میز گردهای همایش اسلام و فمینیسم	دانشگاه فردوسی مشهد	۱۳۸۲ ش
۲۶	-تونی گرنت-فروزان گنجی زاده	زن بودن'به زنانگی خود تحقق بخشید و عشق را بیابید	نشر ورجاوند تهران	۱۳۸۲ ش
۲۷	جرد گلدر، کارل زینس میسیر ؟ترجمه -سمانه مدنی ،آزاده وجدانی	چه کسی گهواره را تکان خواهد داد	دفتر نشر معارف تهران	۱۳۸۹ ش
۲۸	جمعی از نویسند گان	زن در نگاه بزرگان	کتاب طه ،قم	۱۳۸۱ ش
۲۹	جمعیت زنان جمهوری اسلامی	نگرشی گزرا به مقام زن در جهان	انتشارات هادی	۱۳۶۸ ش
۳۰	جوزف هنس،ایولین رید،ماریالس واتز مترجم -فشنگ مقصودی	آرائش ،مد و هرزه کشی از زنان	نشر گل آذین تهران	۱۳۸۱ ش

۳۱	جیم ہولم و جان بوکر ترجمہ۔علی غفاری	زن در ادیان بزرگ جہان	سازمان تبلیغات اسلامی تہران	۱۳۸۴ ش
۳۲	جورج پوپ۔ترجمہ۔عفت شیرازی	زنان بزرگ تاریخ	نشر موج	۱۳۷۷ ش
۳۳	جین فریدمن۔فیروز مہاجر	فمینیسم	آشیان	۱۳۸۱ ش
۳۴	حسن انوری دکتر	فرہنگ فشردہ سخن	سخن، تہران	۱۳۸۲ ش
۳۵	حسین رحیمی، علی دوانی	اوصاف و ویژگی زن در قرآن و روایات	بی جا۔ بی نا	----
۳۶	حسین مہدی زادہ	تاثیر پوشش اسلامی در مہار غریزہ جنسی	مرکز پژوہشھای اسلامی صدا وسیما، قم	۱۳۸۳ ش
۳۷	خسرو باقری	مبانی فلسفی فمینیسم	وزارت علوم ،تحقیقات و فناوری دفتر برنامہ ریزی اجتماعی	۱۳۸۲ ش
۳۸	دفتر فعالیتھای فرہنگی، ہنری بانوان	سیر تحول و تطور حجاب در ایران	ادارہ کل فرہنگ و ارشاداسلامی ،تہران	۱۳۷۳ ش
۳۹	دافنہ دمارنوف آزادہ وجدانی	غریزہ مادری	دفتر نشر معارف تہران	۱۳۸۹ ش
۴۰	دیانا پاسنو۔ترجمہ۔ محمد رضا مجیدی	فمنیسم راہ یا بی راہ ؟	دفتر نشر معارف ،تہران	۱۳۸۶ ش
۴۱	رویا منجم	زن۔مادر "نگاہی متفاوت بہ مسئلہ زن"	نشر مس	۱۳۸۱ ش

۴۲	رزمری تانگ ۔ ترجمہ منیژہ نجم عراقی	درآمدی بر نظریہ ہای فمینیستی	نشر نی ،تہران	۱۳۸۷ ش
۴۳	زہرا حیدر پورنیہ	بر رسی جایگاہ ان در جہان امروز	وزارت علوم ، تحقیقات و فناوری دانشکدہ معارف قرآنی ۔ اصفہان	۱۳۸۶ ش
۴۴	زہرا عظیمی	نگاہی بہ حقوق زن در اسلام	صدا و سیما ی جمہوری اسلامی ایران ،قم	۱۳۸۶ ش
۴۵	سعیدہ باقری فر	حقوق زنان ۔ برابری یا نا برابری	دفتر نشر موارف ، تہران	۱۳۸۶ ش
۴۶	سمیہ سادات لوح موسوی	زن باش	دفتر نشر فرہنگ اسلامی تہران	۱۳۸۴ ش
۴۷	سوزان آلیس واتیکز،ماریساروئدا مارا رودیگر۔زیبا جلاجی نائینی	فمینیسم قدم اول	شیرازہ تہران	۱۳۸۰ ش
۴۸	شہرام رفیعی فرشہر بانو پاپی نژادو دیگران ۔ترجمہ	خشونت علیہ زنان	تندیس	۱۳۸۰ ش
۴۹	منیرہ رضائی ،فروغ ذکاوتی و دیگران	مطالعات زنان	دفتر نشر معارف ۔ تہران	۱۳۹۰ ش
۵۰	صادق شیرازی ۔ترجمہ ۔علی کاظمی	مفاسد بی حجابی	آزادی ، قم	------------
۵۱	طاہرہ توکلی	عریان کردن فمنیسم	دفتر نشر معارف تہران	۱۳۸۷ ش

۵۲	طیبہ پارسا	پوشش زن در گستہ تاریخ	احسن الحدیث ، قم	۱۳۷۷ ش
۵۳	طبا طبائی علامہ	تعدد زوجات و مقام زن در اسلام	انتشارات آزادی	-----------
۵۴	عباس یزدانی	فمینیسم و دانستنیہای فمینیستی	دفتر مطالعات و تحقیقات زنان	۱۳۸۲ ش
۵۵	عبد الرسول ہاجری	فمنیسم جہانی و چالشہای پیش رو	بوستان کتاب قم ایران	۱۳۸۶ ش
۵۶	عبد اللہ جوادی آملی آیۃ اللہ	زن در آئینہ جمال و جلال	مرکز نشر فرہنگ رجا	۱۳۷۱ ش
۵۷	عزت اللہ مہاجری	مروری بر اصطلاحات:مدرنیسم، پلورالیسم سکولاریسم فمینیسم	عابد تہران	۱۳۸۰ ش
۵۸	علی دوانی	زن در قرآن	بی نا ، قم	۱۳۶۲ ش
۵۹	علی آل محسن ۔ترجمہ اکبر ترابی شہرضائی	زنان اسوہ	-----	-----
۶۰	غزالہ دولتی،ہالہ حسینی اکبر نژادحوریہ حسینی اکبر نژاد	بررسی مبانی فلسفی، اخلاقی ،کلامی و آثار علمی فمنیسم	دفتر نشر معارف	۱۳۸۸ ش
۶۱	غلام عباس حکمت منش	آزادی و زنان	گلبرگ تہران	۱۳۸۲ ش

۶۲	پریسا پور علمدار فائزہ عسکریان	بر تر از فرشتگان	آہنگ صبح تہران	۱۳۸۳ ش
۶۳	فردریک انگلس۔اصغر مہدی زادگان	زنان در جامعہ	نگاہ تہران	۱۳۸۱ ش
۶۴	فریبا الا سوند	نقد کنوانسیون رفع کلیہ اشکال تبعیض علیہ زنان	مرکز مدیریت حوزہ علمیہ، قم	۱۳۸۲ ش
۶۵	فریدہ مصطفوی	زن از منظر اسلام	بوستان کتاب ،قم	۱۳۸۲ ش
۶۶	فتحیہ فتاح زادہ	زن در تاریخ و اندیشھا	بوستان کتاب ، قم	۱۳۸۶ ش
۶۷	فواد محمد والدقس۔ ترجمہ۔فاطمہ حیدری	آشنائی با زنان قرآنی	نشر مشعر ،تہران	۱۳۸۹ ش
۶۸	فیلیس شلافی ، سوزان ونکر، ترجمہ ۔نجمہ غلام علی اللھیاری	آن روی فمینیسم	دفتر نشر معارف ،تہران	۱۳۹۳ ش
۶۹	کتایون رجبی راد	تاثیر فمنیسم بر فرزندان	دفتر نشر معارف تہران	۱۳۸۶ ش
۷۰	کریستینا ہوف سومرز مترجم۔ پریسا پور علمداری	خیانت زنان بہ ہمنوعان خود	دفتر نشر معارف	۱۳۷۵ ش
۷۱	کریم توکلیان دکتر	دانستنیھای پزشکی زنان	انتشارات قیام ،قم	۱۳۶۹ ش
۷۲	لوئیز ہی ، ترجمہ۔ م۔ ن۔ مینا	زنان خردمند نغمہ افسردگی سر نمی دھند	نامک ، تہران	۱۳۸۴ ش

۷۳	محسن دهقانی	منطق کرامت زن	شهاب الدین، قم	۱۳۸۶ ش
۷۴	محسن قرائتی	تفسیر نور	مرکز فرهنگی درسهای از قرآن	۱۳۸۰ ش
۷۵	محمد حکیمی	دفاع از حقوق زن	دفتر نشر فرهنگ اسلامی تهران	۱۳۸۶ ش
۷۶	محمد حسین فضل الله علامه	اسلام زن و جستاری تازه	بوستان کتاب قم ایران	۱۳۸۶ ش
۷۷	محمد نجفی یزدی سید	ازدواج	دفتر انتشارات اسلامی	۱۳۷۳ ش
۷۸	محمد رضا مجیدی	فمنیسم ره یابی راه	دفتر نشر معارف تهران	۱۳۸۶ ش
۷۹	محمد معین دکتر	فرهنگ صبا	--------------	--------
۸۰	محمد منصور نژاد	مسئله زن ،اسلام و فمنیسم	برگ زیتون تهران	۱۳۸۱ ش
۸۱	محمد رضا زیبائی نژاد،محمد تقی سبحانی	در آمدی بر نظام شخصیت زن در اسلام ﴿بررسی مقائسه ای دیدگاه اسلام و غرب﴾	نصائح قم	۱۳۸۲ ش
۸۲	محمد بیستونی	حقوق زن از دیدگاه قرآن کریم	بیان جوان، تهران	۱۳۸۲ ش
۸۳	محمد رضا امین زاده	جایگاه اخص و ممتاز زن	سازمان تبلیغات اسلامی ،تهران	۱۳۸۰ ش
۸۴	محمد علی	حجاب در ادیان الٰهی	نو گستر، قم	۱۳۸۰ ش
۸۵	محمد منصور نژاد	مسئله زن اسلام و فمینیسم ﴿در دفاع از حقوق زنان﴾	برگ زیتون تهران	۱۳۸۱ ش

۸۶	محمد صادق امیدواری خراسانی	آئینہ رفتار ⟨وظایف مردان و زن⟩	سبط النبی	۱۳۸۸ ش
۸۷	محمد رضا کوھی	آسیب شناسی شخصیت و محبوبیت زن	نشر قم	۱۳۸۷ ش
۸۸	محمد رضا کوھی	ویژگیھا و امتیازات زنان	بی جا	۱۳۸۶ ش
۸۹	محمد رضا نکو نام	زن مظلوم ھمیشہ تاریخ	ظھور شفق ،قم	۱۳۸۴ ش
۹۰	محمد مھدی تاج لنگرودی واعظ	داستان زنان	چاپخانہ حیدری	۱۳۶۶ ش
۹۱	محمود حسن آبادی	مکتب اصالت زن ⟨فمینیسم⟩در نقد ادبی نیکو	نشر مشھد	۱۳۸۱ ش
۹۲	محمود سامانی	نقش زنان در تاریخ اسلام	نشر مشعر ،تھران	۱۳۹۰ ش
۹۳	محمد علی ھدایتی	احیای حیا	کوثر غدیر ، قم	۱۳۸۲ ش
۹۴	مسعود معصومی سید	احکام روابط زن و مرد	دفتر تبلیغات قم ایران	۱۳۷۷ ش
۹۵	مسعود معصومی سید	فمنیسم در یک نگاہ	انتشارات موسسہ آموزشی و پژوھشی امام خمینی	۱۳۸۷ ش
۹۶	مرتضیٰ مطھری شھید	مسئلہ حجاب	انتشارات صدری	۱۳۷۷ ش
۹۷	مرتضی مطھری	نظام حقوق زن در اسلام	انتشارات صدریٰ	۱۳۷۶ ش
۹۸	مرتضیٰ مطھری شھید	تفسیر سورہ نور	وزارت فرھنگ و ارشاد اسلامی،تھران	۱۳۶۰ ش

۹۹	مرتضی عطائی	داستانهای حجاب (قصه ها،خاطرات،نامه ها)	نشر الف مشهد	۱۳۷۵ ش
۱۰۰	مهدی نهریزی	بولتن مرجع : گزیده مقالات و متون در بار ه فمنیسم	بین المللی الهدی تهران	۱۳۸۰ ش
۱۰۱	مدیریت مطالعات اسلامی	بولتن مرجع : گزیده مقالات و متون در باره فمنیسم	بین المللی الهدی تهران	۱۳۷۵ ش
۱۰۲	مگی هام،سارا گمبل، فیروز مهاجر، نوشین احمدی خراسانی	فرهنگ نظریه های فمینیستی	نشر توسعه	۱۳۸۲ ش
۱۰۳	منیژه نجم عراقی	درآمدی جامع بر نظریه های فمنیستی	دفتر نشر معارف تهران	۱۳۸۷ ش
۱۰۴	منیژه نجم عراقی،مرسده صالحپور،نسترن موسوی	زن و ادیان "سلسله پژوهشهای نظری درباره مسائل زنان "	نشر چشمه	۱۳۸۲ ش
۱۰۵	مور گان مارابل ۔ مترجم صادق آسوده	هنر زن بودن	امید فرزانگان	۱۳۸۱ ش
۱۰۶	مهر انگیز کار	پژوهش در باره خشونت علیه زنان در ایران	روشنگران و مطالعات زنان	۱۳۸۱ ش
۱۰۷	میشل ریو۔ سارسه، ترجمه ۔ عبد الوهاب احمدی	تاریخ فمینیسم	ایماژ	۱۳۹۰ ش

۱۰۸	نانسی لی دموس، ترجمہ ـپریسا پور علمداری	دروغھائی که زنان باور می کنند حقایقی که آنھا را آزاد می سازد	دفتر نشر معارف، تھرا	۱۳۸۶ ش
۱۰۹	ناھید طیبی	زن در چشم پیامبر ﷺ	بھشت بینش، قم	۱۳۸۵ ش
۱۱۰	نوشین احمدی خراسانی	جنس دوم (مجموعه مقالات)	نشر توسعه	۱۳۷۷ ش
۱۱۱	وندی شلیت و نانسی لی دموس،ترجمہ ـ سمانه مدنی ـ پریسا پور علمداری	دختران به عفاف روی می آورند	دفتر نشر معارف ،تھران	۱۳۸۹ ش
۱۱۲	ھادی قطبی	چرا زن شدم؟ (پاسخھای کوتاه به پرسش ھای دختران	بھار دلھا، قم	۱۳۹۰ ش
۱۱۳	ھادی دوست محمدی	شخصیت زن از دیدگاه قرآن	سازمان تبلیغات اسلامی، تھران	۱۳۶۸ ش
۱۱۴	ھمایش زن و پژوھش	(۱۳۸۴، تھران)خلاصه مقالات ھمایش و پژوھش	دانشگاه تھران	۱۳۸۴ ش
۱۱۵	ھمایش نقش زن در گفت و گوی تمدنھا	زن در فرھنگھا و تمدنھا	برگ زیتون ،تھران	۱۳۸۱ ش
۱۱۶	یوسف غلامی	جلوه نمائی زنان و نگاه مردان	لاھیجی، قم	۱۳۸۱ ش

﴿عربی کتب﴾

۱	حر عاملی شیخ	وسائل الشیعہ	دارا لاحیاء التراث ، بیروت	۱۹۸۳ء
۲	حسین نوری طبرسی میرزا	مستدرک الوسائل	مطبع سعید ، مشھد	۱۴۰۶ھ
۳	محمد باقر مجلسی علامہ	بحار الانوار	موسسہ الوفاء بیروت	۱۹۸۳
۴	محمد حسین نجفی شیخ الفقھاء	جواھر الکلام	دار الکتب الاسلامیہ ، تھران	۱۳۹۲ھ
۵	محمد حسین طباطبائی علامہ	المیزان فی تفسیر القرآن	موسسہ اسماعیلیان ، قم	۱۳۷۱ ش
۶	محمد رشید رضا	حقوق النساء فی الاسلام	المکتب الاسلامی ، بیروت	-----
۷	محمد رضامظفر علامہ	عقائد الامایہ	ولایت فائونڈیشن دھلی	۲۰۱۴ء

﴿رسائل﴾

۱	فصلنامه شورای فرهنگی	اجتماعی زنان	کتاب زنان فمینیسم ⟨۱⟩ شماره ۲۸	۱۳۸۴ ش
۲	فصلنامه شورای فرهنگی	اجتماعی زنان	کتاب زنان فمینیسم ⟨۲⟩شماره ۲۹	۱۳۸۴ ش
۳	فصلنامه شورای فرهنگی	اجتماعی زنان	کتاب زنان فمینیسم ⟨۴⟩شماره ۳۱	۱۳۸۵ ش
۴	فصلنامه شورای فرهنگی	اجتماعی زنان	کتاب زنان فمینیسم ⟨۵⟩شماره ۳۲	۱۳۸۵ ش
۵	ماهنامه پیام زن	سال یازدهم	شماره۔۱۱	۱۳۸۱ ش
۶	ماهنامه پیام زن	سال یازدهم	شماره۔۱۲	۱۳۸۱ ش
۷	ماهنامه پیام زن	سال دوازدهم	شماره۔۱	۱۳۸۲ ش
۸	ماهنامه پیام زن	سال دوازدهم	شماره۔۲	۱۳۸۲ ش
۹	ماهنامه پیام زن	سال دوازدهم	شماره۔۳	۱۳۸۲ ش
۱۰	ماهنامه پیام زن	سال دوازدهم	شماره۔۴	۱۳۸۲ ش
۱۱	ماهنامه پیام زن	سال دوازدهم	شماره۔۵	۱۳۸۲ ش
۱۲	ماهنامه پیام زن	سال دوازدهم	شماره۔۶	۱۳۸۲ ش